

وادی سندھ کی تہذیب

محمد ادریس صدیقی

حکیم، انٹرنیشنل پبلشرز، پاکستان

58972

بہملہ حقوق محفوظ

اکتوبر ۱۹۵۹ ع

...

پہلا ایڈیشن

دو ہزار

...

تعداد



مکتبہ نیارہی، کراچی ۲

ترتیب

۱

تصویریں اور خاکے

۲

تعارف

۳

پیش لفظ

۴

تمہید

۱

داستانِ انکشاف

باقیاتی تفتیش۔ تاریخ

۱۶

جغرافیائی پس منظر

۲۷

بستیاں

موہنجودارو :- اسٹوپہ۔ بڑا حوض۔ جامعہ۔ نشیبی شہر
ہڑپہ :- کاریگردوں کے کوارٹر۔ بھٹیاں۔ گول چبوترے۔ غلے کی کوٹھی
چنہودارو۔ شہکار جن دور۔ علی مراد۔ آمری۔ دابر کوٹ

۵۳

قصبائی منصوبہ بندی

خشت سازی۔ مکانات۔ شاہراہیں اور گلیاں۔ کنوئیں۔ صفائی۔ غسلخانے۔ حمام

۷۷

صنعت و حرفت

کوزہ گری۔ تانبے اور کانسے کے ظروف۔ اسلحہ اور اوزار۔ سنگ تاشی۔ ہیرن۔ دوسری صنعتیں۔ منکے

۱۱۱

مواصلات و تجارت

مواصلات۔ تجارت۔ اوزان و پیمائش

۱۲۳

معاشرت

بلدیاتی نظام۔ زراعت و خوراک۔ لباس۔ آرائش۔ زیورات۔ سنگھار
کھلونے۔ تفریح۔ شکار۔ پالتو جانور۔ جنگلی جانور۔ رقص و ہنر۔ حکمت۔ پیشے

۱۸۶

مذہب

اصنام پرستی۔ اشجار پرستی۔ حیوان پرستی۔ دوسرے عقائد

۱۹۱

تدفین

مکمل تدفین۔ جزوی تدفین۔ خاک تری مدفن

۲۰۳

نسلی جائزہ

۲۱۳

رسم الخط

۲۲۷

زمانہ

۲۳۹

خاتمہ تہذیب

۲۵۵

بازگشت

۲۶۹

کتابیات

۲۷۵

فرہنگ

1175

تصویریں اور خاکے

تصویریں

پلیٹ نمبر

- | | |
|---|---------|
| موہنجو دارو، کھدائی سے پہلے | ۱ |
| موہنجو دارو، اسٹوپا | ۲ - الف |
| موہنجو دارو، بڑا حوض | ۲ - ب |
| موہنجو دارو، کنواں | ۳ - الف |
| موہنجو دارو، ایک کنواں جو سطح زمین بلند ہونیکے ساتھ ساتھ اونچا کیا جاتا رہا | ۳ - ب |
| موہنجو دارو، ایک گلی | ۴ - الف |
| موہنجو دارو، شاہراہ اول | ۴ - ب |
| موہنجو دارو، ایک زینہ | ۵ - الف |
| موہنجو دارو، ڈھکی ہوئی مورتیاں اور چہ بچہ | ۵ - ب |

ب

- ۶ - الف - موہنجو دارو، گندے پانی کی نکاسی کے پائپ اور بندموریاں
- ۶ - ب - موہنجو دارو، گندہ پانی جذب کرنیکے کا مٹکا
- ۷ - ظروف گلی
- ۸ - الف - نقشیں ظروف گلی کے ٹکڑے
- ۸ - ب - رنگین ظروف گلی
- ۹ - بیلوں کے مجسمے
- ۱۰ - تانبے اور کانسے کے اوزار اور ہتھیار
- ۱۱ - ہڈی اور ہاتھی دانت کا سامان
- ۱۲ - الف - سچی چینی کی بنی ہوئی اشیاء
- ۱۲ - ب - سیپ اور گھونگھے کی بنی ہوئی اشیاء
- ۱۳ - الف - زیورات
- ۱۳ - ب - زیورات
- ۱۴ - الف - موہنجو دارو، رقاہہ کا کانسے کا بنا ہوا مجسمہ
- ۱۴ - ب - پتھر کے بنے ہوئے مجسمے کا سر
- ۱۵ - ۱ - کنگھیاں ۲ - موہاف ۳ - شطرنج کے مسہرے
- ۱۶ - کھلونے
- ۱۷ - ۱ - مٹی کی بنی ہوئی بیل گاڑیاں ۲ - سر ہلانے والے کھلونے
- ۳ - بیل گاڑی
- ۱۸ - الف - ماتا کے مجسمے
- ۱۸ - ب - ۱ - موہنجو دارو، پروہت ۲ - ہڑپہ سے دریافت شدہ مجسمہ
- ۳ - ہڑپہ سے دریافت شدہ رقاہہ کا مجسمہ
- ۱۹ - مسہریں
- ۲۰ - مسہریں

1175

ج

۲۱	مہریں
۲۲	مہریں
۲۳	الف ہڑپہ، مدفن - آر - ۳۷
۲۳	ب - موہنجو دارو، چند لاشیں

خاکے

۸	مقابل صفحہ	وادی سندھ کی تہذیب کی بستیاں
۹	مقابل صفحہ	ہڑپہ اور موہنجو دارو
۴۲	صفحہ	کاریگروں کے کوارٹر
۶۳	صفحہ	دیوار
۷۳	مقابل صفحہ	موہنجو دارو، ایک کمرے کا خیالی خاکہ
	مقابل پلیٹ نمبر ۳ - الف	بڑے حوض کا نقشہ
۱۰۵	مقابل صفحہ	موہنجو دارو، ایک گلدان
۱۱۰	صفحہ	منکے
۱۷۴	صفحہ	پتھر کا مجسمہ

تعارف

(ڈاکٹر فضل احمد خان، ناظم محکمہ آثار قدیمہ، پاکستان)
علم الآثار بالخصوص حفریات کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ
اس نے عہد عتیق کے ثقافتی ورثے سے دنیا کو روشناس کرایا
ہے۔ حفریات کی پیہم کوششوں نے آج قدیم تاریخ کے مختلف
ابواب میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اب مدون تاریخ کا دور اتنا اہم
اور طویل نہیں رہا جتنا ماقبل تاریخ کا غیر مدون دور ہے۔ دنیا
کی قدیم تہذیبوں میں وادی سندھ کی تہذیب کا انکشاف بھی
اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے جو اس صدی کے ربع اول کا
کارنامہ ہے۔ اس انکشاف کے بعد ہند و پاکستان کی تاریخ
واضح طور پر پانچ ہزار سال پہلے کی بات ہو گئی ہے۔

زیر نظر کتاب میں وادی سندھ کی تہذیب کا تفصیلی
جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تدوین کے بعد اس

قسم کی ایک اور زیر زمین اہم بستی کوٹ ڈیجی کی کھدائی ہوئی جو سندھ کی تمام قدیم بستیوں سے پرانی ہے۔ کوٹ ڈیجی موہنجو دارو کے مشرق میں تیس میل دور دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں جو کھدائی ہوئی ہے اس سے تاریخ میں پہلی بار اس عظیم الشان تہذیب کے ابتدائی مرحلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ امتیاز اور فرق خاص طور پر ظروف گلی میں بہت نمایاں ہے جو علم حفریات کے جاننے والوں کے لئے نہایت اہم ہے۔ چنانچہ ان کا تفصیلی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کوٹ ڈیجی اور وادی سندھ کی تہذیب کے ظروف میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ کوٹ ڈیجی کے ظروف زیادہ تر ہلکے پھلکے اور پتلے دل کے ہیں اور ان ظروف پر رنگوں کی ترتیب کا الگ الگ انداز اور منفرد آرائشی اسلوب بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کوٹ ڈیجی کے ظروف ایک ایسے تمدن کی نشانی ہیں جو وادی سندھ کی تہذیب سے پہلے کی بات بھی ہے اور اس سے الگ بھی۔ یہاں کھدائی کرنے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وادی سندھ کے ابتدائی نمائندے تقریباً فی الفور ہی کوٹ ڈیجی کے ان کھنڈرات پر آباد ہو گئے تھے جو یہاں کی زیرین تہ پر آباد اصلی باشندوں نے اپنے پیچھے چھوڑے تھے۔ کوٹ ڈیجی کے اصلی باشندوں سے ہڑپہ یا موہنجو دارو والوں نے بعض فنی اور دیگر تصورات حاصل کئے۔ ان میں شہر کی منصوبہ بندی، قلعہ بندی اور غالباً

مذہبی شعائر اور عقائد بھی شامل تھے۔

کوٹ ڈیجی سے دریافت شدہ باقیات سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہاں کا تمدن حجری انقلاب کے فوراً بعد ہی ظہور پذیر ہوا کیونکہ کوٹ ڈیجی کے لوگ یہاں اس وقت آباد ہوئے جب انکا فن ظروف سازی کافی ترقی پذیر ہو چکا تھا۔ یہ لوگ یہاں کافی عرصہ تک مقیم رہے۔ جیسا کہ اوپر تلے کی گیارہ آبادیوں سے نظر آتا ہے۔ ان متواتر گیارہ آبادیوں کی مدت کا اندازہ کم سے کم پانچ یا چھ سو سال کیا جاسکتا ہے اور اسی اندازے کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوٹ ڈیجی کے اصلی باشندے تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں یہاں آئے اور چار یا پانچ سو سال تک یہاں آباد رہے حتیٰ کہ وادی سندھ کے لوگوں نے ان کی جگہ لے لی۔

جہاں کوٹ ڈیجی کی کھدائی سے تاریخ کا سلسلہ موہنجو دارو کی تہذیب کے ابتدائی سلسلوں سے براہ راست مل جاتا ہے وہاں پاکستان کی قدیم تاریخ میں پانچ سو سال کا اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ترقی یافتہ تمدن بھی آشکار ہوتا ہے جو پاکستان کی قدیم ترین تہذیب کا اہم جزو ہے۔

وادی سندھ کی گم شدہ تہذیب کی دریافت انسانی تاریخ میں اہم اضافہ ہے اور دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان میں اس موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے لیکن اردو میں

ح

اب تک اس بارے میں کوئی مستند کوشش نہیں ہوئی تھی۔
زیر نظر کتاب اس کمی کو پورا کرتی ہے جس کے لئے
محمد ادریس صدیقی صاحب قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے اس
تحقیقی اور تکنیکی موضوع کو دلچسپ پیرائے میں پیش کیا ہے۔
مجھے امید ہے کہ اردو دان حضرات کے لئے اس کتاب
کا مطالعہ معلومات افزا اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔

نفرانِ عثمان

کراچی

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۹ ع

پیش لفظ

’صاحب! آپ یہ ٹیلہ کیوں کھدوا رہے ہیں؟‘
یہ سوال ایک بلوچ مزدور نے مجھ سے ریاست مکران کے شہر پنجگر سے تیس میل دور ایک ٹیلے کی کھدائی کے موقع پر پوچھا تھا۔ یہ مارچ سنہ ۱۹۵۴ء کی بات ہے۔ میں اس وقت ڈاکٹر ہنری فیلڈ کے ہمراہ بلوچستان کی باقیاتی تفتیش کے سلسلے میں محکمہ آثار قدیمہ پاکستان کی جانب سے سرگرم عمل تھا۔ یہ ٹیلہ دریائے رخشاں کے کنارے واقع ہے جسکے دھارے میں اب پانی کی جگہ ہوا کی لہروں کے ہمراہ ریت بہتی ہے۔ اس سنسان علاقے میں میلوں تک آبادی کا نشان نہیں حتیٰ کہ یہ مزدور بھی پنجگر سے ٹرک پر لائے گئے تھے۔

سوال اس مزدور نے تین گھنٹہ کھدائی کے بعد پوچھا تھا۔ غالباً وہ اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ اتنی محنت اور اتنے اخراجات برداشت کرنے کے بعد اس ویرانے میں کھدائی کرانے سے جہاں مٹی کی ٹھیکریوں کے سوا کوئی ’کار آمد‘ شے برآمد نہیں ہو رہی تھی آخر ہمیں کیا ملے گا؟ میں نے چاہا کہ

اسکے سوال کا جواب دوں۔ لیکن کیا میرا جواب اس ان پڑھ مزدور کو مطمئن کر سکتا تھا؟ میں ہنس کر ڈال گیا۔

اسی طرح جب ہم دوسرے ٹیلوں پر ٹھیکرے جمع کرتے تو اطراف و جوانب سے چرواہے اور دوسرے لوگ جمع ہو جاتے اور بڑے انہماک سے ہمیں ٹھیکرے اٹھاتے دیکھتے اور دلچسپ ساخت، انوکھی وضع اور نادر ظروف کے ٹکڑے ملنے پر ہماری خوشی کو دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے اور ہمیں دیکھ دیکھ کر زیر لب مسکراتے تھے۔ شاید وہ ہمیں سر پھرا اور دیوانہ سمجھتے تھے۔ انکی آنکھوں میں میں نے یہ سوال بارہا پڑھا لیکن انکے دل کی بات زبان تک نہ آسکی اور میں جواب دینے سے بچتا رہا۔

بلوچستان سے ہم بھاولپور گئے اور قدیم دریائے ہکڑا کی خشک گذرگاہ پر ٹیلوں کی تلاش شروع کی سوالیہ نظریں یہاں بھی ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ ایک تعلیم یافتہ (?) نوجوان کو بھی ہماری 'بے مصرف' صحرا نوردی پر تعجب ہوا اور اس نے پوچھا کہ ہم ان ٹھیکریوں کا کیا کریں گے؟ لیکن کیا اس سوال کا جواب اتنا مختصر ہو سکتا تھا کہ ایک راہ چلتے سوال کرنے والے کو مطمئن کیا جا سکے؟۔

بھاولپور سے ہم موہنجودارو پہنچے۔ یہاں آکر جب میں نے ستر فٹ بلند اسٹوپہ پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی تو میرے دل نے کہا کہ کاش وہ متجسس و متحیر نگاہیں

ک

یہاں ہوتیں کہ میں انکے سوالات کا جیتا جاگتا جواب دے سکتا۔ موہنجودارو کا وسیع خرابہ آباد نما، ہمارے شاندار ماضی کی حسین تصویر، ہماری عظمت پارینہ کے وہ درخشاں نشانات جنہیں مادر وطن نے متبرک سمجھ کر اپنی آغوش میں صدیوں چھپائے رکھا اور جس کو بالآخر ماہرین آثار قدیمہ نے اپنی انتھک کوششوں سے صفحہ ہستی پر پھر سے آجا کر کر دیا اور اب یہی عظیم الشان کھنڈر ان سوالوں کا جواب اور اس کتاب کا موضوع ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب برصغیر ہند و پاکستان کی تاریخ و ثقافت کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے علم الآثار کو اردو دان طبقے سے روشناس کرانے کے لئے اب تک بہت کم کوششیں ہوئی ہیں اور سوائے چند مضامین کے جو اردو کے مختلف اخبارات اور رسائل میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں کوئی مستقل کام نظر سے نہیں گذرا۔ ان اوراق میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ موضوع بہت خشک ہے۔ علم الآثار کی ثقیل اصطلاحات میں سنگ و خشت اور حذف ریزوں کی گفتگو کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں بالخصوص جب 'شاعری' کی قطعاً گنجائش نہ ہو، پھر بھی میں نے کوشش کی ہے کہ بے جان باقیات کی زبان بے زبانی سے بیان کی ہوئی داستان کم از کم بے روح نہ ہو۔ اس سلسلے میں اب تک جو تحقیقات

ہونی ہیں انکو حتی الامکان ایک جگہ جمع کیا ہے اور اس سلسلہ میں جن کتابوں سے مدد لی ہے انکی فہرست شامل کردی ہے۔ بڑی نا انصافی ہوگی اگر ان محققین کی گران بہا خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے جنہوں نے اس کام میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے۔

یہ میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ اپنے کرم فرما ڈاکٹر فضل احمد خان صاحب، ناظم آثار قدیمہ، پاکستان، کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اپنی عدیم الفرستی کے باوجود اس کتاب کو نہ صرف بالاستیعاب دیکھا اور مفید مشورے دیئے بلکہ اسکی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ میں محترم دلاور حسن صاحب، ڈپٹی سیکریٹری، وزارت تعلیم، حکومت پاکستان اور مسٹر راول کیوریل، سابق مشیر آثار، حکومت پاکستان، کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں بڑی مدد دی۔

محترم ممتاز حسن صاحب کی علم دوستی اور ادب پروری سے کون واقف نہیں۔ لیکن جو ذاتی شغف آپ کو اس کتاب کی اشاعت سے رہا ہے اور جس طرح اس سلسلے میں انہوں نے میری مدد اور ہمت افزائی فرمائی ہے اسکا شکریہ ادا کرنے کے لئے نہ تو میرے پاس الفاظ ہیں اور نہ انکی شفقت کا صحیح معنوں میں شکریہ ادا ہی کیا جا سکتا ہے۔

بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر محمود حسین کراچی یونیورسٹی، ڈاکٹر احمد حسن دانی، ڈھاکہ یونیورسٹی،

پیر سید حسام الدین صاحب راشدی، جناب قریشی محمد منیر صاحب، سابق ناظم محکمہ آثار قدیمہ، پاکستان اور مسٹر ولی اللہ خان صاحب مہتمم مغربی پاکستان سرکل آف آرکیالوجی، لاہور کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے جنہوں نے تکلیف فرما کر کتاب کے مسودہ کا مطالعہ فرمایا اور اپنی بیش قیمت آرا سے نوازا۔

شکریے کی اس فہرست میں چند دوست بھی آتے ہیں۔

مرزا محمود بیگ لائبریرین محکمہ آثار قدیمہ، جنکے تعاون سے اس موضوع پر مواد فراہم کرنے میں مجھے بہت مدد ملی۔

احمد نبی خان صاحب اور ایس اے عزیز رسول آبادی جنہوں نے پروف دیکھنے اور طباعت کے صبر آزما کام میں ہاتھ بٹایا۔

آخر میں ع۔ س۔ مسلم صاحب، مکتبہ نیاراہی، کراچی، کا خاص طور سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی فنکارانہ مہارت نے کتاب کو چار چاند لگائے۔

ز د ستم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

محمد اسد صدیقی

کراچی
۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء

تمہید

وادیٰ سندھ کی تمہذیب اور اس کے مختلف موضوعات پر تفصیلی گفتگو کرنے سے پہلے چند مبادیاتی مسائل کا ذکر ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ علم الاثار کا مقصد اور طریق کار کیا ہے اور اسے تاریخ کے سنوارنے میں کیا مدد دی ہے۔

انسان اس جہان فانی میں تقریباً پانچ لاکھ سال سے رہ رہا ہے۔ پانچ لاکھ سال! اس مدت کا صحیح اندازہ لگانا کتنا دشوار ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر اس مدت کو ایک دن کے برابر تصور کر لیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ اسوقت رات کے بارہ بجے ہیں تو حضرت عیسیٰ گویا اب سے صرف ساڑھے پانچ منٹ پہلے پیدا ہوئے تھے اور قدیم ترین تاریخ پندرہ منٹ پہلے شروع ہوئی تھی۔ گویا گیارہ بجکر پینتالیس منٹ پہلے کی ہر بات زمانہ قبل تاریخ کی بات ہے!۔

1 Robert, J. Braid Wood — Prehistoric Men, Chicago, USA, 1951, P,15.

علم الاثار نسبتاً محدود عرصے سے متعلق ہے۔ اسکی تحقیقات چند ہزار سال کی مدت کے دائرے میں محدود ہیں۔ اسکا موضوع نہ تو 'تخلیق کائنات' ہے اور نہ 'نسل انسانی' بلکہ یہ موجودہ انسان سے بحث کرتا ہے۔ ہم یہ سوچتے اور کہتے ہیں کہ عجائب خانوں میں رکھے ہوئے ظروف گلی، منکے، زیورات اور دوسری باقیات تین ہزار سال یا چار ہزار سال قبل مسیح کی ہیں۔ دیکھنے والے انکی قدامت پر متعجب ہوتے ہیں۔ لیکن دراصل انکی دلچسپی اس بات میں مضمحل ہے کہ وہ 'نئے' ہیں۔ اگر انکی قدامت ہی انکی اہمیت کا موجب ہوتی تو ہماری یہ ساری باقیات پتھرائے ہوئے¹ انڈوں، درختوں، جانوروں اور انسانوں کے سامنے بازیچہ اطفال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ دراصل ہماری باقیات کی اہمیت صرف اسی بات میں مضمحل ہے کہ وہ ہمارے ہی جیسے انسانوں اور تقریباً ہماری ہی جیسی تہذیب رکھنے والوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور یہ سب چیزیں ہمارے ہی جیسے انسانوں کی انتہائی محنتوں کا نتیجہ ہیں جو اپنی کوششوں سے ایک عظیم تہذیب اور نئی زندگی کی داغ بیل ڈال رہے تھے اور جو خود عمرانی زندگی گزارنے کے عادی ہو کر آج کی دنیا کے لئے راستہ ہموار کر رہے تھے۔

1 Fossilised

ف

حجری دور کا ابتدائی انسان شکار اور خوراک کا متلاشی حیوان ناطق تھا۔ یہ انسان چھوٹے چھوٹے گروہ میں بٹا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اسنے آگ جلانی میکھی اور اپنے جسم کو موسم کے اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے کھال، درختوں کی چھال اور پتوں سے ڈھانپنا سیکھا۔ علم الارضیات کے 'وقت' کے بموجب انسان کے رہن سہن میں یہ ساری تبدیلیاں تقریباً دس ہزار سال سے چھ ہزار سال قبل مسیح کے عرصہ میں واقع ہوئی ہیں۔ گارڈن چائلڈ کے قول کے مطابق اس عرصہ میں انسان نے اپنے ماحول سے جنگ کرنا، فصل اگانا، جانور سدھانا، برتن بنانا اور کپڑے پہنا سیکھا اسکے علاوہ دھات دریافت ہونے سے پہلے پتھروں کے اوزاروں پر اس قسم کی پالش کرنا سیکھا جس سے یہ اوزار حجری عہد کے اوزاروں سے زیادہ مفید ثابت ہوئے^۱۔ ترقی یافتہ کاشتکاری اور مستقل دیہی آبادی مشرق قریب میں تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح میں شروع ہوئی۔ پاکستان میں اس قسم کی بستیاں بلوچستان اور جنوبی سندھ میں تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح سے موجود تھیں۔

علم الآثار کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے شواہد بہم پہنچائے جس سے زمانہ قبل تاریخ کی تاریخ متعین ہو

۱۔ ایسے اوزار برصغیر ہند و پاکستان بالخصوص شمالی مغربی صوبوں اور دکن میں پائے گئے ہیں۔

سکے۔ قبل تاریخ کے لوگوں نے ہمارے لئے کوئی تحریری مواد نہیں چھوڑا لیکن اسکے باوجود انہوں نے غیر شعوری طور پر ہی سہی اپنی زندگی کے بارے میں جو نشانیاں چھوڑی ہیں وہ آج ہمارے مقصد کے لئے کافی اہم اور بڑی معلومات افزا ثابت ہوتی ہیں۔ علم الاثار اسی مواد کے تجسس اور تحقیق کا نام ہے اور علم الاثار کے ماہرین کا یہ کام ہے کہ وہ قبل تاریخ عہد کے انسانوں کے بنائے ہوئے پتھر اور دھات کے سامان مٹی کے برتنوں، قبروں، غاروں اور مکانوں کی تلاش کریں لیکن یہ تلاش و تجسس ہی اصل کام نہیں ہے بلکہ علم الاثار کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ ہر قابل شناخت اثارے کی مدد سے عمل انسانی کی تاریخ متعین کرے۔ یہاں یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ قدیم تہذیبوں کی دریافت اور انپر تحقیق آیا علم الاثار کا مسئلہ ہے یا تاریخ کا؟ اور کیا ایک مورخ جستہ جستہ حاصل شدہ باقیات کی مدد سے اس دور کی تاریخ کی تدوین نہیں کر سکتا؟ نیز کیا ہر آدمی یہ چیزیں کھود کر نہیں نکال سکتا؟

عمل حفریات دراصل پرانی تہذیبوں کے مدفنوں کی کھدائی کا ایک سائنٹفک طریقہ ہے جسکی بنیاد اس اصول پر ہے کہ کس چیز کی تاریخی اہمیت اس چیز کی ساخت، نوعیت اور ماہیت پر ہونے کے ساتھ ساتھ اس ماحول پر مبنی ہے جس میں وہ دریافت ہوتی ہے۔ ایک عام کھدائی کرنے والے

یا خزانہ کے متلاشی کا مقصد اسی وقت حاصل ہو جاتا ہے جب اسے کوئی نادر یا قیمتی چیز مل جاتی ہے اسکے برعکس ماہر آثار کاوی نادر اور خوبصورت اشیا کے دریافت ہو جانے پر ہی خوش نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اسکا ہر زاویہ سے مشاہدہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ کس جگہ اور کتنی گہرائی سے ملی ہے۔ کس عہد کی تہ میں، کس قسم کے سامان کے ہمراہ اور قرب و جوار میں دریافت شدہ اشیا سے کس تعلق کے ساتھ پائی گئی ہے اور یہ کہ یہ تمام مقامی شواہد اسکے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے میں کس حد تک اور کیا مدد دیتے ہیں اور اسکی کیا کیا تعبیریں کی جا سکتی کیونکہ ان چیزوں کے جانے بغیر اس چیز کی حقیقی تاریخی اہمیت کا بمشکل ہی اندازہ کیا سکتا ہے اور اسی وجہ سے جہاں ابتدائی تہوں پر پھاؤڑوں، گینتیوں اور بیلچوں سے کھدائی شروع کی جاتی ہے وہاں ان تہوں میں جہاں باقیات ملنے لگتی ہیں چہرے چاقوؤں اور بعض اوقات تو برش تک سے مٹی ہٹائی جاتی ہے۔ بڑی احتیاط اور باریک بینی سے کام لیا جاتا ہے اور ہر چیز کا مکمل خاکہ تیار کر لیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ بڑا صبر آزما کام ہے لیکن ایسی کھدائی بڑی دلچسپ بھی ہوتی ہے جہاں امید و بیم کی ایک کیفیت طاری رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کھدائیوں سے مصر میں سونے اور جواہرات کے ذخیرے کریٹ میں منیاس کے محل کے خزانے، ٹیکسلا میں

خوبصورت کندن کے زیورات، موہنجودارو اور ہڑپہ میں سونے چاندی، عقیق اور یشب کی بنی ہوئی ایسی باقیات دریافت ہوئی ہیں کہ کھودنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو ہو گئی ہیں۔

علم الاثار کے کھدائی کے طریقے زمانہ حال کی تحقیقات پر وضع کئے گئے ہیں۔ مورخ عموماً اپنی تحقیقات کی بنیاد ان تحریروں پر رکھتے تھے جو ان سے قبل کے لکھنے والوں نے چھوڑی تھیں۔ یہ لکھنے والے جس چیز کو چاہتے لکھتے جس کو چاہتے چھوڑ دیتے ان کو عام طور پر آسرا اور سلاطین کی سرپرستی میں کام کرنا پڑتا تھا چنانچہ عموماً یہ تحریریں انکے عہد کے فرمانرواؤں کے نام، انکے نسب ناموں، انکی عادات و اطوار، سیر و شکار، اور جنگ و جدال کے واقعات پر مبنی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید دنیا میں بادشاہ، راجے اور نواب ہی رہتے بستے چلے آئے ہیں۔ عام انسانوں کا ان تاریخوں میں گذر نہیں۔ البتہ اس عہد کے ادب کو کھنگالنے سے کبھی کبھی اس وقت کی سماجی زندگی پر ہلکی سے روشنی پڑ جاتی ہے۔ لیکن ایک ماہر آثار کھدائی کرنے پر تحریری مواد کے ساتھ ساتھ عہد قدیم کے ایسے نوادرات بھی کھود کر نکالتا ہے جو اس عہد کے آرٹ، روز مرہ کے استعمال کی چیزیں، رهن سہن کے طور و طریق، معبد، اوزار و ہتھیار اور سیر و شکار اور رقص و سرود کی جیتی جاگتی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے جنکو ہم دیکھ اور

محسوس کر سکتے ہیں۔ اور 'شہیدہ کے بود مانند دیدہ' کے مصداق یہ معلومات کھدائی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ مصر کی قدیم تاریخ کے بارے میں ہماری ساری معلومات علم الاثار ہی کی رہین منت ہیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم چودھویں صدی عیسوی کے برطانیہ کی بہ نسبت چودھویں صدی قبل مسیح کے مصر کے بارے میں بہتر اور زیادہ باوثوق معلومات رکھتے ہیں¹۔ کریٹ، بابل، اسیریا، نینوا، سمیری، حتی اور ایران کی سوس اور تخت جمشید کی تہذیب بھی اسی طرح منصفہ شہود پر آئیں۔ خود وادی 'مندہ کی تہذیب بھی ماہرین علم الاثار ہی کی کھدائی تفتیش و تحقیق کا نتیجہ ہے۔

یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ قدیم یادگاریں زیر زمین کیسے گئیں اور انہیں از سر نو کھودنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور مکانات اور پوری کی پوری بستیاں کیسے دفن ہو جاتی ہیں۔ دراصل یہ دفن نہیں ہوتیں بلکہ زمین یا مٹی کی سطح اونچی ہو کر انکو ڈھانک لیتی ہے۔ یہ بات روزانہ ہمارے گرد و پیش میں ہوتی رہتی ہے اور اتنی عام ہے کہ ہم کبھی اسکے بارے میں سوچنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے حالانکہ لاہور، ٹھٹھہ، 'اوج' سہوان اور ملتان کی موجودہ بستیاں انکی قدیم بستیوں کے آثار پر آباد ہیں اور

1 Wooley — Sir Leonard, Digging up the Past, Pelican Series, P, 13.

یہاں قدیم عمارات کے دفن شدہ آثار بہ آسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب کوئی مکان گرتا تو نیا مکان کم و بیش اسی بنیاد پر نسبتاً زیادہ اونچائی پر بنایا جاتا تھا اور فرش پر ملبہ پھیلا کر زمین ہموار کر لی جاتی تھی۔ یہ عمل برابر جاری رہتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جتنی دیوار زمین کے اوپر ہوتی اتنی ہی زمین کے نیچے دفن ہو جاتی تھی۔ مشرق قریب میں جہاں عموماً کچی اینٹوں کی دیواریں بنائی جاتی ہیں اور جنکو کافی موٹا رکھا جاتا ہے، یہ عمل زیادہ تیز ہوتا ہے۔ جب یہ دیواریں گرتی ہیں تو انکا ملبہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور اسکا اٹھانا بھی مشکل ہوتا ہے چنانچہ مٹی کو اسی جگہ ہموار کر کے نیا مکان تعمیر کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح زمین کی سطح برابر اونچی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ شام اور عراق میں بیشتر گاؤں اپنے ہی بنائے ہوئے ٹیلوں پر آباد ہیں اور بعض جگہ قدیم ترین آبادی کے آثار اب تقریباً ۱۰۰ فٹ زیر زمین ہیں۔ یہ دفن شدہ دیواریں مزید شکست و ریخت سے بچ جاتی ہیں۔

اسی طرح جو بستیاں برباد ہو جاتی ہیں یا خالی کر دی جاتی ہیں امتداد زمانہ سے انکی دیواریں ٹوٹ ٹوٹ کر اور چھتیں گر کر زمین کے اوپر انبار سا لگا دیتی ہیں جنکو تیز چلتی ہوئی ہوائیں ریت اور مٹی کے ذروں سے پاٹ دیتی ہیں اور بارش اس مٹی کو گیلا کر دیتی جو خشک

ث

ہونے کے بعد جم کر سخت ہو جاتی ہے اور جب ہزاروں سال کے عرصہ کے بعد یہ ٹیلے کھود کر پرانی بستی نکالی جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زمین کے نیچے دفن شدہ شہر کھودا گیا ہے۔

بعض اوقات عارضی اسباب مثلاً سیلاب، وبائیں آتشزدگی یا بیرونی حملوں کی وجہ سے آبادی ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتی ہے، مکان ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور انپر مٹی کی ایک تہ جم جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد اسی مقام پر پھر بستی بس جاتی ہے اسی طرح کئی دفعہ آباد ہونے اور اجڑنے سے مختلف تہیں بنتی رہتی ہیں ان تہوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ تہیں مختلف زمانوں میں بنتی ہیں اور ہر تہ ایک خاص عہد یا زمانہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ تہیں کسی مقام کے مختلف ادوار متعین کرنے اور ہر دور کی دوسرے دور سے مماثلت یا فرق اور ترقی و تنزل کے سمجھنے میں بہت معاون ہوتی ہیں۔

علم الآثار کی اہمیت اور طریق کار کے اس اجمالی خاکہ کے پس منظر میں وادی سندھ یا کسی دوسری تہذیب کے منتشر اور بظاہر بے قیمت باقیات سے تمدن و معاشرت کا نقشہ مرتب کیا جاتا ہے۔

داستان انکشاف

دنیا کی تمام قدیم تہذیبیں دریاؤں کی وادیوں میں پیدا
 ہوئیں اور وہیں پروان چڑھیں۔ چنانچہ وادی نیل کی تہذیب
 یا وادی دجلہ و فرات کی تہذیب یا جنوبی ایران کے دریائے
 قارون کی تہذیب سب دریاؤں کی تہذیبیں ہیں۔ دریائے سندھ
 کی وادی بھی بلاشبہ ایسی تمام صلاحیتیں رکھتی تھی جو
 ایک تہذیب کو جنم دے سکتی ہوں لیکن اب سے چند
 سال پہلے تک وہ ماہرین آثار جو مصر اور ایران کا ایک
 عرصے سے جائزہ لے رہے تھے اس بات کو مانتے نہ تھے کہ
 اس سرزمین میں بھی متمدن زندگی کے آثار دفن ہوسکتے ہیں۔
 برصغیر ہند و پاکستان کی قدیم تاریخ کی تدوین کے سلسلے
 میں پرانے کتبوں، سکندر اعظم کے حملہ کے وقت کے حالات، غیر
 ملکی سیاحوں مثلاً فاہیان اور ہوان سانگ وغیرہ کے تذکروں،
 اور مقدس ویدوں کی بے ربط تشبیہوں اور استعاروں سے بھرپور

افسانوی روایات پر اعتماد کیا جاتا تھا اور ہمیں یہی بتایا جاتا رہا کہ آریوں کی آمد سے قبل یہاں ایسے لوگ آباد تھے جو وحشی اور غیر متمدن تھے۔ جنکا کوئی دھرم نہ تھا جو سیاہ فام تھے۔ جنکے چہروں پر چپٹی ناک تھی جو نہ ہونے کے برابر تھی اور جنہیں آریوں نے مغلوب کر کے 'داس' یعنی غلام کا لقب دے رکھا تھا۔ برصغیر ہند و پاکستان کے مورخہ عہد سے قبل کی تاریخ نا پید تھی۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۰۵ء میں مشہور مورخ ونسنٹ اسمتھ نے اس سرزمین کی قدیم تاریخ کے بارے میں فرمایا تھا کہ 'ہندوستان میں کانسرے کا عہد نا پید ہے۔ یعنی وہ تہذیب کے اس دور سے کبھی نہیں گزرا جس میں کانسرے (تانبہ اور قلعی کی ملی جلی دھات) کے بنے ہوئے ایسے اوزار ہوں جو عام طور پر عہدِ حدید میں پائے جاتے ہیں،¹ یہ بات غلط تو ہے مگر اس میں مسٹر اسمتھ یا دوسرے محققین کا کوئی قصور نہیں کیونکہ برصغیر ہند و پاکستان میں محکمہ آثارِ قدیمہ کی بنیاد سنہ ۱۹۰۲ء میں پڑی اور باقیاتی تفتیش کا کام اسکے کافی عرصے بعد ہی شروع ہو سکا۔

باقیاتی تفتیش

باقیاتی تفتیش کے ابتدائی دور میں ان تمام حوالوں کی بنیاد پر جو تاریخی دستاویزوں اور سفرناموں میں ملتے ہیں

¹Smith, V.A.,—'The Copper Age and Prehistoric Bronze implements of India,' Indian Antiquary XXXIV (1905), p. 229.

بدھوں کے آثار اور معبدوں کی تلاش ہوتی رہی اور اس سعی بے بہا کا نتیجہ ٹیکسلا - پاٹلی پتر - نالندہ - سانچی اور سارناتھ وغیرہ کی اہم دریافتوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بدھوں کے مٹھوں اور معبدوں کی تلاش کے سلسلہ میں ہی سنہ ۱۹۲۳ء میں سندھ کے ضلع لاڑکانہ کے ایک دور افتادہ مقام پر ایک اسٹوپہ کی کھدائی میں ایسے حجرے برآمد ہوئے جو مٹھ کے چاروں طرف بنے ہوئے تھے۔ ایک حجرے میں چند ایسے سکے بھی پائے گئے جو کوشان عہد کے راجہ واسدیو کے دور حکومت کے تھے۔ کھدائی جاری تھی کہ اسٹوپہ کی بنیاد کے قریب ایک ایسی مہر برآمد ہوئی جو شکل و شبہات میں ہڑپہ کی ان تصویری رسم الخط والی مہروں سے مماثلت رکھتی تھی جنہیں پچاس سال قبل سر الیگزینڈر کننگھم¹ نے دریافت کیا تھا اور جنکا تذکرہ اس نے اپنی رپورٹ میں سنہ ۱۸۷۵ء میں کیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ڈاکٹر فلیٹ کو بھی اسی قسم کی مہریں ملی تھیں² لیکن اس قدیم تہذیب کی نقاب کشائی کرنے والوں کو پتہ نہ تھا کہ اس پردہ زنگاری میں کوئی ایسا معشوق چھپا ہوا ہے جسکا رخ انور تاریخ کے اس تاریک دور کو تابناک کر دیگا۔

انہیں دنوں ہڑپہ میں بھی عمل حفریات کا سلسلہ جاری تھا اور وہاں بھی اسی قسم کی مہریں، منقش ظروف گلی

¹Sir Alexander Cunningham.

² تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

Fleet, I.F.—'Seals from Harappa' J. R. A. S. 1912, p. 699.

پکائی ہوئی مٹی کے مجسمے اور دوسری اشیا برآمد ہو رہی تھیں جو برصغیر ہند و پاکستان کے تمام دوسرے علاقوں سے دریافت شدہ باقیات سے قطعی مختلف تھیں۔

سر جان مارشل اس وقت محکمہ آثار قدیمہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ شیرین تہذیب کے فرہادوں کی 'کوہ کنی' سے حاصل شدہ سرمایہ جب سنہ ۱۹۲۴ء میں ایک جگہ جمع کیا گیا اور اسکی بے مثال یکرنگی اور مماثلت پر نظر ڈالی گئی تو یہ انکشاف ہوا کہ موسیٰ کو آگ ملنے کے بجائے پیمبری نصیب ہوئی ہے۔ گویا اس بات کا پتہ چلا کہ سوہنجودارو اور ہڑپہ جو ایک دوسرے سے چار سو میل کے فاصلے پر واقع ہیں یقیناً ایک ہی قسم کی تہذیب کے فرزندوں کا مسکن رہے ہونگے۔ ان دونوں جگہوں کے باسیوں کا تمدن ان کی معاشرت، اعتقادات، رہن سہن سب ایک ہوں گے۔

دریافت شدہ باقیات کی حیرت انگیز مماثلت ماہرین آثار کے لئے بڑی جاذب توجہ ثابت ہوئی۔ اس نے غور و فکر کے لئے ایک زبردست مسئلہ اور سعی و عمل کے لئے ایک عظیم الشان میدان پیش کیا اور آئندہ اقدامات کی اساس اس بات پر رکھی گئی کہ روایات اور غیر مصدقہ قصہ کہانیوں کی نقاب کشائی کر کے اس برصغیر کی قدیم تاریخ کو صحیح بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ چنانچہ ہڑپہ اور سوہنجودارو میں اعلیٰ پیمانے پر کھدائی کا کام شروع کیا گیا۔

ہڑپہ اور موہنجودارو کے درمیان چار سو میل کا فاصلہ ہے اور کوئی تہذیب ایک جگہ سے جست لگا کر دوسری جگہ نہیں پہنچتی بلکہ اسکے اثرات قرب و جوار کے علاقوں کو اثر انداز کرتے ہوئے پھیلتے اور بڑھتے ہیں اس لئے یہ تسلیم کیا گیا کہ عہد قدیم میں اس چار سو میل کے اندر ایک ہی تہذیب کی عملداری رہی ہوگی۔ چنانچہ ان مقامات کی باقیاتی اہمیت کا اندازہ ہونے پر اسی قسم کے دوسرے خرابوں کی تلاش و جستجو شروع ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں موہنجودارو سے دریافت شدہ باقیات سندھ کے مختلف ضلع کلکٹروں کو روانہ کی گئیں تاکہ وہ اپنے علاقوں میں ان اشیاء سے مماثلت رکھنے والی باقیات دریافت ہونے والے مقامات تلاش کر کے محکمہ آثار قدیمہ کو مطلع کریں۔ محکمہ کے ایک افسر مسٹر این۔ جی مجمعدار کو ان علاقوں کی باقیاتی تفتیش کے کام پر مامور کیا گیا اور انہوں نے سنہ ۱۹۲۷ء-۳۱ء کے درمیان چنہودارو^۱ - غازی شاہ^۲ - لوہری^۳ - علی مراد^۴ - آمری^۵ - جھکر^۶ اور جھانگر^۷ وغیرہ کے مقامات پر کانسرے کے عہد کی اہم بستیاں دریافت کیں سنہ ۱۹۳۸ء میں انہوں نے کرتھر پہاڑیوں کی وادی میں بھی نئے مقامات دریافت کئے۔ انکی مرتب کی ہوئی رپورٹ^۸ سے پتہ چلتا ہے کہ وادی سندھ سے تعلق رکھنے والے

^۱Chanhudaro. ^۲Ghazi Shah. ^۳Lohri. ^۴Ali Murad.

^۵Amri. ^۶Jhukar. ^۷Jhangar.

^۸Majumdar, N. G.—Explorations in Sind. Memoirs of Archaeological Survey of India No. 48. Delhi, 1934.

علاقے شمالی سندھ اور جنوبی سندھ کے اسی قدیم راستہ پر آباد تھے جو لاکی کے قریب دریائے سندھ سے ملتا ہے۔ یہ تفتیش دریائے سندھ کے کناروں تک ہی محدود رہی۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں مسٹر مادھو سروپ وتس نے مشرقی پنجاب کے ضلع انبالہ میں کوٹلہ نہنگ^۱ اور سنہ ۱۹۳۵ء میں کاٹھیاوار میں رنگ پور^۲ میں اسی قسم کی تہذیبوں کے مراکز دریافت کئے۔

سنہ ۱۹۲۵ء تک سوہنجودارو اور ہڑپہ میں جو کھدائی اور تحقیقات کی گئی اسکے نتائج سر جان مارشل نے تین جلدوں میں شایع کئے^۳ ان میں پہلی دو جلدوں میں دریافت شدہ باقیات پر سیر حاصل تبصرہ اور تیسری جلد میں باقیات کے عکس اور چربے چھائے گئے۔ سنہ ۱۹۲۷ء سے ۳۱ء تک مسٹر ای۔ جے۔ ایچ میکے نے سوہنجودارو میں مزید کھدائی کرائی اور اپنی تحقیقات کو شایع کیا^۴ سنہ ۱۹۲۶ء تک مسٹر مادھو سروپ وتس نے ہڑپہ پر کام کیا اور رپورٹ شایع کی^۵۔

¹Kotla Nihang. ²Rangpur.

³Marshall, Sir John, Mohenjodaro and Indus Civilization Vols. 1—3 London, 1931.

Marshall Mohanjodaro. آئندہ حوالہ جات میں اس کتاب کو مختصراً لکھا جائے گا۔

⁴Mackay—E. J. H. Further excavations at Mohenjodaro 2 Vols. Delhi, 1937.

⁵Vats, M. S.—Excavations at Harappa, Vols. 1—2, Delhi, 1940.

وادی سندھ کی تہذیب کا سندھ کے غربی جانب بسنے والے علاقوں اور خصوصاً مغربی پاکستان کی غربی سرحدوں کے اس پار کے ممالک کی تہذیب سے رابطہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ سمیر اور بابلی تہذیبوں کے عہد متعین ہو چکے ہیں اور انکی مدد سے ہم یہاں کی تہذیب کی تاریخیں متعین کر سکتے ہیں۔ بلوچستان ان دونوں تہذیبوں کے علاقوں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے کم و بیش ایک سنگم کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی وجہ سے یہاں خاصا کام کیا گیا۔ شمالی اور جنوبی بلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں سر آریول اسٹائن اور ہارگریوز نے بڑی محنت اور جانفشانی سے باقیاتی تفتیش کی ہے۔ مسٹر ہارگریوز نے سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں نال میں ایک بہت اہم قبرستان دریافت کیا¹۔ اور سر آریول اسٹائن² نے سنہ ۲۸-۱۹۲۶ء کے درمیان بہت سے اہم مقامات کا کھوج لگایا جس میں سٹکاجن دور³، شاہی ٹمپ⁴، ماہی⁵، نندرا⁶ دابرکوٹ⁷، پیرانو غنڈائی⁸، مغل غنڈائی⁹، شور¹⁰ اور جنگل¹¹ قابل ذکر ہیں۔

¹Hargreaves, H.—Excavations in Baluchistan M. A. S. I., No.35. Delhi, 1935.

²Stien, Sir. A., (I) An archaeological tour in Waziristan and Northern Baluchistan, M. A. S. I. No. 37—1929. (II) Archaeological tour in Gedrosia, M. A. S. I., No. 43 1931.

³Sutkagen-Dor. ⁴Shahi Tump. ⁵Mehi. ⁶Nundara. ⁷Dabarkot. ⁸Periano Ghundai. ⁹Mughal Ghundai. ¹⁰Shor. ¹¹Jungle.

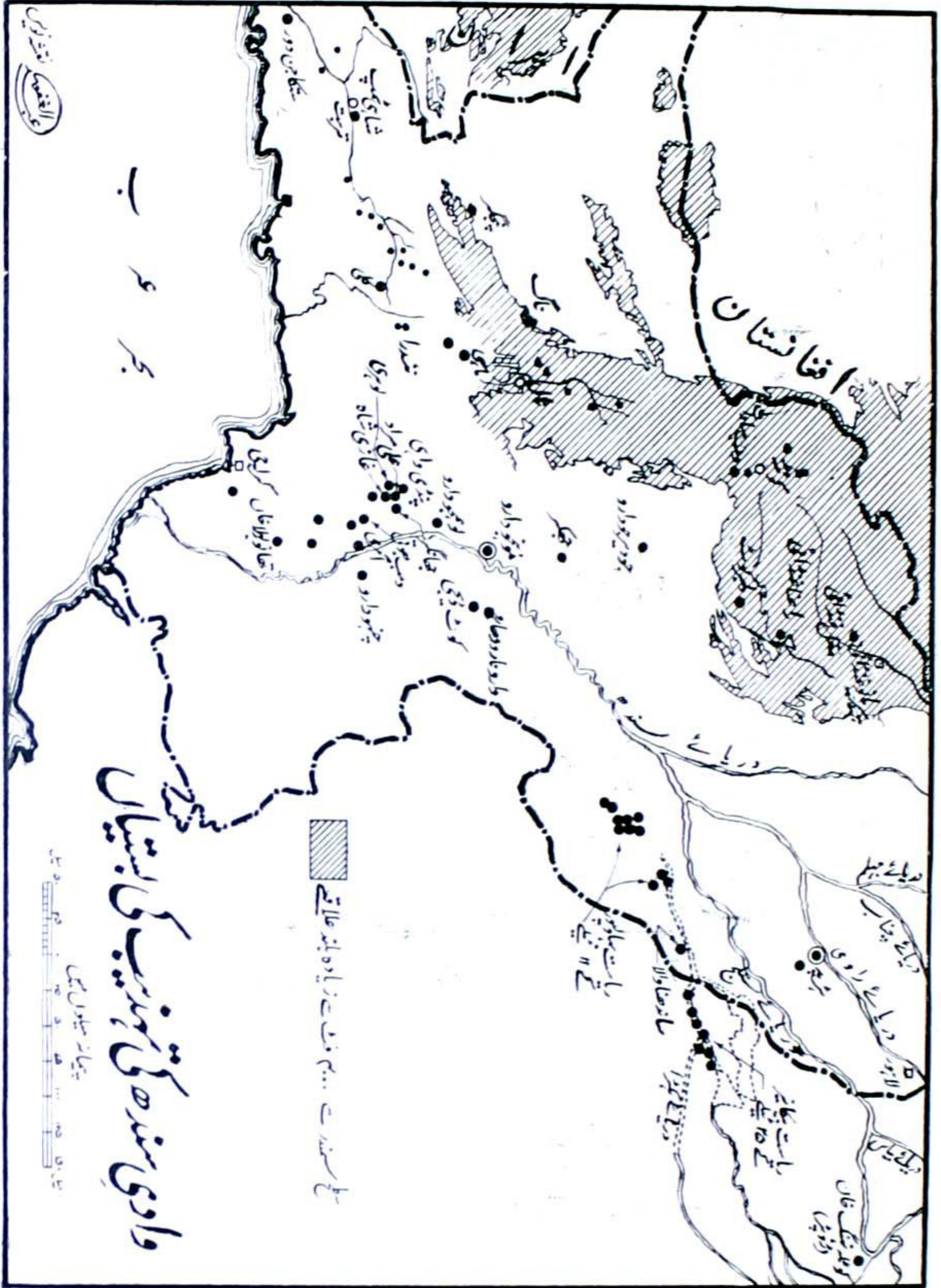
سنہ ۱۹۳۱ کے اقتصادی بحران کی وجہ سے عمل حفریات اور باقیاتی تفتیش کا کام معرض التوا میں پڑ گیا اور پندرہ سال کی طویل مدت کے بعد ڈاکٹر سر آر۔ ای۔ ایم وہیلر نے سنہ ۱۹۴۶ میں نئے اسلوب سے کھدائی کرائی اور ہڑپہ کی شہرہ آفاق شہر پناہ دریافت کی۔ قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر وہیلر نے حکومت پاکستان کے مشیر آثار قدیمہ کی حیثیت سے سنہ ۱۹۵۰ میں اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کھدائی کرائی کہ آیا موہنجودارو کی بستی شہر پناہ کے اندر تھی؟۔ اس شہر کے قدیم ترین باشندے کون تھے؟ اور اس تہذیب کے عروج کی انتہا اور زوال کی ابتدا کیا تھی؟

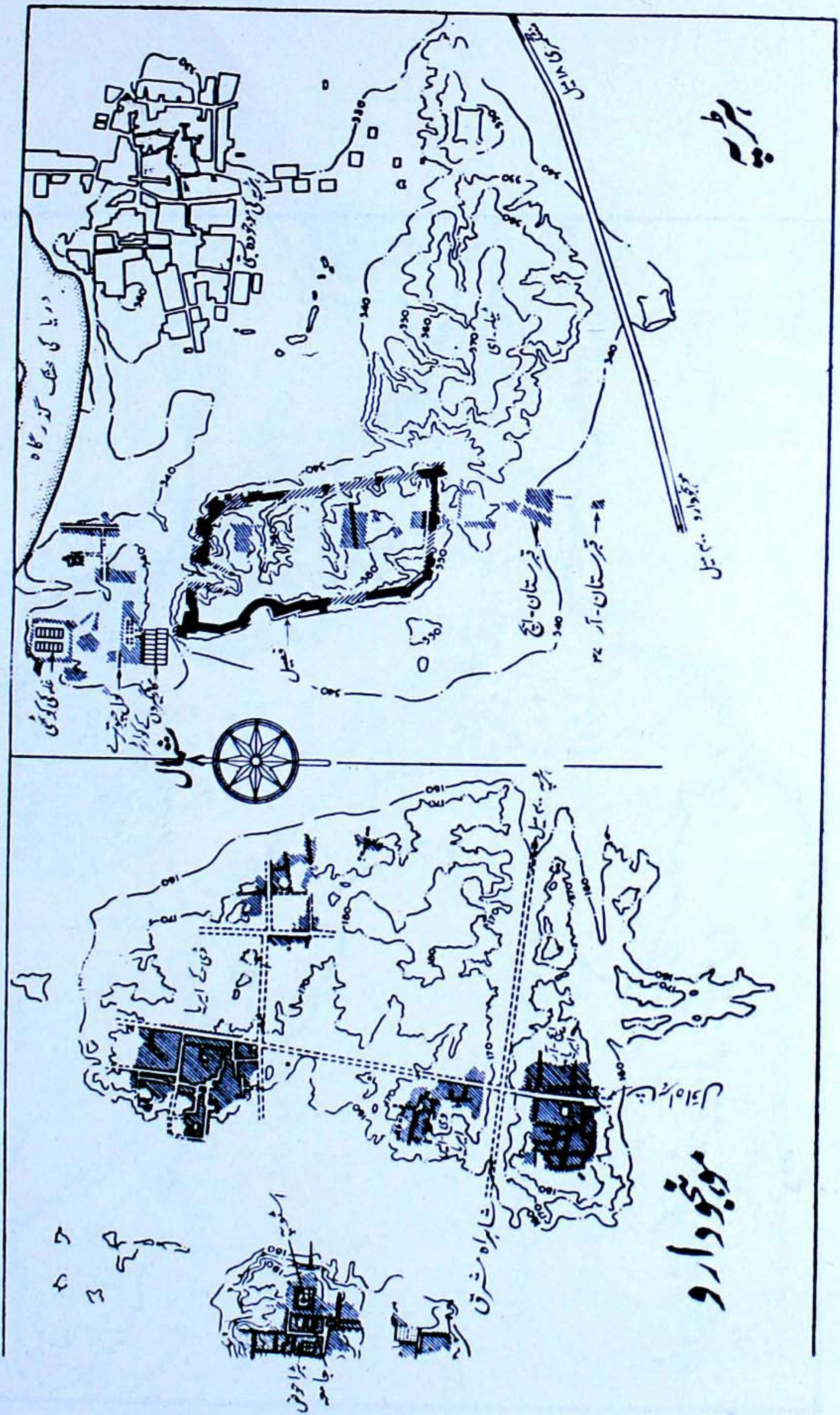
ہندوستان میں مسٹر اجئے گھوش نے سنہ ۱۹۵۱ء میں دریائے گھاگر کی خشک گذرگاہ کا جائزہ لیا اور جیسلمیر اور بیکانیر میں وادی سندھ کے عہد کی تقریباً پچیس نئی بستیاں دریافت کیں۔

حکومت کی سعی و عمل کے ساتھ ساتھ چند تحقیقی اداروں اور ماہرین آثار نے نجی طور پر اس سلسلہ میں کافی خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک مسٹر میکے کی سرکردگی میں ایک امریکی ادارے کی اعانت سے چنہو دارو ضلع نواب شاہ میں کھدائی کرائی گئی^۱ مسٹر ای۔ جے۔ راس نے ژوب اور لورا لائی میں قابل قدر

¹ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

Mackay, E. J. H.—Chanhudaro Excavations, 1935-36.





باقیاتی تفتیش کی - پروفیسر اسٹورٹ پگٹ نے سنہ ۱۹۴۶ء میں کوئٹہ کے علاقہ سے نئی قسم کے ظروف گلی دریافت کئے اور اپنی کتاب 'پری ہسٹارک انڈیا' شایع کی¹۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں مس بی - ڈی - کارڈی² نے حکومت پاکستان کی معاونت سے بلوچستان میں تفتیش کی اور ٹوگاؤ³ کے مقام سے ایسی باقیات دریافت کیں جن کی تاریخ ایک ہزار سال قبل مسیح سے ۱۲۰۰ قبل مسیح تجویز کی گئی ہے اور جو سیالک دور دوئم⁴ (ایران) اور سمیر کے نقشین ظروف گلی سے مماثلت رکھتی ہیں - سنہ ۱۹۵۱ء میں نیچرل ہسٹری میوزیم، نیویارک کی جانب سے مسٹر والٹر فیر سروس نے بھی بلوچستان میں باقیاتی تفتیش کی - انہیں کلی گل محمد⁵ میں متاخر حجری عہد کے ابتدائی دور کی تھیں ملیں - اس دور کے لوگوں کو مٹی کے برتن بنانا نہیں آتا تھا - ایسی بستیاں عراق میں جرمو⁶ اور اردن میں جریکو⁷ کے مقامات پر بھی دریافت ہوئی ہیں⁸۔

سنہ ۱۹۵۴ء میں ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے پی ہاڈی میوزیم کی جانب سے ڈاکٹر ہنری فیلڈ اور محکمہ آثار قدیمہ

¹ Piggott, Stuart—Prehistoric India, Penguin Books, 1950.

² Miss B. de Cardi.—On the Borders of Pakistan—Recent Exploration—(Art and Letters, Royal India, Pakistan and Ceylon Society), No. 2, (1950)

³ Togao. ⁴ Sialk II. ⁵ Kili Gul Mohammad. ⁶ Jarmo. ⁷ Jerico.

⁸ Fairervis. W.A.,—Preliminary Report on the Prehistoric Archaeology of Afghanistan-Baluch areas, NOVITATES, American Museum of Natural History, No. 1587, (1952)

پاکستان کی جانب سے راقم نے جنوبی بلوچستان میں تربت¹ سے مند اور پہر تربت سے خوشاب² - پنجر³ - ناگ قلات⁴ - سراب⁵ اور کوئٹہ کے راستہ پر سفر کیا اور وادی کیچ اور وسطی مکران میں واقع تیئیس قدیم ٹیلوں پر سے باقیات جمع کیں۔ اسی مشن نے بہاولپور میں چولستان کے ریگزاروں میں قدیم دریائے ہکڑا کی خشک گذرگاہ کے کنارے کنارے مزید دس قدیم بستیاں دریافت کیں۔ اس مشن کی دریافت کی ہوئی باقیات پر ڈاکٹر فضل احمد خان، ناظم محکمہ آثار قدیمہ پاکستان نے تحقیق کی ہے جسکی رپورٹ امریکہ میں شایع ہو رہی ہے۔

افغانستان میں موسیو کزال اور موسیو راول کیوریل کی سرکردگی میں فرانسیسی ماہرین آثار کی ایک جماعت نے قندھار کے قریب سنڈی گاک پر کھدائی کرائی جہاں وادی سندھ کی باقیات سے مماثلت رکھنے والی اشیاء دریافت ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایران میں وادی سندھ کی باقیات سے مماثلت رکھنے والی باقیات ملی ہیں ان پر بھی ڈاکٹر فضل احمد خان نے تحقیق کی ہے۔⁶

سنہ ۱۹۵۵ء میں ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے ضلع احمد آباد (بمبئی) میں لوتھال کے مقام سے ایسی باقیات دریافت کی ہیں جو لوتھال اور وادی سندھ کے گہرے تعلقات

1 Turbat. 2 Khushab. 3 Panjgur. 4 Nag Kalat. 5 Surab.

6 Khan, Dr. F. A.— Fresh Side-lights on Indus Valley and the Bronze Age Orient Annual report of the Institute of Archaeology, London, 1955, p. 55—68,

کی نشاندہی کرتی ہیں اسی طرح ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں کوٹ ڈیجی (خیر پور) میں محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے ڈاکٹر فضل احمد خاں نے کھدائی کرائی جس سے بیش قیمت معلومات بہم پہنچیں¹۔

غرضیکہ گذشتہ نصف صدی سے اس قدیم تہذیب کے خدوخال اجاگر کرنیکی مسلسل کوششیں جاری ہیں۔ اس جدوجہد میں بہت سے ماہرین آثار کی تحقیق و تجسس کا حصہ ہے جنہوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے ہمارے ماضی بعید کے بہت سے گم شدہ حقائق سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔

تاریخ

وادی سندھ کی تہذیب کے عہد اور زمانہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو گیارہویں باب میں کی گئی ہے لیکن آگے بڑھنے سے پہلے چند ابتدائی باتیں ہماری رہنمائی کے لئے ضروری ہیں۔

وادی سندھ اور بلوچستان میں جو لاتعداد چقماقی اوزار دریافت ہوئے ہیں وہ غالباً رھڑی اور سکھر کے چقماقی اوزاروں کی ترقی یافتہ شکل ہیں³ اور ہوسکتا ہے کہ یہ اوزار اس گروہ

¹ Khan, Dr. F. A.—Kotdiji, Preliminary report on Kotdiji Excavations, 1956—58, Karachi.

³ Terra, H. De and T. T. Paterson—Studies on the Ice Age in India and Associated Human Cultures. (Washington, 1939), pp. 331—336.

کے استعمال میں رہے ہوں جو سب سے پہلے رھڑی میں آباد ہوئے اور جنہوں نے دوسرے مقامات پر بھی اپنے اثرات ڈالے۔

سنگ چقماق کے بنے ہوئے لمبے اور پتلے پھل وادئی سندھ میں ہڑپہ، موہنجودارو، آسری، کوٹ ڈیجی اور اسی عہد کی دوسری بستیوں سے بھی حاصل ہوئے ہیں اور رھڑی سکھر کی پتھر کی صنعت کا جزو معلوم ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حجری عہد اور کانسے کے عہد کی گم شدہ کڑی ہوں۔ فیرسروس نے کانسے کے عہد سے قبل کے دور کے بنے ہوئے اسی قسم کے حجری اوزار کلی گل محمد (بلوچستان) میں دریافت کیے ہیں یہاں کے باشندے کچی مٹی کے مکانوں میں رہتے، بھیڑیں پالتے اور شاید کاشتکاری بھی کرتے تھے۔ کسی ٹھوس دلیل کی غیر موجودگی کی بنا پر انکا تاریخی عہد متعین کرنا تو دشوار ہے لیکن عام طور پر کلی گل محمد کلچر کو چار ہزار سال قبل مسیح کا کلچر کہا جاسکتا ہے۔ ژوب کی وادی میں ابتدائی آبادیوں کے شواہد ملتے ہیں۔ بلوچستان میں رانا گنڈائی کے ٹیلے میں آبادی کی پانچ تہیں دریافت کی گئی ہیں جن پر اسٹورٹ پگٹ نے تحقیق کی ہے ان تہوں کے نام آر۔ جی۔ ایک سے پانچ رکھے گئے ہیں۔ ان تہوں کی خصوصیات ایک دوسرے بالکل متمایز ہیں مثلاً آر۔ جی۔ ۱ کے لوگ ہاتھ کے بنے ہوئے سادے برتن اور چقماقی اوزار استعمال کرتے، جانور پالتے اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے مگر آر۔ جی۔ ۲ کے لوگ چاک پر برتن بناتے اور برتنوں کی سرخ اور زرد زمین

پر کالے رنگ کے مصالحے سے نقاشی کرتے جو بیل ہرن اور سیاہ نر چیتل کی تصاویر کے مشابہ ہوتی تھیں اور یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اسی قسم اور ایسے ہی نقوش والے برتن حصار کی تہ نمبر ۱ سے دریافت شدہ برتنوں پر بھی ملے ہیں اور بظاہر یہ ناممکن بھی نہیں معلوم ہوتا کہ چار ہزارویں سال قبل مسیح کی آخری نصف صدیوں میں یہ اثرات ایران سے بلوچستان پہنچے ہوں۔ بہر حال آر۔ جی ۳ میں تہذیب نے مزید ترقی کی اور پتھروں کے بنے ہوئے آثار پر کچی اینٹوں کی دیواریں بنائی گئیں اور تانبا استعمال ہونا شروع ہوا اور مٹی کی بنی ہوئی بھیانک چہروں والی نسوانی مورتیاں بنائی گئیں یہاں سے مختلف رنگوں والے مٹی کے برتن بھی دریافت ہوئے ہیں لیکن ایک رنگ سے رنگے ہوئے ظروف کی کثرت ہے۔ اسی قسم کے ظروف گلی ہڑپہ کی شہر پناہ کی بنیاد میں بھی پائے گئے ہیں۔ چوتھی اور پانچویں تہوں کی باقیات وادی سندھ کی تہذیب کے بعد کے دور سے متعلق ہیں^۱۔

دوسری اہم دریافت کوئٹہ سے حاصل شدہ ظروف گلی ہیں ان ظروف کی زمین سفیدی مائل سرخ۔ خاکستری اور سبزی مائل ہے۔ ان کے اوپر زرد اور بھورے رنگ کے مصالحے سے ہندسی اشکال بنائی گئی ہیں جو پروفیسر پگٹ کے اندازے کے مطابق کوئٹہ کے ظروف تل باکون^۲، سوسا^۳ تہ^۱،

1 Piggot, Stuart, — Prehistoric India, pp. 120—131.

2 Tal-e-Bakun. 3 Susa I.

گیان تہ ۱^۱ اور سیالک تہ ۳^۲ کے مماثل ہیں اور انکی تاریخ تقریباً تین ہزار پانچ سو سال قبل مسیح ہے۔ آمری کے ظروف باریک ہیں اور انکی زمین خاکستری اور ہلکے سرخ رنگ کی ہے جن پر ہندسی اشکال بنائی گئی ہیں۔ یہ وادی سندھ کی تہذیب کے ظروف سے قدرے پہلے کی ہیں۔ اسی طرح ایک اور کلچر جو وادی سندھ کی تہذیب سے پہلے معرض وجود میں آیا لیکن اس کے عہد تک موجود رہا، نال کے قبرستان کا کلچر ہے۔ یہاں سے جزوی اور مکمل تدفین کے آثار ملے ہیں لیکن جزوی تدفین کے آثار زیادہ ہیں۔ ان مدفونوں میں زرد یا سبزی مائل خاکستری رنگ کے ظروف ملے ہیں جن پر مختلف ڈیزائنوں میں سیاہ۔ نیلا۔ زرد اور سرخ رنگ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں سے تانبے کی چپٹی کلہاڑیاں اور چاقو کے پھل بھی دریافت ہوئے ہیں۔ کلی ماہی^۳ کے ظروف خاکستری رنگ کے ہیں ان پر جانوروں اور مناظر قدرت کی نقاشی کی گئی ہے۔ یہ ظروف عراق کے شاہی خانوادوں سے قبل کے عہد کے سرخ رنگ کے ظروف گلی سے مشابہ ہیں اور تقریباً دو ہزار چھ سو سال قبل مسیح کے ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب کا وہ دور جسے ہڑپہ کلچر کہا جاتا ہے عراق میں سارغن یا سارگن کے عکادی عہد کا ہم عصر تھا۔ سارگن کا عہد تقریباً ۲۳۵۰ ق۔ م بیان کیا جاتا ہے کیونکہ دو ہزارویں سال قبل مسیح میں

¹ Giyan. V ² Sialk. III. ³ Kili Mehi.

سارگن کے بیٹے نارام سن کی موت کے بعد گوتی اور دوسرے قبائل اس مملکت میں در آئے تھے۔

موجودہ تحقیقات سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ دو ہزار تین سو سال قبل مسیح میں وادی سندھ ایک عظیم حکومت کا گہوارہ تھی اور اس کے دو دارالحکومت تھے۔ ایک ہڑپہ جو راوی کے مشرقی کنارے پر واقع تھا دوسرا موہنجودارو جس کی عظمت کے آثار ضلع لاڑکانہ میں ڈوکری اسٹیشن سے چھ میل دور دریائے سندھ کے کنارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہڑپہ اور موہنجودارو غالباً ایک مملکت کے دو ہم عصر پایہ تخت تھے¹۔ بادی النظر میں یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن ایسی مثالیں تاریخی دور میں بھی ملتی ہیں چنانچہ پروفیسر پگٹ نے ان کی مثال دوسری صدی عیسوی کے کشان عہد کے دو ہم عصر پایہ تخت پشاور اور ستھرا سے دی ہے۔ اسی طرح نویں صدی عیسوی میں عربوں کے زمانہ اقتدار میں مغربی پاکستان میں شمالی حکومت کا پایہ تخت ملتان (ہڑپہ کے قریب) اور جنوبی حصہ کا پایہ تخت منصورہ (موہنجو دارو کے قریب) موجود تھے²۔

¹ Piggott, Stuart—Prehistoric India, p. 150.

² Wheeler, R.E.M.—Five Thousand Years of Pakistan, p. 30.

جغرافیائی پس منظر

وادی سندھ کی تہذیب کے اہم مراکز شمالی مغربی سرحدی علاقوں اور کشمیر کو چھوڑ کر سارے مغربی پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں لہذا ان کا مطالعہ کرنے کے لئے اس علاقہ کے جغرافیائی پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

وادی سندھ کا علاقہ ایران اور افغانستان کی سطح مرتفع کے مشرق میں واقع ہے زمانہ قدیم سے بلوچستان کے چند دروں کے ذریعہ وادی سندھ اور اس سطح مرتفع کے مابین تہذیبی اور تجارتی تعلقات رہے ہیں۔ اس علاقہ کے جنوب مغرب میں پاکستان کی ساحلی پٹی، خلیج فارس کے ساحلی راستے اور بحر عرب کے ذریعہ وادی سندھ کو دوسرے ممالک سے ملاتی ہے۔ شمال میں ہمالیہ اور مشرق میں راجپوتانہ کے ریگستان نے اس علاقہ کو قدرتی طور پر ایک جغرافیائی وحدت بنا رکھا ہے جسے برقرار رکھنے میں دریائے سندھ کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔

آجکل بلوچستان کا علاقہ بنجر پہاڑیوں، بے برگ و گیاه سطح مرتفع، خشک ریگ زاروں اور ریتیلے ویرانوں پر مشتمل ہے اسی طرح مکران کے ساحل سے ایرانی سرحد کے آخری مقام گواٹر تک تین سو میل کا علاقہ ریتیلے ٹیلوں پر مشتمل ہے۔ اس ساحلی پٹی کے اوپر شمالاً جنوباً سات ہزار فٹ بلند پہاڑیوں کا گٹھا ہوا سلسلہ ہے جس کے درمیان نال، حب اور دوسرے دریاؤں کی وادیاں ہیں۔ پھر اس کے شمال میں خاران اور قلات کے بلند علاقے ہیں جن میں بال گتر گدر اور جھلاون کے خشک میدان اور رخشاں اور سر چشمہ کی وادیاں ہیں اس کے شمال میں پشین، شبستان اور ہلمند کا نخلستان ہے۔ یہاں کوہ ماراں اور دوسرے بلند پہاڑ بھی ہیں جو دس ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ کچھ فاصلے پر شہر کوئٹہ درہ بولان کے سرے پر اس قدیم کاروانی راستے پر واقع ہے جو قندھار کو وادی سندھ سے ملاتا ہے۔

سندھ میں سکھر بیراج اور غلام محمد بیراج سے نکلی ہوئی نہروں کے ذریعہ سیراب ہونے والے علاقوں کو چھوڑ کر تقریباً سارا علاقہ خشک اور بے مصرف ہے۔ کراچی کی پشت پر کرتھر پہاڑیوں کے سلسلے ہیں جن کی وادیوں میں کہیں کہیں قدرتی چشمون کی وجہ سے نخلستان نظر آتے ہیں۔ شمال میں لاڑکانہ کے قریب زمیں میں بے انتہا کھار اور شورے کی آمیزش ہے۔ گرمی بے انتہا شدت کی پڑتی ہے حتیٰ کہ درختوں کے سایہ کے نیچے درجہ حرارت ایک سو بیس ڈگری (۱۲۰°) ہے۔

ہوتا ہے۔ آفتاب کی تمازت سے زمین کی نمی اڑ جانے کی وجہ سے سطح زمین پر اکثر ایک پٹری سی جم جاتی ہے جس کو کلر کہتے ہیں۔ کہیں کہیں جنگلی جھاڑیاں اور خاردار درخت بھی پائے جاتے ہیں۔

ایسی سرزمین اور ایسی آب و ہوا میں ہڑپہ اور موہنجودارو جیسے عظیم الشان شہروں کا وجود، جنکی آبادی تین تین میل کے رقبوں میں پھیلی ہوئی تجویز کی جاتی ہو قرین قیاس نہیں۔ اور یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ ماضی میں اس سر زمین کی فضا سازگار اور حالات بدلے ہوئے ہونگے۔

آئیے دیکھیں کہ اس علاقے کا باقیاتی پس منظر اب سے پانچ ہزار سال پہلے کے جغرافیائی حالات کا اندازہ لگانے میں کس حد تک ہماری مدد کرتا ہے۔

وادی سندھ کی بہ نسبت بلوچستان کی قدیم آب و ہوا کے بارے میں زیادہ شواہد ملتے ہیں آجکل مکران، خاران، اور جھلاون کے علاقے جو جنوبی بلوچستان میں واقع ہیں اور جہاں قبل تاریخ کی لا تعداد بستیوں کی نشاندہی کی گئی ہے بہت ہی غیر آباد ہیں۔ خاران میں تو ایک میل میں اوسطاً دو نفوس آباد ہیں اور اس آبادی کا بھی خاصا حصہ خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے۔ آج یہ بستیاں غیر آباد ٹیلوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں یہ ٹیلے جن پر آج ٹھیکریاں اور سلیے کے ڈھیر ملتے ہیں یقیناً ایک ہی جگہ پر صدیوں تک ایک بستی کی مستقل رہائش کی نشاندہی کرتے ہیں۔

کولوا کے علاقے میں بھی اس قسم کی لاتعداد قدیم بستیوں دریافت ہوئی ہیں اور آجکل بھی یہ سکران کے زرخیز ترین علاقے خیال کئے جاتے ہیں جب کبھی یہاں بارش ہو جاتی ہے تو غلہ مقامی ضرورت سے زیادہ ہی پیدا ہوتا ہے لیکن ایسی بارشیں اب خال خال ہی ہوتی ہیں اور کاشتکاری کے ایسے عمدہ مواقع شاذ و نادر ہی حاصل ہوتے ہیں۔ چونکہ انسان ہمیشہ فطرت کے رحم و کرم پر گزارہ کر کے زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے یہاں کی اکثر آبادی خانہ بدوشی پر مجبور ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ خانہ بدوشی آج یہاں کا خاص پیشہ بن گیا ہے تو زیادہ غلط نہ ہوگا کیونکہ کاشتکاری کے لئے غیر یقینی اور ناسازگار حالات یہاں کے لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ جاڑوں میں سندھ کے میدانوں کی طرف روزی کی تلاش میں نکل جائیں جہاں وہ پیٹ بھر سکیں اور برف جیسی سرد ہوا سے نجات پائیں جب سندھ میں گرمی شروع ہوتی ہے تو یہ لوگ پس انداز کی ہوئی رقم سے سامان خورد و نوش اور دیگر ضروریات زندگی خرید کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ اگر یہ موسمی نقل سکونت نہ کی جائے تو چند برسوں میں یہاں غلہ کی قلت سے قحط کے آثار نمایاں ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ موسمی نقل سکونت اور خانہ بدوشی وہ ٹیلے پیدا نہیں کر سکتی جو بعض بعض جگہ تو سو سو فٹ تک بلند ہیں۔ اور جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہاں عرصہ دراز تک مستقل طور پر بستیوں آباد رہی ہونگی۔ یہ

بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قبل تاریخ عہد میں یہاں کی آبادی ضرور زراعت پیشہ رہی ہوگی اور ان علاقوں میں مستقل طریقہ پر رہتی ہوگی جہاں آج انسان کی شکل خال خال ہی نظر آتی ہے۔

بلوچستان کی باقیاتی تفتیش کے سلسلے میں سرآریول اسٹائن اور دوسرے ماہرین آثار کے سامنے یہاں کی قدیم آب و ہوا اور آبادی کا مسئلہ بھی رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پتھروں سے بنائے ہوئے بہت سے مصنوعی بند اور ڈھلواں چبوترے (جو جھلاؤں کے علاقہ میں گبر بند کہلاتے ہیں) دریافت کئے مگر ان کا عہد تعمیر ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اسٹائن نے انکی موجودگی سے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ یہ بند نہ صرف بارش کی زیادتی کی ضمانت ہیں بلکہ انکی تعمیر کیلئے کثیر آبادی بھی ضروری تھی کیونکہ گنے چنے لوگوں کے لئے اتنے بڑے بند نہیں بنائے جاتے۔ دریائے مشکائی میں پتھروں کا بنایا ہوا ایک بند پایا گیا ہے جو بلندی سے آنیوے پانی کا رخ کھیتوں کی طرف موڑ دیتا تھا۔ اسی طرح مکوریاں پاس کے قریب ایک بہت بڑا بند پایا گیا ہے جو ۱۲ فٹ بلند اور ۳۴۸ گز طویل ہے اور اسطرح بنایا گیا ہے کہ پانی کے ایک بہت بڑے ذخیرے کو آگے بڑھنے سے روک سکتا ہے۔ اس بند کی رو بکار میں $2 \frac{1}{3} \times 3 \times 4$ فٹ کے پتھروں کے بلاک استعمال کئے گئے ہیں ان بلاکوں کے پیچھے مٹی کی دھس ہے اسی طرح دریائے رخشاں کے کنارے پنجگر سے سات میل پر بھی

ایک بہت بلند اور طویل بند تعمیر کیا گیا تھا۔ اگرچہ ان تعمیرات کا عہد بھی معلوم نہیں ہے لیکن انکی موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں زیادہ بارش ہوتی تھی۔

دریائے سندھ سے نہر نکالکر آبپاشی کی جاتی ہے۔ آجکل موسم بہار میں ہمالیہ پر برف پگھلنے کی وجہ سے دریاؤں میں پانی کافی بڑھ جاتا ہے اور جب بارش کثرت سے ہوتی ہے تو دریائے نیل اور دجلہ و فرات میں آتے رہتے تھے۔ چنانچہ بندوں کی غیر موجودگی میں یہ دریا برابر اپنا رخ بدلتا رہا ہوگا۔ وادی سندھ کی مختلف قدیم بستیوں سے اس بات کے کافی شواہد ملتے ہیں کہ عہد قدیم میں یہاں مستقل سیلاب آتے رہتے تھے۔

اس سلسلے میں جھیل مانچھر کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو دریائے سندھ اور بلوچستان کی کرتھر پہاڑیوں کے درمیان جوہی کے قریب واقع ہے۔ یہ جھیل آٹھ دس میل لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے لیکن چونکہ دریائے سندھ اور مغربی پہاڑیوں سے نکلنے والی ندیوں اور برساتی نالوں کا پانی بھی اس میں آتا ہے اسلئے سیلابی زمانہ میں تقریباً دو سو میل تک پھیل جاتی ہے۔ لیکن اس کی گہرائی کہیں بھی دس فٹ سے زیادہ نہیں۔ مجمعدار نے اپنی باقیاتی تفتیش میں اس جھیل کے چاروں طرف سیلابی پانی کے بہاؤ کے حدود کے قریب قریب بہت سی ماقبل تاریخ بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔

58972

مندرجہ بالا شواہد سے کم از کم اس بات کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہاں بارش کثرت سے ہوتی تھی۔ پھر بارش کی زیادتی کا اندازہ ان لاکھوں پختہ اینٹوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے جن سے ان شہروں کی تعمیر کی گئی ہے اور جنکے پکانے کی لئے لاکھوں من ایندھن کی ضرورت پڑی ہوگی۔ موجودہ خاردار جھاڑیاں اس مقصد کے لئے بیکار ہیں اور پتھر کا کوئلہ اس عہد میں دریافت نہیں ہوا تھا اس لئے یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ اس قدر ایندھن آس پاس کے جنگلوں سے حاصل کیا جاتا ہوگا اور جنگلات جب ہی پیدا ہوسکتے ہیں جب بارش کی کثرت ہو۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم اس امکان کا تصور بھی کرلیں کہ یہ لکڑیاں ہمالیہ کی ترائی کے جنگلات سے کاٹ کر لائی جاتی ہونگی¹ تو اس خشک علاقہ میں اتنے مصائب برداشت کر کے پختہ مکانات بنانے کا کوئی جواز نہیں ملتا بالخصوص جب اسی عہد میں دوسرے علاقوں میں کچی اینٹوں، مٹی اور پتھر کے مکانات عام طریقہ پر استعمال ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ پختہ مکانات ان ہی مقامات پر بنائے جائیں گے جہاں بارش کثرت سے ہوتی ہو۔

1 ایسے شواہد دریافت نہیں ہوئے جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس عہد میں ہمالیہ کی ترائی میں کوئی ایسی قوم آباد تھی جو لکڑی کاٹ کر دریائے سندھ کے دھارے کی مدد سے موہنجودارو یا ہڑپہ لاتی ہو۔

بارش کی زیادتی کا ایک اور ثبوت وہ نالیاں ہیں جو تقریباً ہر مکان، ہر گلی اور ہر سڑک میں پائی گئی ہیں۔ اسی طرح تقریباً ہر مکان میں غسل خانوں کی موجودگی بھی پانی کی فراوانی کی نشاندہی کرتی ہے۔

اس کے علاوہ وادی سندھ کے علاقوں سے دریافت شدہ مہروں پر جن جانوروں کی تصویر کشی کی گئی ہے ان میں عام طور پر ہاتھی - گینڈا - بھینسے اور شیر بنے ہوئے ہیں۔ یہ سارے جانور گرم مرطوب آب و ہوا کے جانور ہیں اور خشک آب و ہوا میں نہیں پائے جاتے اور یہ قیاس کرنا کہ انکی تصویر کشی دوسرے ممالک کے جانوروں کو دیکھ کر کی گئی ہوگی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ صناعتوں نے جس چابک دستی اور کثرت سے انکی تصویریں بنائی ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ صناعت ان جانوروں سے بخوبی واقف تھے اور وہ ان کے لئے اجنبی اور نئے نہیں تھے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ریگستان کا جانور اونٹ جو آج سندھ کا مفید ترین جانور ہے، ان لوگوں کی تصویر کشی کا مرکز نہ بن سکا۔

بڑے بڑے شہر عموماً ایسے مقامات پر ملتے ہیں جہاں گرد و نواح میں زرخیز علاقے ہوں اور جن سے انکے باشندوں کو سامان خورد و نوش فراہم ہوسکے۔ پرانے زمانہ میں مواصلات کی مشکلات کی وجہ سے شہر بساتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہوگا چنانچہ ہڑپہ اور موہنجودارو کی بستیاں

ایسے ہی علاقوں میں بسائی گئی ہوں گی جو لاکھوں انسانوں کی خوراک مہیا کر سکتے ہوں۔

مندرجہ بالا شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سندھ کی آب و ہوا میں زبردست انقلاب آیا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تبدیلی آب و ہوا کا یہ سلسلہ ہندوستان پر سکندر اعظم کے حملہ کے وقت اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اسکی فوج کو واپسی کے وقت مکران کے ریگزاروں میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اسی طرح جب ۶۴۵ء میں حضرت عمر کے عہد خلافت میں عرب فاتحین مکران تک پہنچے تو صحار عبدی نے جو اس سر زمین کو دیکھ چکے تھے حضرت عمر کے استفسار پر بیان کیا^۱۔

’امیرالمومنین! وہاں پانی کی بے حد قلت ہے۔ لوگ ڈاکو ہیں۔ تھوڑی سی فوج جائے تو لوٹ لی جائے اور زیادہ جائے تو پیاسی مر جائے‘۔

ظاہر ہے کہ آب و ہوا کے اس انقلاب نے اس تہذیب کی بربادی میں کافی حصہ لیا ہوگا۔ لیکن آخر یہ تبدیلی کیوں ہوئی؟ ہو سکتا ہے کہ یہ اوقیانوسی گرد بادوں (مائیکلون) کے شمال کی طرف مڑ جانے کی وجہ سے ہو جیسا کہ یہ کسی وقت جنوب کی جانب بھی مڑ گئے تھے اور افریقہ کے شمالی عرض البلاد سے لیکر عرب و ایران اور ہندوستان

۱ ابن اثیر - الكامل - ج ۳ ص ۳۵ لیڈن۔

میں پھیل گئے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت جنوب مغربی مانسونی ہواؤں کا رخ سندھ کی طرف ہو لیکن صرف یہی تبدیلیاں وادی سندھ کی زراعتی حالت کی بربادی کا واحد سبب نہ رہی ہوں گی بلکہ یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مکانوں کی اینٹیں پکانے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے جنگلات بری طرح کاٹے گئے ہونگے جس سے بارش میں کمی ہوئی ہوگی کیونکہ جنگلات بارش کے نئے بڑے معاون ہوتے ہیں اور اسی خیال سے ہزاروں سال کے بعد پھر سے ان علاقوں کو سرسبز و شاداب بنانے کیلئے جنگلات اگانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

بستیاں

مومہن جو دارو
اسٹوپ
جامعہ
ہڑپہ
کارنگروں کے کوارٹر
بھٹیاں
گول چوہترے
چنہو دارو
تنکا جن دور
علیٰ مراد
آمری
دابرکوٹ
کوٹ ڈیچی

وادیٰ سندھ کی تہذیب ایک ہزار میل سے زیادہ وسیع علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی اسکی عملداری بابل سے چار گنے اور مصر سے دو چند وسیع علاقہ پر تھی اور جتنی جتنی باقیاتی تفتیش آگے بڑھتی ہے اسکا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اس وسیع علاقہ میں ہزاروں بستیاں آباد رہی ہوں گی جنمیں سے متعدد بستیوں کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ ان بستیوں میں باقیاتی دریافت کے اعتبار سے موہنجو دارو۔ ہڑپہ۔ چنہو دارو۔ ستکاجن دور۔ علی مراد۔ آمری۔ دابر کوٹ اور کوٹ ڈیجی بہت اہم ہیں۔

موہن جو دارو

موہنجو دارو کا مقامی نام 'موئن جو دڑو' یعنی مرے ہوؤن کا ٹیلہ ہے۔ کھدائی کرانے والے افراد مقامی زبان سے نا آشنا تھے اور انکے لئے لفظ 'موہن' میں زیادہ جاذبیت تھی

اسلئے انہوں نے 'سوئن' کی جگہ 'موہن' کا لفظ استعمال کیا اور اب یہ نام اتنا عام ہو چکا ہے کہ اصلی نام نے ثانوی حیثیت اختیار کر لی ہے اور باوجودیکہ سابق حکومت سندھ نے ایک سرکاری اعلامیہ کے ذریعہ اس کے اصلی نام کو قانونی حیثیت دیدی تھی لیکن غلط العام کا سکھ اب بھی رائج ہے اور اس نام کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہو چکی ہے۔

موہنجودارو شمالی سندھ کے ضلع لاڑکانہ میں کراچی کوئٹہ ریلوے لائن پر ڈوکری اسٹیشن سے ۶ میل دور واقع ہے۔ ڈوکری سے موہنجودارو تک پختہ سڑک ہے۔ دریائے سندھ اسکے مشرق میں بہتا ہے۔ کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر اگر اس ساری بستی کا جائزہ لیا جائے تو ایسا معلوم ہو گا کہ اس بستی میں چھ یا سات محلے تھے اور ہر محلہ شمالاً جنوباً ۱۲۰۰ اور شرقاً غرباً ۸۰۰ فٹ علاقہ پر مشتمل تھا اور ان محلوں کو وسیع شاہراہیں ایک دوسرے سے جدا کرتی تھیں۔ یہ شہر شکل و صورت میں جزائر برطانیہ سے ملتا جلتا ہے اور جس طرح بحر آئرلینڈ انگلینڈ سے آئرلینڈ کو جدا کرتا ہے اسی طرح شاید دریائے سندھ کی کسی قدیم طغیانی نے اس کے اسٹوپہ ایریا کو دوسرے خطہ سے الگ کر دیا ہے اور اب یہ کھنڈرات دو بڑے حصوں یعنی 'بالائی شہر' اور 'نشیبی شہر' میں تقسیم ہیں۔ بالائی شہر ایک بیضاوی ٹیلے پر قدیم آبادی کے مغربی سرے پر واقع ہے اور اسمیں اسٹوپہ، بڑا حوض، جامعہ یا درس گاہ اور ستونوں والا

ہال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نشیبی شہر میں رہائشی مکانات، دکانیں، چوڑی سڑکیں اور گلیاں ہیں یہ علاقہ ایچ۔ آر۔ ایریا¹، وی۔ ایس۔ ایریا²، ڈی۔ کے۔ ایریا³ کے مختلف ناموں سے موسوم ہے۔

اسٹوپہ

اسٹوپہ بدھ عہد کی عمارت ہے اسکی بلندی اور جاذبیت نے ماہرین آثار کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس عظیم الشان تہذیب کی دریافت اسی عمارت کی رہین منت ہے۔ یہ زمین کی سطح سے ۷ فٹ بلند ہے۔ اسکا گنبد گر چکا ہے اور اب اسکے ڈھولے کا نصف حصہ باقی ہے جو بنیاد سے ۸ فٹ ۳ انچ اونچے چبوترے پر قائم ہے اس ڈھولے کا قطر جو اندر سے کھوکھلا ہے ۳۳ فٹ ۶ انچ ہے کسی زمانہ میں کسی خزانہ کے متلاشی نے زرو جواہر کی تلاش میں اسکے اندر چودہ فٹ گہرا گڑھا کھودا تھا اور شاید اسے سنگ جراثیم کا بنا ہوا ایک خاکدان ملا تھا جسکے ٹکڑے اسنے بیکار سمجھ کر وہیں پھینک دئے جو بعد میں محکمہ آثار قدیمہ کے کھدائی کرانے والوں

1 ایچ۔ آر۔ ایریا کا نام اسکی کھدائی کرانے والے مسٹر ہارگریوز کے نام پر رکھا گیا تھا۔

2 وی۔ ایس۔ ایریا کا نام اسکی کھدائی کرانے والے مسٹر مادھو سروپ وٹس کے نام پر رکھا گیا تھا۔

3 ڈی۔ کے۔ ایریا کا نام اسکی کھدائی کرانے والے مسٹر کے۔ این ڈکشت کے نام پر رکھا گیا تھا۔

کے ہاتھ لگے۔ یہیں سے کنول کے پھول کے آسن پر بیٹھے ہوئے پتھر کے بنے ہوئے بدھ کی سورت کے چند ٹکڑے بھی برآمد ہوئے تھے۔

اسٹوپہ کی عمارت وادی سندھ کی قدیم عمارات کے ملبے سے تیار کی گئی ہے چنانچہ جنوب کی طرف جہاں اس کی بنیاد دکھائی دیتی ہے یہ بات بخوبی نظر آتی ہے کہ بدھ مت کے ماننے والوں نے اسکی تعمیر وادی سندھ کی قدیم عمارات کے آٹا پر کی ہے۔

وہار (مٹھ) کے چاروں طرف ایک چوڑا صحن ہے جسکے چاروں طرف بھکشوؤں کے رہنے کے لئے پختہ اینٹوں کے حجرے بنے ہیں ان حجروں میں دو حصے ہیں۔ اندرونی حصہ غالباً سونے کیلئے اور بیرونی حصہ بیٹھک اور دوسری ضروریات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ان حجروں سے چوکور سکے بھی برآمد ہوئے تھے جو کشان عہد کے راجہ واسودیو (۱۷۳-۱۵۶ء) کے عہد کے ہیں اور غالباً سندھ میں ہی ڈھالے گئے ہیں کیونکہ جھکر (ضلع لاڑکانہ) اور موہنجودارو کے علاوہ ایسے سکے برصغیر ہند و پاکستان میں کسی دوسرے مقام سے نہیں ملے۔

بڑا حوض

اسٹوپہ کے شمال مشرقی کنارے سے ہم بڑے حوض کے علاقہ میں نیچے اترتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک گلی

ہے جسکو شاہراہ الہیہ¹ کہا جاتا ہے۔ یہ حوض وسطیٰ عہد کی عمارت ہے اور اسکا نقشہ بہت سادہ ہے۔ اسٹوپہ کے شمال مشرقی کنارے سے ہم بڑے حوض کے علاقے میں پہنچتے ہیں یہ حوض وادی سندھ کی تہذیب کے وسطیٰ عہد کی عمارت ہے اور ۲۹ فٹ لمبا اور ۲۳ فٹ چوڑا ہے۔ اس میں اترنے کیلئے شمالاً جنوباً سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ حوض میں پانی کی نکاسی کا انتظام نہایت باقاعدہ تھا۔ چنانچہ ایک زیر زمین نالی حوض کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے جسکی اونچائی تقریباً ۶ فٹ ۶ انچ ہے۔ اس حوض کے چاروں طرف ایک برآمدہ ہے جسکے شمال، جنوب اور مشرق میں مختلف کمرے اور دالان ہیں۔ جنوب کی لمبی گیلری کے دونوں کناروں پر اور مشرقی جانب کے کمرے چھوٹے ہیں۔ ان کمروں کے درمیان کے کمرہ نمبر ۱۶ میں ایک کنواں ہے جس پر دوہری منڈیر تعمیر کی گئی ہے۔ قیاس کیا گیا ہے کہ اس کنویں کے پانی سے حوض بھرا جاتا تھا۔ ممکن ہے اور کنویں بھی ہوں جن سے اس کو بھرا جاتا ہو۔

بڑے حوض کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر ایک دو فٹ چوڑی گلی کے دونوں طرف آٹھ غسلخانے بنے ہیں جو ساڑھے نو فٹ لمبے اور چھ فٹ چوڑے ہیں غسلخانوں کے بنانے میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ آمنے سامنے ہونے کے باوجود انکے

1. Divinity Street.

دروازے اسطرح کھولے گئے ہیں کہ بے پردگی نہیں ہوتی اور گلی کے ایک طرف کے غسلخانوں کے دروازے میں کھڑے ہو کر گلی کے دوسری طرف کے غسلخانوں کے اندر دیکھا نہیں جا سکتا۔ ہر غسل خانہ میں بالائی منزل پر جائے کیلئے زینہ بنایا گیا ہے۔ ان غسل خانوں کے فرش نہایت احتیاط اور مضبوطی سے بنائے گئے ہیں اور چونکہ انکی دیواریں بہت موٹی ہیں اسلئے یہ خیال کیا گیا ہے کہ عمارتیں دو منزلہ تھیں۔ ان غسلخانوں کا گندہ پانی گلی کے اندر ایک نالی میں جمع ہو کر متذکرہ بالا پٹاؤ دار نالی میں جاتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غسلخانے بڑے حوض کے سلسلے کی ایک کڑی ہیں اور غالباً ان میں خاص لوگ یعنی پجاری اور پروہت وغیرہ غسل کیا کرتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پروہت اوپر کی منزل میں رہتے ہوں موہنجودارو میں تقریباً ہر بڑے مکان میں غسلخانے ملتے ہیں جس سے قیاس کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نہانے کے بڑے پابند تھے بلکہ بعض محققین کی تو یہ رائے ہے کہ ہندوؤں کی روزانہ اشنان کی رسم بھی وادی سندھ کی تہذیب ہی کا ورثہ ہے۔

جامعہ

مندرجہ بالا آٹھ غسلخانوں اور اسٹوپہ کے درمیان ایک بہت بڑی عمارت ہے جو بڑے حوض کی عمارت سے

زیادہ وسیع ہے۔ اسکی لمبائی ۲۳۵ فٹ ۷ انچ اور چوڑائی ۷۸ فٹ ۵ انچ ہے۔ اسکا صدر دروازہ مغرب میں تھا۔ قیاس کیا گیا ہے کہ یہ یا تو بڑے پنڈت یا پروہت کا مکان تھا یا کوئی بڑی جامعہ یا درسگاہ تھی۔ اسکے لاتعداد کمرے خاص 'شہ نشینوں کی بہت موٹی دیواریں اور خصوصاً بیرونی دیواریں جو بعض بعض مقامات پر چار فٹ موٹی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ عمارت دو منزلہ یا سہ منزلہ رہی ہوگی۔ صدر دروازہ سے داخل ہونے پر ایک ہال ملتا ہے جو ۲۳ فٹ لمبا اور چار فٹ چار انچ چوڑا ہے۔ اسکے چاروں طرف بہت سے کمرے ہیں جو شاید کسی زمانہ میں صدر درسگاہ کے اقامتی کمرے رہے ہوں گے۔ ہال کے بائیں جانب دو گلیاں ایک چھوٹے صحن میں جاتی ہیں جسکے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے دو منزلہ کمرے ہیں اسی طرح کئی اور صحن اور کمرے ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ ان چھوٹے کمروں میں طالب علم رہا کرتے ہوں گے۔ بالائی منزل پر جانے کیلئے دو زینے بنائے گئے ہیں اور خیال ہے کہ پروہت کے آنے جانے کیلئے جنوبی اور مغربی جانب دروازے رہے ہونگے۔

نشینی شہر

اسٹوپہ ایریا سے ایک راستہ جنوب مشرق کی طرف جاتا ہے جو تھوڑے فاصلے پر مشرق کی سمت مڑ کر شاہراہ مشرق سے مل جاتا ہے۔ شاہراہ مشرق کھدے ہوئے علاقے کو دو

حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ سڑک کے جنوب اور شمال میں جو علاقے ہیں ان کو بالترتیب ایچ۔ آر اور وی۔ ایس کہا جاتا ہے شاہراہ مشرق کو شاہراہ اول زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہے اور وی ایس اور ایچ۔ آر۔ ایریا کو شمالاً جنوباً دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی ڈی۔ کے۔ ایریا تک جاتی ہے۔

ان علاقوں میں ہزاروں مکان لاتعداد گلیاں اور بے شمار کنویں ہیں یہ مکانات خاص وضع کے ہیں ایچ۔ آر۔ ایریا کے مکان نمبر ۸ کی ساخت تعمیر بڑی دلچسپ ہے یہ مکان موہنجودارو کے وسطی عہد کی تعمیر ہے اور ہائی لین¹ پر واقع ہے۔ یہ مکان درمیانی درجے کا ہے اور اسکی لمبائی ۸۵ فٹ اور چوڑائی ۷۹ فٹ ہے بیرونی دیواریں ۳۔۵ فٹ موٹی ہیں اور بیرونی جانب مخروطی ہیں۔ اسکا صدر دروازہ ابتداً دس فٹ چوڑا تھا لیکن بعد میں اسکے مشرقی کونے میں ایک ستون کھڑا کر دیا گیا تھا جسکی وجہ سے اسکی چوڑائی ۷ فٹ ۶ انچ رہ گئی ہے۔ صدر دروازہ سے اندر داخل ہوتے وقت مغربی دیوار میں مٹی میں بھوسا ملا کر پلاستر کیا ہوا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اب بھی باقی ہے۔ دروازے کے عین سامنے تھوڑے فاصلہ پر ایک کمرہ ہے جسکا دروازہ باہر والے صدر دروازہ کے بالکل مقابل ہے۔ اسکے اندر داہنی جانب ۳۲ فٹ مربع صحن ہے جسکا فرش

1 چونکہ یہ گلی کافی بلند ہے اسلئے ماہرین آثار نے سمجھنے سمجھانے کیلئے اسکا نام ہائی لین (High Lane) رکھا ہے۔

اینٹیں جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ فرش کے کنارے پر شمال سے جنوب کی سمت ایک زمیں دوز نالی ہے جسکے شمالی سرے پر بالائی منزل کا گندہ پانی لانے والی نالی آکر ملتی ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکا پانی کسی گلی کی نالی میں نہیں جاتا بلکہ صحن کے نیچے مٹی کا ایک بڑا مٹکا اس مقصد کیلئے دفن کیا گیا ہے تاکہ سارا گندا پانی اس مٹکے میں جمع ہو جائے جنوب مغربی کنارے کے کمرے سے گزر کر جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو چاروں طرف کمروں کی قطاریں ملتی ہیں ان کمروں میں سے کمرہ نمبر ۶ میں ایک کنواں ہے اور ساتھ والے کمرے کی درمیانی دیوار میں ایک کھلا ہوا طاق ہے جس سے پانی کا برتن ایک طرف سے دوسری طرف نکل سکتا ہے نیچے کے تمام کمرے غالباً سامان رکھنے، باورچی خانہ اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کیلئے استعمال ہوتے ہونگے بالائی منزل کے کمرے سونے اور آرام کرنے کے کام آتے ہونگے۔ جنپر جانے کیلئے زینہ بھی بنایا گیا ہے۔

شاہراہ اول کی دوسری جانب سات فٹ لمبی اور پانچ فٹ چوڑی بیضاوی بھٹی ہے جس کا دھانہ جنوبی سرے پر ہے جو ۱۳ انچ چوڑا ہے۔ ایچ۔ آر۔ ایریا کے شمال میں شاہراہ مشرق کی دوسری جانب وی ایس ایریا ہے۔ یہاں سڑک کے کنارے ایک فرش پر پختہ اینٹوں کے گول تھالے بنے ہوئے ہیں جنمیں ۷ شکل کی اینٹیں جڑی ہوئی ہیں۔ یہ تھالے نوکیلے

پیندے والے مٹکوں کے رکھنے کیلئے بنائے گئے تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مے خانہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سبیل تھی۔ اس مقام سے آگے ۳۵ فٹ گہرا کنواں ہے جس کا قطر ۶ فٹ ۸ انچ ہے۔ اسمیں بھی ۷ شکل کی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں اس کنویں کی جگت بڑے سلیقے سے بنائی گئی ہے اور چنائی میں اینٹیں مضبوطی اور خاص اہتمام سے لگائی گئی ہیں۔ گھاٹ پر عرصہ تک پانی کھینچنے کی وجہ سے رسیوں کی رگڑ سے پڑے ہوئے نشانات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں ان کے ساتھ وہ نشانات بھی نظر آتے ہیں جو جگت پر گھڑے رکھنے سے بن گئے ہیں۔ کنویں سے پانی بھرتے وقت جو پانی چھلک کر گر جاتا تھا وہ جگت کے نیچے ایک پختہ حوض میں جمع ہوتا تھا اور وہاں سے ایک نالی کے ذریعہ باہر جاتا تھا۔

وی۔ ایس۔ ایریا کے تھوڑے فاصلے پر شمال میں ڈی۔ کے۔ ایریا ہے۔ یہ علاقہ غالباً یہاں کے رؤسا کی بستی تھی جسکی تعمیر تین مختلف ادوار میں ہوئی کیونکہ ان میں ابتدائی درمیانی اور آخری دور کے آثار صاف نظر آتے ہیں ان ادوار کی تعمیرات کا بغور مطالعہ دلچسپ بھی ہے اور تعجب خیز بھی چنانچہ جب ہم ابتدائی دور اور آخری دور کی تعمیرات کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں بین فرق نظر آتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی فن تعمیر آہستہ آہستہ روبہ انحطاط ہوتا گیا ہے اس وسیع رقبہ میں متعدد وسیع عمارات ہیں ان عمارات کو

اجاگر کرنے کے لئے یہاں بالائی سطح سے تقریباً ۳۰ فٹ تک گہری کھدائی کی گئی ہے جس سے بہت سی بلند دیواریں اور گلیاں نکل آئی ہیں۔ اس علاقہ میں لاتعداد پختہ کنویں ہیں ان کنوؤں کے چاروں طرف کی مٹی کھدائی کرتے وقت نکالی گئی تھی اور اب وہ زمین سے باہر کارخانوں کی چمنیوں کی طرح کھڑے نظر آتے ہیں۔

ہڑپہ

یہ مقام ضلع منٹگمری سے پندرہ میل دور دریائے راوی کی تلہٹی میں واقع ہے اور کراچی - لاہور ریلوے لائن کے اسٹیشن ہڑپہ روڈ سے چار میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ آج کا ہڑپہ پرانے ٹیلوں کے اوپر اور ان کے جوار میں آباد ہے دراصل اسی آبادی کی وجہ سے یہاں کے پرانے کھنڈرات لوگوں کی نظروں میں آتے رہے اور خزانہ کے متلاشیوں نے ان ٹیلوں کو کھود کھود کر برباد کر دیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب نارتھ ویسٹرن ریلوے کی پٹری بچھائی جا رہی تھی تو اس کام کے ٹھیکیداروں نے یہاں کی پختہ اور مضبوط اینٹیں توڑ توڑ کر پٹریوں کے نیچے روڑی کی طرح استعمال کیں۔ اسی روڑی پر بچھی ہوئی ریلوے لائن پر آج بھی ہم تقریباً موسمیل تک سفر کرتے ہیں۔ اگر موہنجودارو کی طرح ہڑپہ بھی محفوظ ہوتا تو وادی سندھ کی تہذیب سے متعلق آج ہماری معلومات بہت وسیع ہوتیں۔

ہڑپہ میں بارہ موسموں میں کھدائی ہوئی لیکن نتائج زیادہ حوصلہ افزا ثابت نہ ہوئے اور یہاں ایک سڑک بھی پوری طرح دریافت نہ ہو سکی البتہ زمین کے نیچے مدفون عمارات نظر نہ آنے کی وجہ سے خشت چوروں کی دست برد سے محفوظ رہ گئیں جن کی کھدائی میں ایسی باقیات کا پتہ چلا ہے جس سے وادی سندھ کی تہذیب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

قیاس کیا گیا ہے کہ ہڑپہ کا موجودہ نام رگ وید میں بیان کئے ہوئے 'ہاری یوپویا'¹ کا مخفف ہے 'ہاری یوپویا' وہ مقام تھا جہاں 'ابھی ورتن کیا منانے'² 'وارسی ونت'³ کو شکست دی تھی 'وارسی ونت' ایک قوم تھی جسکا تذکرہ رگ وید میں صرف اسی واقعہ کے سلسلے میں ملتا ہے۔ یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ واریس ونت شاید وارسن⁴ قوم کا دوسرا نام ہو⁵ جو آریاؤں کے دیوتا اندر کے دشمن بتائے گئے ہیں اور غالباً یہ غیر آریہ وادی سندھ کے اصلی باشندے ہوں اور آریاؤں اور غیر آریاؤں کی کشمکش ہڑپہ کی بربادی کا سبب بنی ہو لیکن مزید دلائل کے بغیر محققین کے ایک خاص گروہ کی ان تاویلوں پر اعتماد کرنا بہت مشکل ہے⁶۔

1. Hari-Yupuya. 2. Abhya Vartin Cayamana. 3. Varcivant.

4. Varcin.

5. Journal of the Bihar and Orissa Research Society, Patna, March, 1928. P.p. 129-3. and R.C. Majumdar and others, An Advanced History of India, London, 1946 P. 26.

6. Wheeler, R.E.M, Indus Civilization, P. 18.

ہڑپہ کی کھدائی سے چند اور دلچسپ چیزیں معلوم ہوئی ہیں جنہوں نے ہماری معلومات میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ ان میں سے غلہ کی کوٹھی۔ مزدوروں کے کوارٹر شہر پناہ اور دو قبرستانوں کی دریافت بہت اہم ہے اور ان کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس شہر کے چاروں طرف ایک شہر پناہ تھی جس کے آثار اس وقت نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس شہر پناہ اور راوی کے قدیم دھارے کے درمیان ایک ٹیلہ ہے جسے ماہرین حفریات نے آسانی کیلئے ٹیلہ ایف¹ کا نام دیا ہے فصیل کے جنوب میں جی ایریا² ہے جس میں ہڑپہ کا مدفن ایچ۔ پایا گیا ہے۔

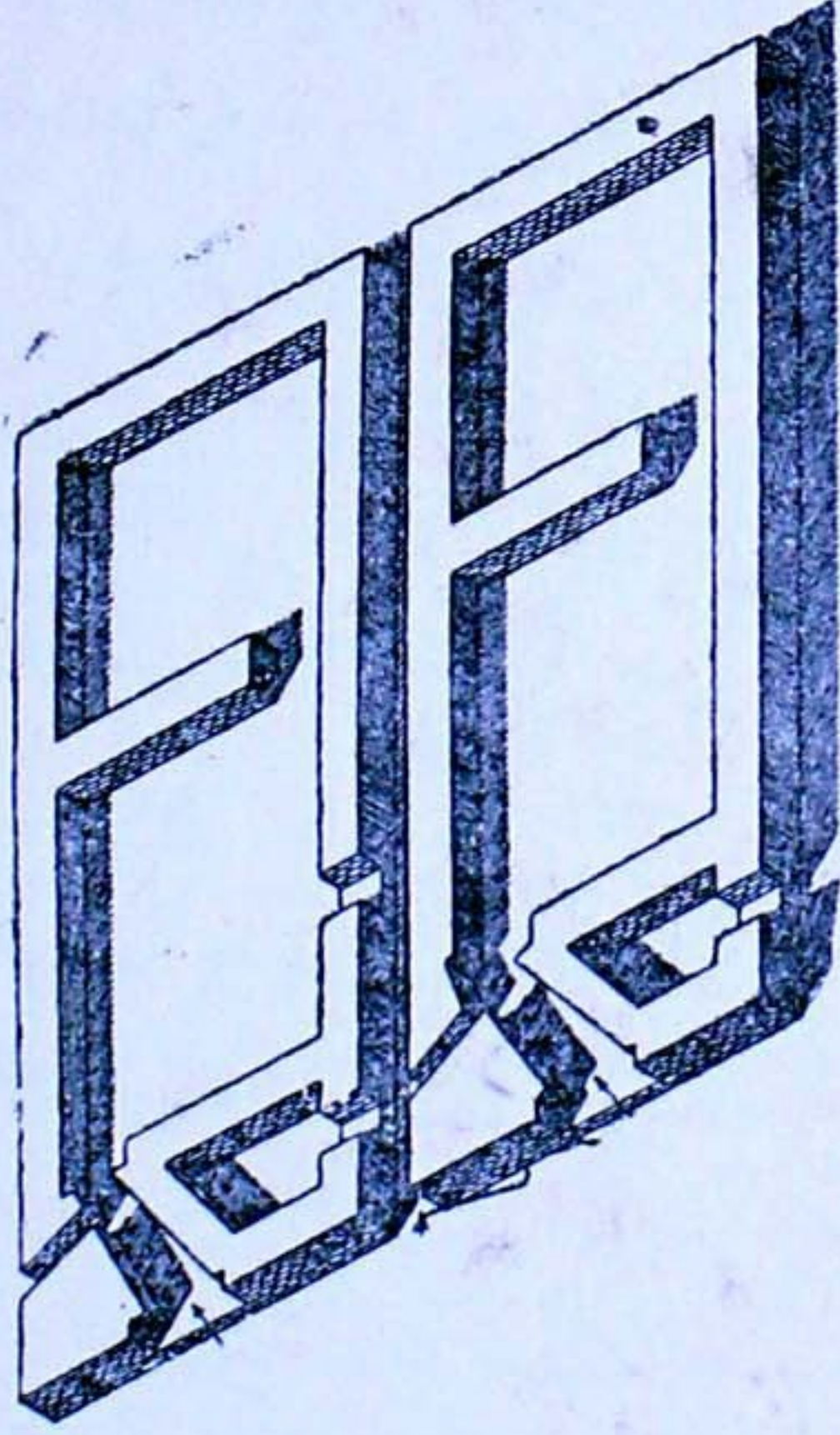
فصیل کے قریب جنوب کی طرف بارکوں کی طرح دو رویہ رہائشی مکانوں کی قطاریں ہیں اس سے ذرا پرے شمال کی طرف پانچ قطاریں چبوتروں کی ہیں اور اس کے پیچھے غلہ کی کوٹھی کی دوہری قطار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تعمیرات ایک خاص منصوبے کے تحت بنی ہیں اور ایک ہی عہد کی تعمیریں ہیں۔

کارنگروں کے کوارٹر

یہ مخروطی طرز کے دور رویہ مکانوں کی قطاریں ہیں جو دونوں سروں پر نامکمل ہیں۔ شمالی قطار میں سات اور جنوبی قطار میں آٹھ مکانوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ انکے سامنے پیچھے اور بغل میں چار چار فٹ کی تین گلیاں تھیں انکے چاروں طرف احاطہ

1 Mound F. 2 Area G. 3 Cemetery H.

بند دیوار تھی جس کے آثار اب بھی شمال اور جنوب میں نظر آتے ہیں۔ ہر مکان ۵۶ فٹ چوڑا تھا اور اس میں داخل ہونے کے دروازے ترچھے رکھے گئے تھے۔ جسکی وجہ سے مکانوں میں پردہ رہتا تھا۔



کاریگروں کے کوارٹر

ہر مکان میں یا تو دو کمرے تھے یا ایک کمرہ اور ایک دالان تھا۔ کوارٹروں کے فرش پختہ تھے۔ یہ کوارٹر بلدیاتی منصوبہ بندی کے تحت بنائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

بھٹیاں

ان کوارٹروں کے قریب ہی تھوڑی اونچائی پر سولہ بھٹیاں پائی گئی ہیں یہ بھٹیاں ناشپاتی کی شکل کی ہیں اور ۳ فٹ ۴ انچ

سے لیکر ۶ فٹ ۲ انچ تک لمبی ہیں انمیں کوئلہ اور گوہر
ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور دھونکنی سے ہوا
دیکر آگ سلگائی جاتی تھی۔ ان بھٹیوں کا صحیح مصروف معلوم
نہیں لیکن دریافت شدہ شواہد سے اندازہ کیا گیا ہے کہ شاید
ان میں کانسہ گلایا جاتا تھا۔

گول چبوترے

بھٹیوں کے شمال میں شکستہ دیواروں اور ٹوٹے ہوئے فرش
کے آثار کے درمیان ایک ہی طرز کی اینٹوں کے بنے ہوئے سترہ گول
چبوترے بھی ملے ہیں اگر اور کھدائی کی جائے تو ممکن ہے کہ
ایسے ہی اور چبوترے ملیں۔ دو چبوتروں کے مرکزوں کے درمیان
۲۱ فٹ کا فاصلہ ہے۔ ان کا قطر ۱۵ فٹ ۹ انچ سے لیکر ۱۱ فٹ
تک ہے اور کناروں پر گولائی میں کھڑی اینٹوں کے چار دائرے
بنے ہیں۔ ان دائروں کا اندرونی فرش اینٹوں کے ٹکڑوں اور خرف
ریزوں کو کوٹ کر بنایا گیا ہے ان کے مرکزوں میں ایک
گڑھا ہے جس میں کبھی لکڑی کا ستون نصب رہا ہوگا
جو اس طویل مدت میں گل گیا ہے۔ ان گڑھوں میں بھوسے کے
ٹکڑے اور چبوتروں پر گیہوں اور جو کے جلے ہوئے دانے ملے
ہیں۔ ان شواہد سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان چبوتروں پر
جو اور گیہوں کے خشک پودوں پر بیل کی جوڑی چلا کر
یا انہیں کوٹ کر غلہ نکالا جاتا ہوگا۔

غلے کی کوٹھی

متذکرہ بالا چبوتروں کے شمال میں ۱۵۵ گز کے فاصلے پر دریا کی خشک گذرگاہ کے کنارے ۵۰ فٹ لمبی اور ۲۵ فٹ چوڑی غلہ کی بارہ کوٹھیاں ہیں۔ یہ ایک ۲۳ فٹ چوڑی سڑک کے دونوں جانب واقع ہیں ان میں غلہ رکھنے کا رقبہ ۹۵۵ مربع فٹ ہے اور یہ کوٹھیاں چار فٹ اونچی کرسی پر تعمیر کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر وہیلر نے اس علاقہ کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں بتائی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق مندرجہ بالا کوارٹروں کو دیکھ کر مصر کے تل الامرنا¹، دائر المدینہ²، کاہوں³، اور غیزہ⁴ کی قدیم مزدور بستیوں کی یاد تازہ ہوتی ہے جہاں قطاروں میں بنے ہوئے اور احاطوں میں گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہم وضع مکانات ہیں⁵۔ لیکن یہ مماثلت کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ تل الامرنا میں ۱۳۵۴ - ۱۳۶۹ قبل مسیح میں ان مکانوں میں ممی بنانے والے رہتے تھے جنکو شہر سے ایک میل دور آباد کیا گیا تھا۔ دائر المدینہ کا گاؤں (سولہویں صدی قبل مسیح) بادشاہوں کی وادی⁶ کے مقبرے بنانے والوں کی بستی تھی اور آبادی سے الگ

1 Tell-el-Amarna. 2 Deir-el-Medinah. 3 Kahun. 4 Gizeh.

5 Wheeler - Indus Civilization, P.p. 22-24.

6 Valley of Kings.

بسائی گئی تھی اسی طرح کا ہون اور غیزہ میں بھی اہرام مصر بنانے والے رہتے تھے۔ ان تمام بستیوں کو شہر سے دور بسانے میں حکام وقت کی مصلحت یہ تھی کہ ان کے مکین لاشوں پر کام کرتے تھے اور لاشوں کی ممی بنانے کا مشکل اور کریہہ کام بستیوں کے اندر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہڑپہ کے کاریگروں کی یہ بستی ایسے لوگوں پر مشتمل نہ تھی جو تجہیز و تکفین سے متعلق ہوں انکا تعلق معاملات زیست سے تھا نہ کہ کاروبار مرگ سے۔ ویسے بھی فصیل سے اس قدر قریب ہونے کی وجہ سے بظاہر یہ لوگ عوام کی نظروں سے دور نہ تھے اور نہ ہی ایسا کام کرتے تھے جس پر لوگوں کی نظریں پڑنا مناسب نہ ہو۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کا آجرانہ نظام بھی انہیں اصولوں پر مبنی رہا ہو جو سمیر کے مذہبی نظام میں رائج تھا جہاں آر کے چاند کے دیوتا ننار¹ کے مندر کے احاطے کے اندر دیوتا اور حکومت کے نام سے ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا جس میں ۹۸ عورتیں اور ۶۳ بچے کام کرتے تھے یا جس طرح لاغاش² میں باو کے مندر میں ۲۱ باورچی ۲۷ دیو داسیاں، ۲۵ شراب کشید کرنے والے اور ۶ غلام زنانہ کپڑا بننے اور سوت کاتنے والے، ایک مرد آہنگر اور دوسرے دستکار اور حکام رہتے تھے۔ بہر حال یہاں کاریگروں کی کسی نہ کسی طرح کی تنظیم ضرور تھی کیونکہ اس علاقہ میں غلہ نکالنے کے چبوترے اور غلہ کی کوٹھیاں ان

1 Moon god Nannar. 2 Lagash.

لوگوں کے پیشے اور کارکردگی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

غلہ یہاں کی سب سے بڑی سماجی دولت تھا جو لین دین اور کاروبار میں سکھ کی جگہ استعمال ہوتا تھا مالگزاری بھی غلہ کی شکل میں وصول کیجاتی تھی جو ان کوٹھیوں میں جمع کی جاتی تھی یہاں ہی سے غلہ درآمد اور برآمد بھی کیا جاتا تھا جس کیلئے یقینی طور پر منشی اور مزدور نوکر رکھے جاتے ہونگے۔ ایک ایسے عہد میں جب کہ سکھ کا رواج نہ تھا اور غلہ ہی ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے اشیا تبدیل کی جاتی تھیں غلہ کی کوٹھیوں سے ہی ملک کی دولت کا اندازہ لگایا جاتا ہوگا۔ دوسرے ملکوں میں بھی اسی عہد میں ان کے نشانات ملتے ہیں چنانچہ اس عہد میں وادی دجلہ و فرات میں ہر اہم بستی کے قریب غلہ کی کوٹھیاں ملی ہیں۔ ان میں بعض کوٹھیاں معبدوں سے ملحق تھیں اور بعض دریا اور نہروں کے کنارے واقع تھیں۔ آر سے دریافت شدہ ایک کتبے میں ایک ایسی ہی کوٹھی کا ذکر کیا گیا ہے جس میں اتنا جو جمع ہوتا تھا جس سے ۴۰۲۰ دنوں کی محنت کی اجرت دی جا سکتی تھی۔ ایک دوسری تحریر میں ایک ایسی ہی کوٹھی کے مہتمم کے فرائض اور ذمہ داریوں کا ذکر ہے یعنی وہ اس بات کا خیال رکھے کہ اس کوٹھی کے غلہ سے ۱۰۹۳۰ آدمیوں کی واجبات ادا کی جا سکیں۔ ان آدمیوں میں ناظر، گلہ بان اور آب پاشی کا کام کرنے والے بھی شامل

تھے۔ یہ تمام تحریریں ۲۱۳۰ سے ۲۰۰۰ قبل مسیح کی ہیں اور کم و بیش وادیٰ سندھ کی ہمعصر ہیں بد قسمتی سے ہڑپہ یا موہنجودارو سے اس قسم کی تحریریں اب تک دریافت نہیں ہوئیں۔

چنہودارو

موہنجودارو سے ۸۰ میل جنوب میں سکرند کے قریب جمال کیراو سے آدھ میل کے فاصلے پر تین ٹیلے ہیں جو چنہودارو کہلاتے ہیں۔ ابتداً یہ تینوں ٹیلے ملے ہوئے تھے اور دریائے سندھ کے بالکل کنارے پر واقع تھے لیکن سیلابوں نے ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دریائے سندھ اب یہاں سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر بہتا ہے۔

یہ مقام ۱۹۳۱ء میں دریافت ہوا اور تین ہفتوں کی ابتدائی کھدائی کے بعد یہاں سے موہنجودارو اور ہڑپہ کے عہد کی باقیات ملیں۔ لیکن اسی اثنا میں چند ایسی نوادرات بھی برآمد ہوئیں جن سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ اسکا تعلق موہنجودارو اور ہڑپہ کے برباد ہوجانے کے بعد کے عہد سے بھی رہا ہے بعد میں ۱۹۳۵-۳۶ء میں مسٹر میکی نے یہاں وسیع پیمانے پر کھدائی کرائی اور کھودتے کھودتے اس تک پہنچ گئے کہ زمین سے پانی نکل آیا۔ اس کھدائی سے بڑے دلچسپ نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

1 Wheeler - Indus Civilization, P.p. 22-23.

یہاں کے خاص ٹیلے کو کھدائی کرنے والوں نے ٹیلہ نمبر-۲^۱ کا نام دیا ہے۔ اس میں ہڑپہ عہد کی تین مختلف تہیں موجود ہیں جن سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ جگہ کم از کم دو بار سیلاب سے تباہ ہوئی اور دوبار از سر نو بسائی گئی۔ یہ جگہ اس عہد کے بعد کچھ دنوں غیر آباد رہی اور پھر اس علاقے کو سیلاب کی زد سے بچانے کے لئے مٹی کی کچی اینٹوں سے اونچا کیا گیا اور ان کے اوپر مکانات بنائے گئے۔ کھدائی کئے ہوئے علاقہ کی عمارات ۲۵ فٹ چوڑی سڑک پر واقع ہیں۔ دوسری گلیاں اس سڑک سے زاویہ قائمہ بنائی ہوئی ملتی ہیں۔ ان میں بہت عمدہ پٹاودار نالیاں بنائی گئی ہیں جنکو برابر صاف کیا جاتا تھا۔ یہاں سے کانسرے، مونگرے، سیب اور ہاتھی دانت کا کام بنانے کا سامان بھی کافی تعداد میں دریافت ہوا ہے۔ تانبے کے بہت سے اوزار اور دھات کے غیر مکمل ڈھلے ہوئے کچھ ٹکڑے بھی ملے ہیں۔

ٹیلہ نمبر-۲ کی بالائی تہ پر ایک ایسے عہد کی باقیات بھی دریافت ہوئی ہیں جو سندھ کے علاقہ جھکر کی قدیم تہذیب سے مماثلت رکھتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھکر عہد کے لوگوں نے ہڑپہ کلچر کے خاتمے کے بعد چنہودارو پر قبضہ جمایا اور پرانے خالی اور شکستہ مکانات کی اینٹوں کو بے ترتیبی سے چن کر اپنی اقامت گاہیں بنائیں۔ یہ لوگ غالباً مربع یا

1 Mound II.

مستطیل جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ ان جھونپڑیوں کے فرش کچے ہوتے تھے اور چولہے جھونپڑیوں سے باہر ہوتے تھے جہاں ہوا سے بچنے کے لئے نیچی ناہموار دیواریں کھڑی کر لی جاتی تھیں۔ باقیاتی شواہد اس بات کا اندازہ دلاتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہڑپہ کلچر کے خاتمہ کے کافی عرصہ بعد یہاں سکونت اختیار کی تھی۔

ستکاجن دور

ستکاجن دور کراچی سے تین سو میل مغرب کی جانب بحر عرب کے ساحل سے ۲۵ میل شمال میں واقع ہے۔ سر آریول اسٹائن نے یہاں چند خندقیں کھدوائی تھیں جنمیں آٹھ اور نو فٹ زیر زمین تک ٹھیکریاں پائی گئی تھیں۔ یہاں ایک ٹھوس فصیل کے آثار بھی دریافت ہوئے تھے جس کے اندر کا مستطیل احاطہ شمالاً جنوباً ۱۷۰ گز لمبا اور شرقاً غرباً ۱۲۵ گز چوڑا تھا۔ شہر پناہ پتھر کی چوکور سلوں کو مٹی کے گارے سے جوڑ کر بنائی گئی ہے اس کے جنوب مغربی گوشے میں ایک دروازے کے آثار ہیں جو غالباً آٹھ فٹ چوڑا تھا۔ اس دروازے کے دونوں کناروں پر مستطیل برج بنائے گئے تھے۔ کھدائی میں ایک بڑا خاکدان بھی دریافت ہوا تھا جس میں راکھ بھری ہوئی تھی اس سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ انسانی لاشوں کو جلانے کے بعد اس کی راکھ دفن کی جاتی تھی۔ اسی

قسم کے خاکستر سے بھرے ہوئے دوسرے برتن بھی ملے ہیں یہاں کی دریافت شدہ باقیات میں سے پتھر کے چاقو۔ پتی کی شکل کا پتھر کا بنا ہوا تیر کا پھل، تانبے کی ایک چپٹی کلہاڑی، جس کے کنارے پٹے ہوئے ہیں، مٹی کی چوڑیاں، سنگ جراحی کے بنے ہوئے برتن کا ایک ڈکڑا، لا تعداد ظروف گلی جس میں وہ سوراخ دار برتن بھی شامل ہیں جو ہڑپہ میں عام طور پر ملتے ہیں، کچھ نقشین برتن، سیٹی دینے والی مٹی کی چڑیاں اور پختہ اینٹیں شامل ہیں۔

علی مراد

علی مراد دادو کے ۲۰ میل جنوب میں واقع ہے یہاں ریتیلے میدان میں ایک ٹیلہ دریافت ہوا تھا جس کے چاروں طرف پتھر کی چوکور فصیل تھی۔ اس فصیل کی لمبائی اور چوڑائی ۲۰۰ گزھے اور اس میں پتھر کے ۲ فٹ لمبے ۱ فٹ چوڑے اور ۵ فٹ موٹے ڈکڑے جوڑے گئے ہیں۔ اسکا دروازہ جنوب کی سمت تھا۔ فصیل کے اندر ایک کنواں اور چند مکانوں کے آثار پائے گئے ہیں۔ یہاں سے دریافت شدہ باقیات میں سرخ رنگ کی زمین پر سیاہ نقوش اور ہڑپہ عہد سے مشابہ پیپل کے پتوں کے ڈیزائن والے ظرف گلی، پکائی ہوئی مٹی کے بنے ہوئے بیلوں کے مجسمے، پتھر کے چاقو، کانسے یا تانبے کی چپٹی کلہاڑی اور عقیق کے منکے شامل ہیں۔

آمری

دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر موہنجودارو سے ۸۵ میل جنوب اور چنہودارو سے ۲۵ میل مغرب میں امری گاؤں کے قریب دو ٹیلے ہیں۔ یہاں مجمعدار نے دو خندقیں کھدوائی تھیں جنمیں پتھر کی چند دیواروں اور کمروں کے آثار پائے گئے تھے۔ یہاں دو تہذیبوں کے نشانات ملتے ہیں۔ بالائی تہ میں وادی سندھ کے عہد کی باقیات اور اسکے نیچے بلوچستان کی دیہی ثقافت کے آثار پائے گئے ہیں۔

دابرکوٹ

دریائے سندھ سے ۱۲۵ میل مغرب میں لورالائی کے جنوبی جانب دابرکوٹ کا ٹیلہ واقع ہے جو ۱۱۳ فٹ بلند ہے اور جسکا قطر ۱۲۵۰ فٹ ہے یہ قندھار جانے والی قدیم شاہراہ پر واقع ہے۔ اس ٹیلے کی بالائی سطح پر وادی سندھ کے عہد کی باقیات ملی ہیں۔ اگر یہاں مزید کھدائی کی جائے تو نیچے کی تہوں میں اس عہد سے قبل کے باشندوں کی باقیات ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

قصباتی متنصوبندی

خشت سازی
مکانات
شاہراہیں اور گلیاں
کنوئیں
صفائی
غسل خانے
حمام

پچھلے برسوں کی مسلسل کھدائی اور تحقیق و تفتیش کے نتیجہ میں وادی سندھ کے قدیم باشندوں کا کافی اثاثہ دریافت ہوا ہے اس اثاثے کی روشنی میں اس قدیم تہذیب کے متعدد پہلو اجاگر ہوئے ہیں۔ خصوصاً ان کے فن تعمیر کے اکثر پہلو آج ہماری معلومات کا حصہ ہیں اور ان جزئیات پر غور کرنے کے بعد ہم باسانی کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ تعمیرات کے معاملے میں بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے ان کے مکانات، دکانیں، درسگاہیں، کنویں، سڑکیں، غرضیکہ تمام تعمیرات باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت عمل میں آئی تھیں۔ لطف یہ ہے کہ ان کھنڈرات میں جدید طرز تعمیر کی جھلک بھی نظر

آتی ہے۔ چنانچہ ان آثار کو دیکھ کر ایک انگریز صاحب قلم کہہ اٹھا کہ وہ ایسا محسوس کرتا ہے گویا آج کے لنکا شائر کے کھنڈرات میں کھڑا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ موہنجودارو کی شاہراہ اول اور شاہراہ مشرق کا اتصال تو 'آکسفورڈ سرکس' کا چوراہا معلوم ہوتا ہے¹۔

بادی النظر میں یہ باتیں صریحاً قیاسی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کا عمیق مطالعہ بتاتا ہے کہ اس قسم کی تشبیہیں سراسر بے بنیاد نہیں۔ ذرا تفصیل میں جائیے تو یہ تشبیہ حقائق کا لبادہ پہنے سامنے نظر آئے گی، ذرا سی دیر کیلئے اس عہد کی تعمیر کا اہم جزو اینٹوں ہی کو لیجئے۔ یہ اینٹیں برصغیر ہند و پاکستان کی دوسری قدیم یا جدید اینٹوں کی بہ نسبت انگلستان کی اینٹوں سے زیادہ مشابہ ہیں یہی نہیں بلکہ ان اینٹوں اور عمارات میں اس نقش و نگار کا کلی فقدان ہے جو ہمارے قدیم فن تعمیر کا طرہ امتیاز ہیں۔ حتیٰ کہ گپتا عہد میں نقش و نگار اور تراش خراش والی اینٹوں کے استعمال میں اس قدر مہارت پیدا ہو چکی تھی کہ یہ اسلوب تعمیر اپنی مثال آپ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ موہنجودارو میں بھی نقاشی کی بہتات رہتی ہو اور یہ نقاشی لکڑی پر کی گئی ہو لیکن نقشین لکڑیاں امتداد زمانہ کی

1 Vedic Age — Vol. 1 of the History and Culture of Indian People, P. 169.

نظر ہو گئیں اور اس قسم کے نقش و نگار کا کوئی عینی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے البتہ یہاں سنگ جراثیم اور پکائی ہوئی مٹی کی بنی ہوئی جالیاں ضرور دریافت ہوئی ہیں لیکن وہ اتنی کم ہیں کہ یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مکان میں استعمال کی جاتی ہونگی۔

ہڑپہ میں خشت چوروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے تعمیراتی آثار بہت کم دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن موہنجودارو دور افتادہ علاقہ میں ہونے کی وجہ سے اس قسم کی دستبرد سے محفوظ رہا یہاں سے برآمد کئے ہوئے آثار کی روشنی میں مختلف شاہراہوں - گلیوں - مکانوں - گندی نالیوں کنوؤں اور غسلخانوں سے یہاں کی قصباتی منصوبہ بندی، بلدیاتی نظام اور صحت عامہ کے اصولوں کا بڑی حد تک اندازہ کیا سکتا ہے۔

باقاعدہ منصوبہ پر تعمیر شدہ شہر کی پہلی بنیادی ضرورت اسکے محل وقوع کا خارجی اور داخلی رکاوٹوں سے پاک ہونا ہے۔ دوسری اہم ضرورت ایک ایسی مرکزی بااختیار قوت یعنی انتظامیہ کا وجود ہے جو سڑکوں اور گلیوں کی دیکھ بھال گندے پانی کی نکاسی مکانوں کی کرسیوں کی مناسب بلندی اور عوامی کنوؤں کا معقول انتظام کرنے اور پھر ان اصولوں پر عوام سے پابندی کرا سکے۔

موہنجودارو میں یہ دونوں چیزیں موجود تھیں یہ علاقہ اس زمانے میں وسیع کشادہ اور ہموار رہا ہوگا اور یہاں کے باشندے فارغ البال اور سماجی قوانین کے پابند رہے ہونگے۔ لیکن شہر کے قریب دریا کی موجودگی سے پانی اور مٹی کی سطح برابر بلند ہوتی رہی جسکی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اپنے مکانات کو بلند تر سطح پر بنانا پڑا۔ چنانچہ ڈی۔ کے۔ ایریا میں اس قسم کی سات تہوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس بستی کی نچلی تہوں میں بعض مقامات پر سیلابی پانی کے ٹہرنے کے نشانات بھی نظر آتے ہیں۔ اس طرح پرانے مکانات پر نئے مکانات تعمیر ہوتے ہوتے شہر کی سطح بلند اور تنگ ہوتی گئی جس کے باعث وہ قوم جو ابتدائی دور میں عمارات کی جزوی ضروریات تک کا خیال رکھتی تھی بعد کے عہد میں بلدیاتی اصولوں کو نظر انداز کرنے لگی اور آخری ایام میں تو شہر کے حکمران زمین کے تنگ ہونے کیوجہ سے لوگوں کو سڑکوں اور گلیوں پر بھی قبضہ کرنے سے باز نہ رکھ سکے۔

خشت سازی

برصغیر ہندو پاکستان کے فن تعمیر کی تاریخ میں وادی سندھ کی اینٹیں اپنی نظیر آپ ہیں۔ یہاں غالباً کسی دور میں بھی ان اینٹوں سے زیادہ کارآمد اینٹیں نہیں بنائی گئیں۔ ان اینٹوں کا

حجم تقریباً $\frac{1}{3} : \frac{1}{2} : 1$ کی نسبت میں ہوتا تھا۔ تاریخی دور میں خشت سازی کے فن کی ترقی شہنشاہ اشوک کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس عہد کی اینٹیں بھی وادی سندھ کی اینٹوں سے دو گنے حجم کی ہوتی تھیں۔ کشاں۔ گپتا اور وسطی عہد میں ان کا حجم کم ہوتا گیا اور انکی لمبائی چوڑائی اور موٹائی میں اس تناسب کا خیال نہیں رکھا گیا جو وادی سندھ کی اینٹوں میں نظر آتا ہے اور بعض ماہرین تعمیرات کا تو یہ خیال ہے کہ وادی سندھ کی یہ اینٹیں اپنے اعلیٰ تناسب کے لحاظ سے نہ صرف بہترین بلکہ سمیر، مصر (رومی عہد سے پہلے تک) اور دوسرے ممالک کی اینٹوں سے بھی برتر ہیں۔ مصر میں پتھر کی کثرت اور سمیر میں قیر ایسے گارے کی موجودگی کی وجہ سے اینٹوں کی ساخت پر زیادہ توجہ صرف کرنے کی ضرورت نہ تھی اس لئے انہوں نے ان اینٹوں کے سائز کے تناسب کا خیال نہیں رکھا لیکن وادی سندھ کے فرزندوں کو تو دریا کی لائی ہوئی مٹی سے ہی واسطہ تھا جس سے اینٹیں بنانے میں انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت کا ثبوت دیا ہے¹۔

موہنجودارو اور ہڑپہ میں چند مقامات کے علاوہ جہاں کچی اور پکی اینٹیں تواتر سے بچھائی ہوئی ملتی ہیں یا کہیں کہیں ان کی بنیادیں بنائی گئی ہیں عام طور پر پختہ اینٹیں

1 Dikshit, K.N., Prehistoric Civilization of Indus Valley, P. 61.

استعمال کی گئی ہیں۔ اینٹوں کی لمبائی چوڑائی کی دو گنی اور موٹائی چوڑائی کی نصف ہے۔ یہ اینٹیں $2.25 \times 5 \times 15.25$ انچ سے لیکر $2.25 \times 8.5 \times 25.5$ انچ تک کے مختلف سائز میں بنائی گئی ہیں ان کے علاوہ بڑے سائز کی اینٹیں بھی ہیں جو خاص خاص مواقع مثلاً نالیوں کو پائنے کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ یہ اینٹیں بالکل اسی طریقے سے بنائی گئی ہیں جو آج بھی رائج ہے یعنی دریا کی لائی ہوئی چکنی مٹی گوندھ کر لکڑی کے کھلے سانچوں میں ڈالی جاتی تھی بعد میں سانچے کے اوپر کی زائد مٹی لکڑی کے تختے سے کاٹ کر الگ کر دی جاتی تھی اس طرح سے کونے صاف اور سطح ہموار ہو جاتی تھی۔ ان اینٹوں کو سکھانے کے بعد ایک زمین دوز آوے میں پکا لیا جاتا تھا۔ زیادہ پکی ہوئی اینٹوں کو یا تو بنیاد میں استعمال کیا جاتا تھا یا انکی روڑی بنالی جاتی تھی زیادہ پکنے کی وجہ سے بعض اینٹوں کی سطح پر ہرے رنگ کی ایک ناہموار تہ جم جایا کرتی تھی۔

چو کور اینٹوں کے علاوہ دوسری شکل کی اینٹیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ کنویں بنانے کیلئے V شکل کی گاؤدم اینٹیں خاص طور سے بنائی جاتی تھیں انہیں اینٹوں کو محراب بنانے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محراب بنانے کے فن سے واقف نہ تھے ان کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے عام اینٹوں کو کاٹ چھانٹ اور تراش کر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ

اینٹیں اس قدر مہارت سے بنائی جاتی تھیں اور اتنی احتیاط سے جوڑی جاتی تھیں کہ انکے نیچے پانی رستا نہ تھا۔ غسلخانوں کے فرش عام طور سے اسی طرح گھسی ہوئی اینٹوں سے بنائے گئے ہیں۔ فرش کی چنائی میں کسی قسم کی نقاشی یا ڈیزائن کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا البتہ غسلخانوں کے کونوں پر کمہیں کمہیں L شکل کی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔

اینٹوں کی چنائی مٹی کے گارے سے کی گئی ہے اور ہزاروں سال کی یہ لمبی لمبی دیواریں آج بھی نہایت مضبوطی سے قائم ہیں۔ خاص خاص مقامات مثلاً نالیوں۔ حمام۔ اور سنڈ اس وغیرہ کے بنانے میں چوننا اور قیر کا گارا استعمال کیا گیا ہے مٹی کا گارا اینٹوں میں جذب ہو کر سیمنٹ یا دوسرے مصالحوں کے گاروں کی طرح چپک نہیں جاتا چنانچہ یہ قرین قیاس ہے کہ یہاں کی اینٹیں ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ بھی استعمال کی جاتی رہی ہیں اور اسٹوپہ کی عمارت جو تاریخی دور کی تعمیر ہے انہیں استعمال شدہ اینٹوں سے بنائی گئی ہے۔ اس بات کے مزید ثبوت میں مختلف سائزوں کے ایک بار استعمال شدہ اینٹوں کے وہ چٹے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو کھدائی کے وقت اس طرح لگے ہوئے ملے تھے جیسے کسی دوسری جگہ لے جا کر ان سے عمارت تعمیر کی جانے والی تھی۔ اس قسم کے نظارے آر میں بھی دیکھنے میں آئے تھے¹ اگر کھریا یا چونے کا گارا استعمال

1. Mackay - Earnest., The Indus Civilization, P. 30.

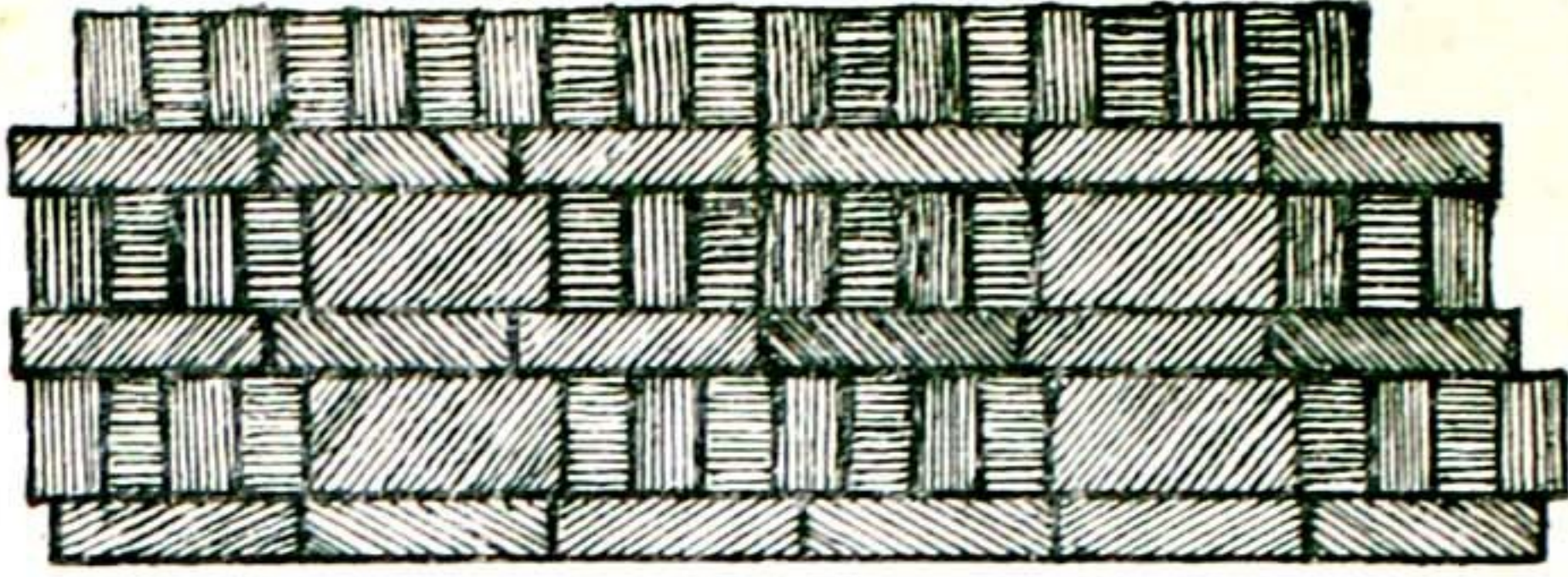
کیا جاتا تو اس طرح اینٹوں کو ایک جگہ سے نکال کر دوسرے جگہ استعمال کرنا دشوار ہوتا۔

مکانات

سوہنجود اور کے مکانات سادے اور آرام دہ ہیں جن میں خوبصورتی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ سے زیادہ پائنداری کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں نفاست اور نزاکت کے بجائے زندگی کو آرام دہ اور فراغت مند بنانے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا چنانچہ ہمیں یہاں ایسی شاندار اور مزین عمارات نہیں ملتیں جو مصر، سمیر اور دوسری قدیم نہدیوں میں پائی گئی ہیں یہاں چند باتوں کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے مثلاً ان تعمیرات کی بنیادیں کافی گہری اور مضبوط رکھی گئی ہیں اور ان میں کھڑنجے اور روڑے بھر کر اچھی طرح کٹائی کی گئی ہے۔ عمارتوں کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مٹی کے چبوتروں کی اونچی کرسی بھی بنائی جاتی تھی۔ اکثر دیواریں اینٹوں کو علی الترتیب کھڑی اور پڑی یعنی انگلش بانڈ¹ کے طرز پر چن کر بنائی جاتی تھیں²۔

1 English Bond

2 Vedic Age, P. 171



زیادہ موٹی دیواریں بنانے کیلئے باہر اور اندر کی طرف اینٹوں کی اکہری دیوار کھڑی کر کے انکے اندر مٹی گارا ٹھیکریاں اور ٹوٹی ہوئی اینٹیں بھر دی جاتی تھیں۔

کھدائی کے بعد جو عمارتیں دریافت ہوئی ہیں، ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی ۱۔ رہائشی مکانات، ۲۔ بڑی عمارات جنکا مصرف صحیح طور پر متعین نہیں ہو سکا ہے، ۳۔ غسل خانے اور حمام۔

رہائشی مکانات کم سے کم دو کمروں پر مشتمل ہیں لیکن بعض کافی وسیع و عریض ہیں ان مکانات کی بیرونی دیواریں بالکل سادہ ہیں اور ان میں داخل ہونے کے دروازے چھڑی سڑکوں کے بجائے گلیوں میں کھلتے ہیں عام مکانات کا رقبہ ۲۷ x ۳ فٹ تھا جنمیں ۴ یا ۵ کمرے ہوتے تھے۔ بڑے مکانات اس کے دوگنے رقبہ پر مشتمل ہوتے اور اسی مناسب سے ان میں

زیادہ کمرے بنائے جاتے تھے حتیٰ کہ بعض مکانات میں ۳۰ کمرے تھے۔ موہنجودارو کا سب سے بڑا مکان ۲۴۲ فٹ لمبا ۱۱۲ فٹ چوڑا ہے اس میں کئی صحن ہیں جنکے اطراف میں رہائشی کمرے اور گودام وغیرہ بنے ہوئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مکان میں رہنے والا یقیناً ایک ایسا صاحب حیثیت خاندان تھا جو کافی افراد پر مشتمل تھا۔

وادی سندھ کے مکانوں کے کمروں کی وسعت موجودہ دور کے مکانات کے کمروں سے کچھ کم ہوتی تھی اسکا سبب وہ موٹی دیواریں تھیں جو سیلابوں سے حفاظت کے خیال اور بالائی منزلوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے موٹی بنائی جاتی تھیں ان دیواروں پر بھوسہ ملی ہوئی مٹی کا پلستر کیا جاتا تھا جسکے نشانات اب بھی کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔ چند مکانات کی دیواروں کے بالائی حصہ میں چوکور کھانچے ملے ہیں جنمیں غالباً وہ شہتیر رکھے جاتے ہوں گے جنپر چھت ڈالی جاتی تھیں۔ ان شہتیروں کے اوپر لکڑی کی پتلی کڑیاں ڈالی جاتی ہونگی جن پر نرکل اور سرکنڈوں کی چٹائی بچھا کر مٹی چڑھا دی جاتی ہوگی۔ قیاس ہے کہ چھتیں چورس اور ہموار ہوتی تھیں اور ان کے کناروں پر حفاظت کے لئے منڈیر بنا دی جاتی تھی بارش کا پانی نکالنے کے لئے پختہ مٹی یا لکڑی کے پرنا لے لگائے جاتے تھے۔

ان مکانات کا نقشہ مجموعی طور پر مشرقی ممالک کے

مکانوں بالخصوص بابل اور برصغیر ہند و پاکستان کے شمالی علاقوں کے شہروں کے مکانات سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی ہر مکان کے وسط میں صحن ہوتا تھا اور صحن کے چاروں طرف کمرے بنائے جاتے تھے صحن کے کسی ایک گوشے میں دودھ دینے والے جانور باندھے جاتے تھے اور کسی دوسرے گوشے میں باورچی خانہ ہوتا تھا۔ بڑے مکانوں میں مشترک خاندان رہا کرتے تھے بعض مکانات میں پردے کی ایسی دیواریں بھی پائی گئی ہیں جو مکان کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دو بھائیوں کی بیویوں کی کھٹ پٹ یا کسی دوسرے خاندانی اختلاف کی وجہ سے مکان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ چند مکانوں کی بیرونی دیوار ملحقہ مکان کی دیوار سے ذرا ہٹ کر بنائی گئی ہے اور اس طرح دونوں مکانوں کے درمیان ایک بہت تنگ گلی سی بن گئی ہے یہ شاید مشترکہ دیوار میں کیل گاڑنے الماری لگانے یا پڑوسیوں کی اسی قسم کی کسی چپقلش سے بچنے کیلئے کیا گیا ہوگا۔ دروازے غالباً لکڑی کے بنائے جاتے تھے جو چوکھٹ کے بیچ میں فٹ کئے جانے کے بجائے اوپر کے پٹاؤ اور دھلیز میں پھنسا دئے جاتے تھے۔ بیرونی دیواروں میں کھڑکیاں شاز و نادر ہی ہوتی تھیں۔

اوپر کی منزلوں پر جانے والی سیڑھیاں اونچی، پتلی اور تنگ ہیں بعض بعض سیڑھیوں کی اونچائی پندرہ انچ اور

چوڑائی صرف پانچ انچ ہے جن پر چڑھنے کیلئے کافی احتیاط برتنا پڑتی ہوگی۔ لیکن چند زینے ایسے بھی ملے ہیں جو کافی باقائدہ اور مناسب بنائے گئے ہیں۔ ایک بڑے مکان میں تو یہ سوا دو انچ اونچے اور سوا آٹھ انچ چوڑے ہیں، بعض مکانوں میں اوپر والی منزل پر جانے کے لئے بیرونی گلی سے زینے نکالے گئے ہیں۔

ان مکانوں میں فرنیچر بہت سادہ ہوتا ہوگا نرکل اور سرکنڈے کی چٹائیاں اور سرکنڈوں کے مونڈھے اور تپائیاں جن کی مہروں پر تصویر کشی کی گئی ہے بیٹھنے کیلئے استعمال ہوتی ہونگی۔ غلہ رکھنے کیلئے کھٹلیاں یا بڑے سٹکے نصب تھے بعض جگہ دیواروں میں گہرے طاق یا کھانچے ملے ہیں جو شاید الماریوں کا کام دیتے ہوں گے۔

شاہراہیں اور گلیاں

موہنجودارو کی سڑکیں اور گلیاں شمالاً جنوباً اور مشرقی اور مغربی سمتوں میں بنائی گئی ہیں۔ یہ سڑکیں ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ بناتی ہوئی کاٹتی ہیں۔ غالباً یہ سمتیں ہواؤں کے رخ کو مدنظر رکھتے ہوئے تجویز کی گئی ہونگی اور شمال یا جنوب سے چوڑی شاہراہوں پر چلتی ہوئی تازہ ہوا گلیوں اور کوچوں کی ٹہری اور گھٹی ہوئی ہوا کو کھینچ لیتی ہوگی اسطرح ہر جگہ ہوا کا گذر ہوجاتا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ سمتوں کا یہ انتخاب ایک اتفاقی بات ہو اور اسکا ہواؤں کے رخ سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن ہوا کی بہم رسانی کا ایسا ہی

انتظام بابلی تہذیب کے چند شہروں میں بھی پایا گیا ہے۔
 سڑکیں کافی کشادہ ہیں۔ شاہراہ اول جو
 نصف میل سے زیادہ لمبائی تک دریافت کی جا چکی ہے شمالاً
 جنوباً واقع ہے اور اس علاقہ کے سب سے اہم ٹیلے کو دو حصوں
 میں تقسیم کرتی ہے۔ یہ شاہراہ یہاں کی سب سے اہم شاہراہ
 رہی ہوگی کیونکہ بعض جگہ یہ ۳۵ فٹ سے زیادہ چوڑی ہے
 اور کئی بیل گاڑیاں اسپر ایک ساتھ گذر سکتی ہیں (پلیٹ نمبر ۳۰-ب)
 شاہراہ مشرق جو شاہراہ اول کے جنوبی سرے پر زاویہ قائمہ بناتی
 ہوئی گذرتی ہے بظاہر اس سے زیادہ چوڑی ہے لیکن ابھی تک اسکا
 ایک حصہ ہی صاف کیا جا سکا ہے۔ وسطی شاہراہ بھی شاہراہ اول
 کو زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہے اور بالائی حصہ پر، جہاں تک اسکی
 کھدائی ہوئی ہے۔ ۱۸ فٹ چوڑی ہے۔ سٹوپہ ایریا کی سب سے
 اہم شاہراہ ساڑھے تیرہ فٹ چوڑی ہے اور شمال سے جنوب کی طرف جاتی
 ہے۔ دوسری گلیاں ۹ فٹ سے ۱۲ فٹ تک اور کوچے ۴ فٹ اور
 اس سے زیادہ چوڑے ہیں۔ ان سڑکوں اور گلیوں میں سے کوئی بھی
 پختہ نہیں ہے البتہ شاہراہ اول پر اینٹوں اور پتھروں کی روڑی
 ڈال کر ان کو کسی وزن دار چیز سے کوٹ کر ہموار کرنے
 کی کوشش کی گئی تھی لیکن شاید یہ تجربہ زیادہ کامیاب نہ
 ہوا اور اسی وجہ سے دوسرے مقامات پر ایسی کوشش نہیں
 کی گئی۔

1. Mackay; Indus Valley Civilization P.p. 23-24

موہنجودارو کی تمام سڑکیں اور گلیاں کافی کھدائی گئے بعد دریافت ہوئی ہیں اور بعض مقامات پر تو بالائی سطح سے ۳۵ فٹ نیچے تک کھدائی کی گئی ہے۔ چوڑی شاہراہوں کی بہ نسبت گلیاں زیادہ صحیح و سالم ہیں کیونکہ چھوٹی گلیاں چوڑی شاہراہوں کی بہ نسبت کم استعمال کی گئی ہونگی اور شہر کی بربادی کے وقت جلد ہی تہ خاک ہو گئی ہوں گی۔ ان گلیوں کی چوڑائی نیچے سے اوپر کی جانب بڑھتی چلی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دو رویہ مکانات کی بیرونی دیواریں مخروطی شکل کی ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۴ الف)

یہاں کی چوڑی سڑکیں رونق اور دلچسپی کے تمام لوازمات سے عاری ہیں۔ کیونکہ عام دستور کے برعکس نہ تو ان سڑکوں پر مکانات کے بیٹھکے کھلتے ہیں جنہیں محفلیں جمیں خوش گپیاں ہوں اور رات کے وقت روشنی چھن چھن کر سڑکوں کو روشن کرے اور نہ مکانوں کے دروازے ہیں جن سے لوگ مکانوں میں آئیں جائیں اور چہل پہل ہو۔ کشادہ سڑکوں اور گلیوں کے اتصال پر ایسے کمرے عام طور پر پائے گئے ہیں جن سے مکانات میں آمدورفت ہو سکتی ہے۔ ان کے دروازے بھی گلیوں میں ہیں اور خیال کیا گیا ہے کہ یہ چوکیداروں اور دربانوں کے لئے بنائے گئے ہونگے۔ چند شواہد سے یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ چوروں سے محفوظ رکھنے کے لئے موہنجودارو کے سارے علاقے

کو مختلف چوکیوں میں تقسیم کیا گیا ہوگا۔

بعض گلیوں کے موڑ پر انسانوں کے کپڑوں اور گذرنے والے جانوروں کے اوپر لادے ہوئے سامان کی رگڑ کے نشانات بھی ملتے ہیں۔ کچھ مقامات پر گلی کے موڑ پر ایسی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں جنکے کونے گولائی سے تراشے گئے ہیں تاکہ سامان لے جانے والے جانور انکے نوکیلے کونوں میں نہ الجھیں۔ اس قسم کے موڑ آرکے مکانوں کی دیواروں میں بھی پائے گئے ہیں^۱۔

کنویں

کنویں موہنجودارو کی ایک امتیازی خصوصیت ہیں اور ہزاروں سال پرانے ہونیکے باوجود کیچڑ اور ملبہ نکالنے کے بعد آج بھی نہایت صاف و شفاف اور ٹھنڈا پانی بہم پہنچاتے ہیں۔ جس وقت یہاں کھدائی کی جاری تھی تو محکمہ آثار قدیمہ کے عملے اور مزدوروں کے پینے کے لئے ۳ میل کے فاصلے پر سے پانی لانا پڑتا تھا۔ اس دقت سے بچنے کے لئے قدیم کنوؤں کی کھدائی کی گئی اور صفائی کے بعد ان کنوؤں سے صاف ٹھنڈا پانی برآمد ہوا۔

یہ کنویں ہر بڑے گھر میں پائے گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے کنویں بنواتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ

۱ Mackay-Earnest. The Indus Civilization, P. 26.

گھر میں پردہ بھی رہے اور باہر کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں چنانچہ مکان کی بیرونی دیوار کے قریب کنواں بنا کر اس پر اس طرح دیوار کھڑی کی گئی ہے کہ کنواں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور مکان کے اندر اور باہر گلی سے پانی بھرا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ سڑکوں اور گلیوں کے کنارے بھی کنویں بنائے گئے ہیں۔ یہ کنویں اوپر سے نیچے تک پختہ ہیں اور سب کنویں گول ہیں لیکن دو ایک مقامات پر بیضاوی کنویں بھی بنے ہوئے ملے ہیں۔ یہ اپنی وضع میں منفرد ہیں اور کسی دوسری جگہ نہیں دیکھے گئے ایک کنواں اتنا تنگ ہے کہ اسکا قطر صرف ایک فٹ دس انچ ہے کنوؤں کی جگت¹۔ پر رسی کی رگڑ سے پڑے ہوئے نشانات جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ کئے مقامات پر اینٹوں پر گول گہرے نشانات بھی پائے گئے ہیں جو بار بار گھڑے رکھنے کی رگڑ سے پڑے ہیں۔ کھدائی میں بچوں کے کھیلنے کی مٹی کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی گراریاں بھی ملی ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پانی کھینچنے کے لئے بڑی گراریاں بھی لگائی جاتی ہونگی۔

ہزاروں سال کی اس پرانی بستی کی سطح برابر اونچی ہوتی رہی ہے۔ اور دریائے سندھ میں متواتر سیلاب آنے اور زیر زمیں پانی کی سطح میں تبدیلی کی وجہ سے یہ کنویں بار بار اونچے

1 کنویں کی سندھ

کٹے جاتے رہے ہیں - چنانچہ چند کنوؤں میں یہ دور صاف نظر آتے ہیں جہاں انہیں کنوؤں کے اوپر کے حصہ کو بنیاد بنا کر کئی بار اونچا کیا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۳-ب)

موہنجودارو کے آخری دور میں نئے کنویں نہیں بنائے گئے بلکہ پرانے کنویں ہی استعمال کئے جاتے رہے۔ بعد کے عہد کے لوگوں نے اپنے اجداد کے بنوائے ہوئے کنوؤں کی مرمت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اسکا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ان کے زیرین حصوں میں اینٹیں نہایت صفائی اور ہمواری سے جوڑی گئی ہیں اور اوپری حصوں میں یہ چنائی بے ترتیب اور نہایت بھدے طریقہ سے کی گئی ہے۔ چونکہ کنوؤں کے پانی کی ابتدائی سطح اور آخری سطح میں تقریباً بیس فٹ کا فرق ہے اسلئے ابھی تک کسی کنویں کی ابتدائی تہ تک نہیں پہنچا سکا ہے۔

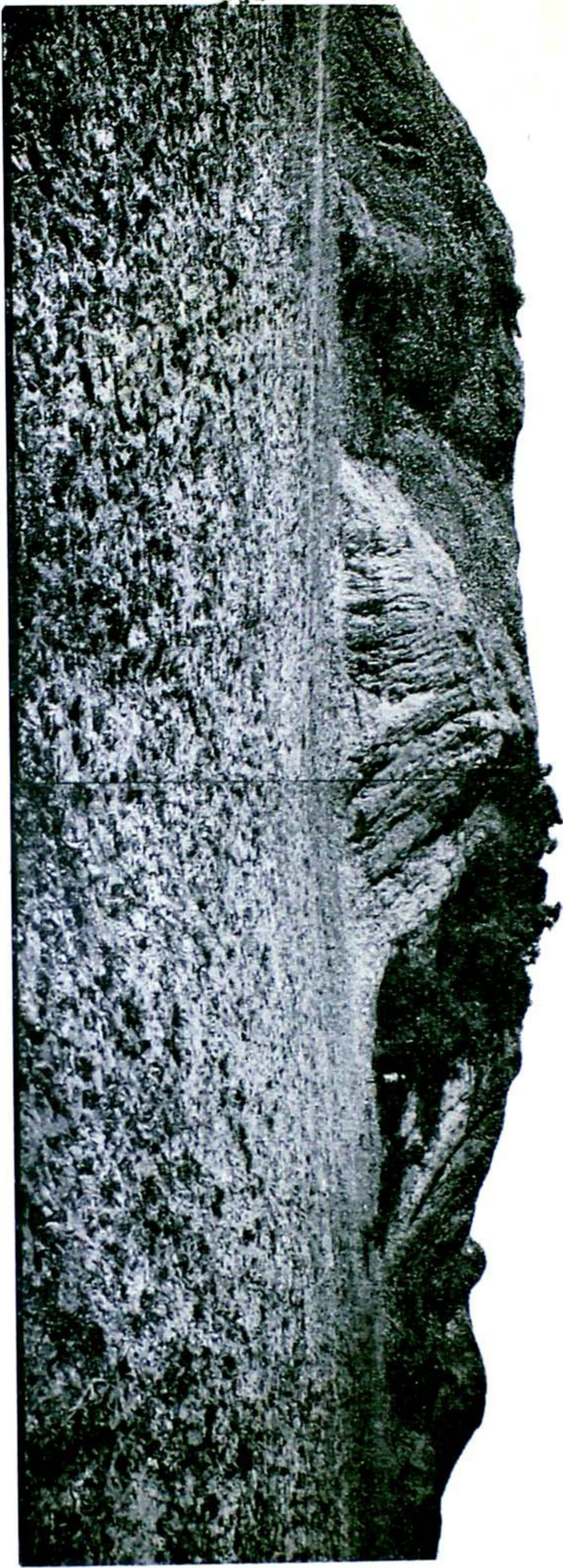
صفائی

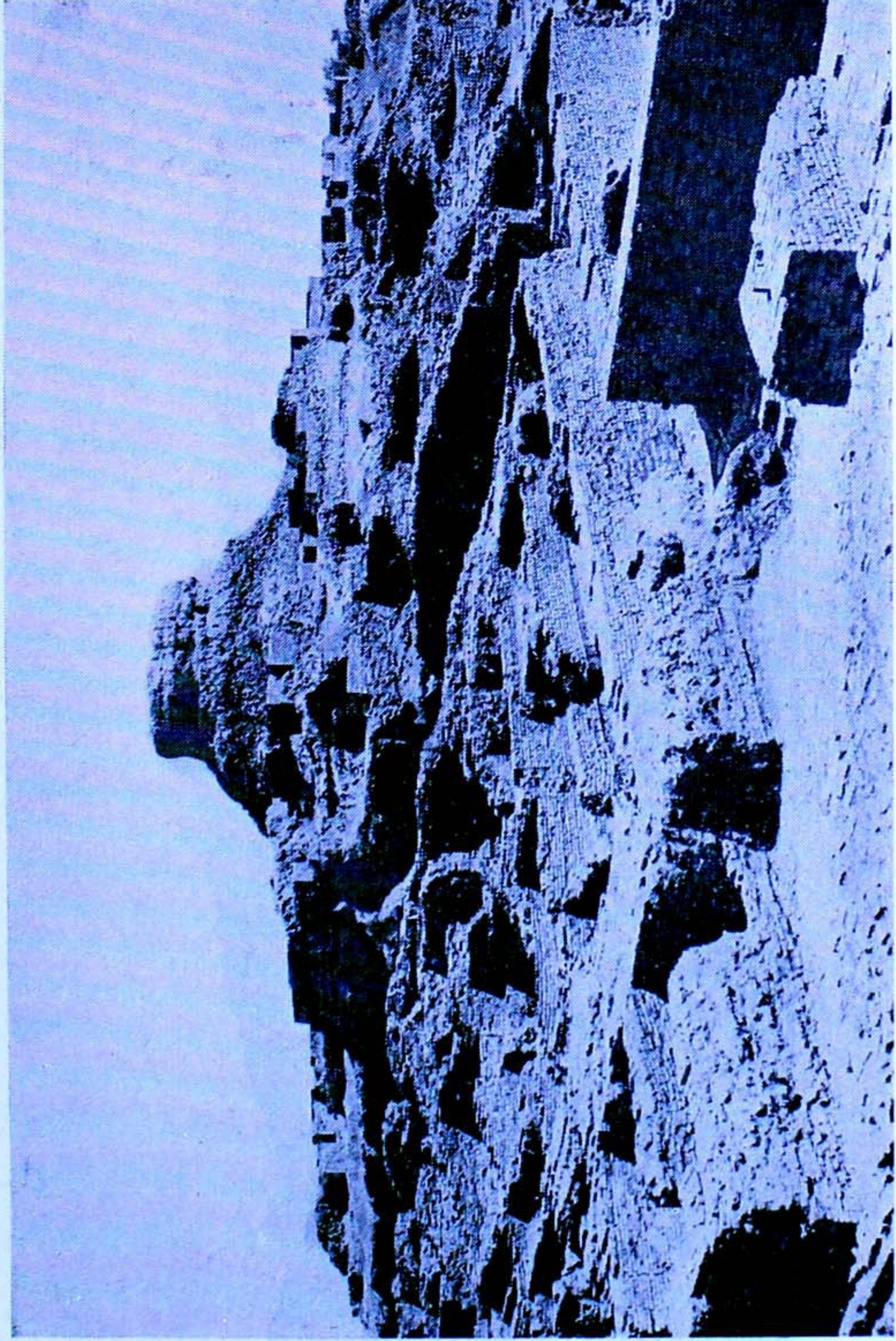
وادی سندھ کے باشندے صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ شاہراہوں، کنوؤں اور گلیوں سے پانی نکالنے کا جو اہتمام موہنجودارو میں نظر آتا ہے اس کے پیش نظر اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہم عصر تہذیبوں میں کوئی قوم بھی اس بارے میں انکے پاسنگ بھی نہ تھی تو غلط نہ ہوگا۔

تقریباً ہر گلی میں پختہ اینٹوں کی بدروین اور گلی کے دونوں جانب سے مکانوں کا گندہ پانی لانے والی نالیاں اپنی مثال آپ ہیں یہ نالیاں بڑی نالیوں میں ملتی ہیں جو ۱۹ انچ گہری اور ۸ انچ چوڑی ہوتی تھیں لیکن پانی کی مقدار کے اعتبار سے انکی گہرائی اور چوڑائی بھی مختلف ہے چنانچہ بعض نالیاں انکی دوگنی ہیں یہ نالیاں معمولی پختہ اینٹوں سے بنائی جاتی تھیں اور مٹی کے گارے سے جوڑی جاتی تھیں لیکن بعض بعض نالیوں میں قیر کا گارا استعمال کیا گیا ہے تاکہ پانی مٹی میں جذب نہ ہو سکے اور آسانی سے بہ جائے ان نالیوں کو اینٹوں سے ڈھک دیا جاتا تھا۔ اور ان میں گارا اسلئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا کہ ان کو اٹھا کر نالیوں کو آسانی سے صاف کیا جا سکے۔ زیادہ چوڑی نالیاں پتھر کی سلوں سے بند کی جاتی تھیں۔ کہیں کہیں اس مقصد کے لئے چوڑی پختہ اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہیں لیکن چونکہ بڑی اینٹیں وزن پڑنے سے ٹوٹ جاتی تھیں اسلئے پتھر کی سلوں کو ترجیح دی گئی ہے۔

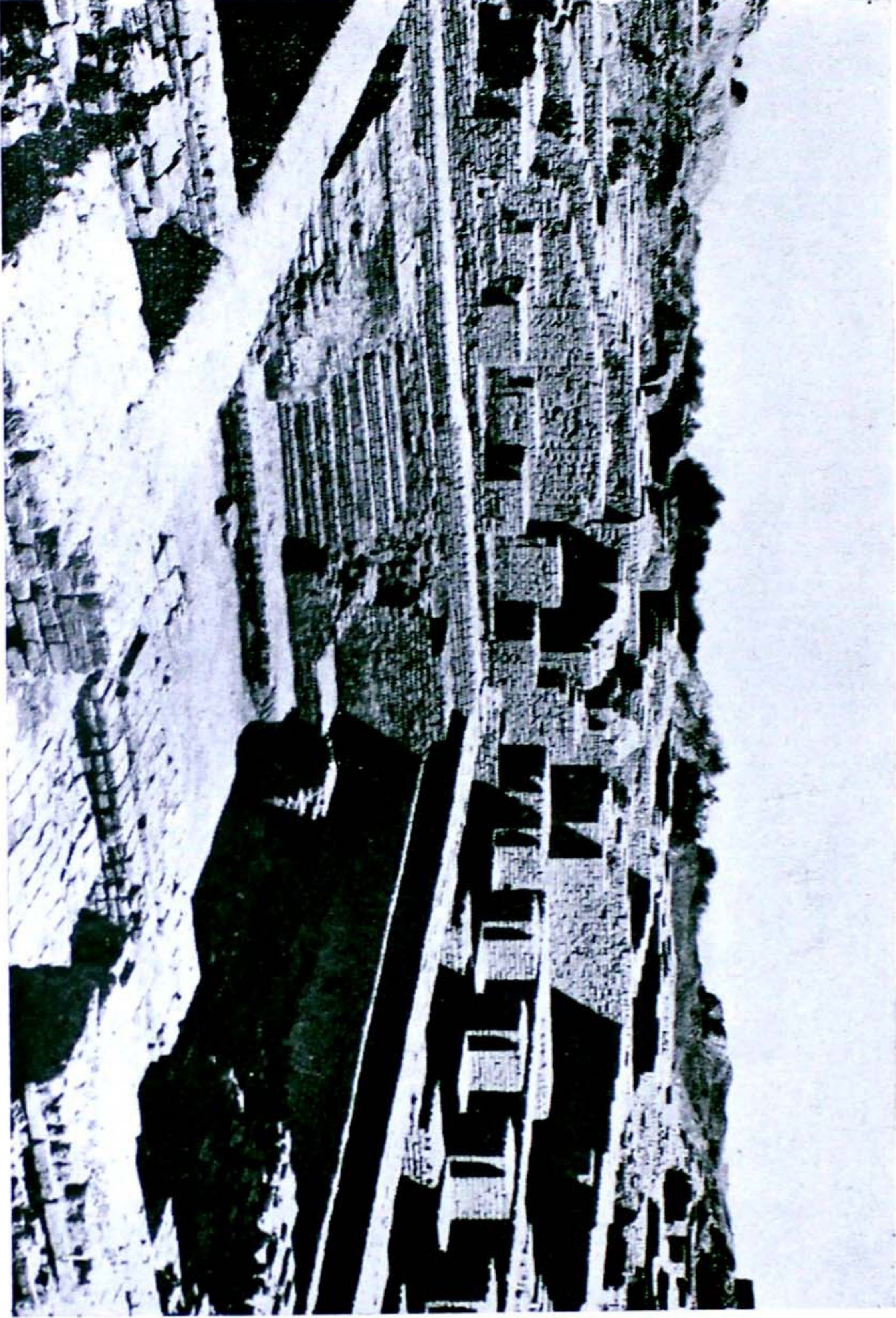
گھروں کا گندہ پانی یا بارش کا پانی نالیوں میں براہ راست نہیں آتا تھا بلکہ موریوں پہلے ایک چھوٹے حوض میں گرتی تھیں جہاں کوڑا کرکٹ تہ میں بیٹھ جاتا تھا اور پانی بہ جاتا تھا۔ اس طریقہ سے بڑی نالیاں کوڑے سے پاک رہتی تھیں اور پانی کی نکاسی میں رکاوٹ نہ ہوتی تھی۔ ان

پلیٹ نمبر ۱ - سوہنجو دارو - کھدائی سے پہلے

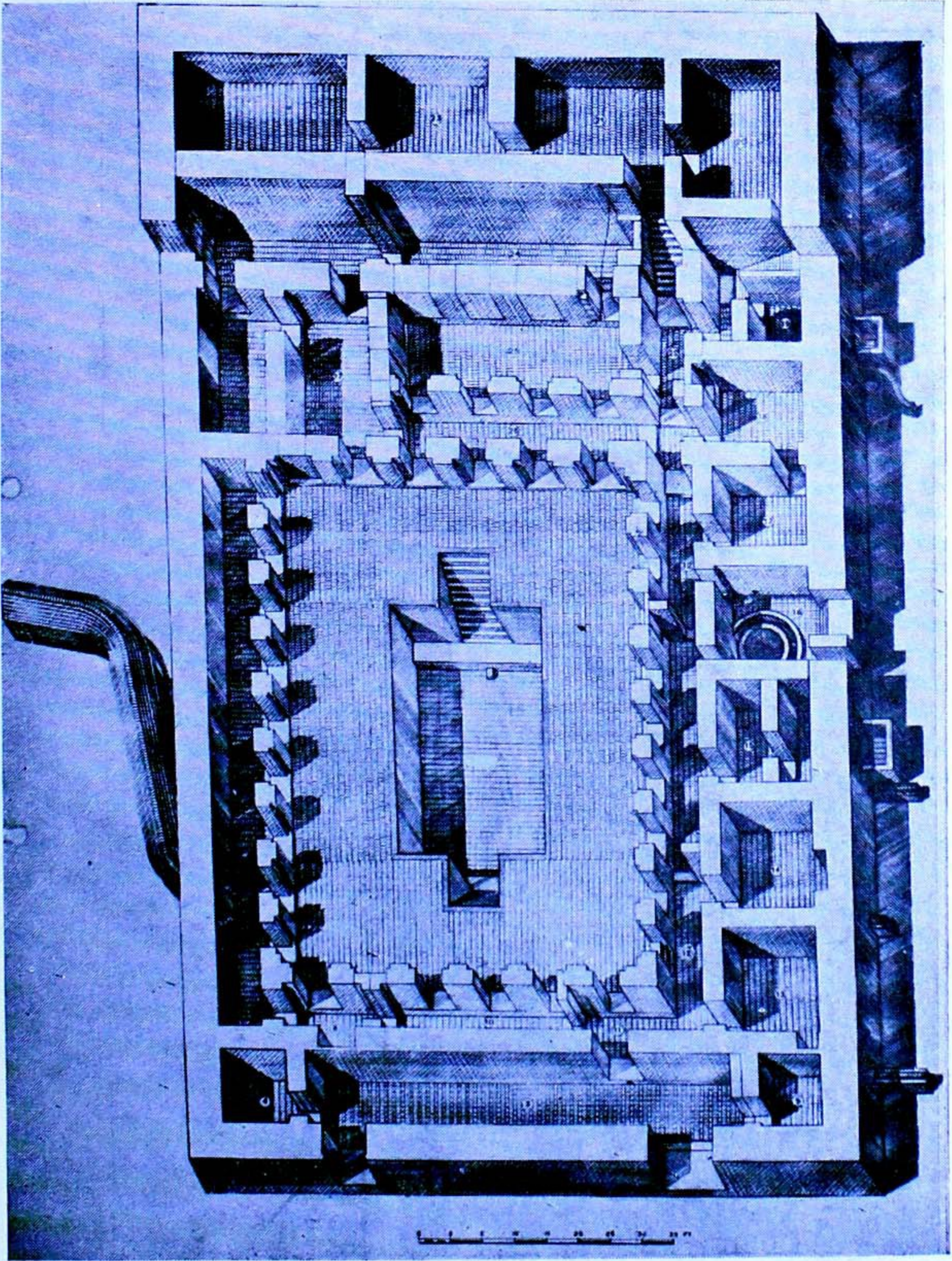




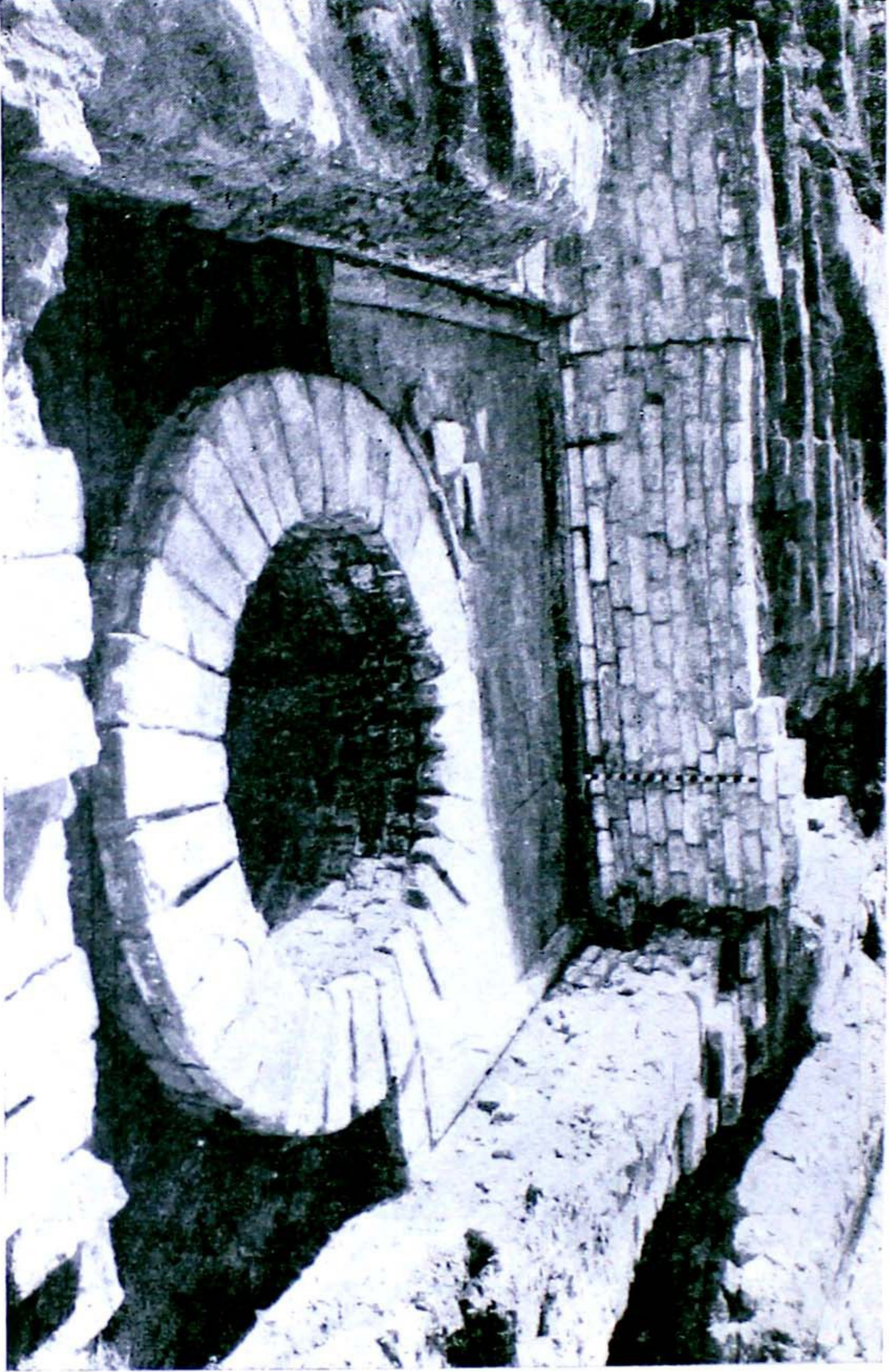
پلیٹ نمبر ۳ - الف - موہنجودارو - اسٹوپہ



پہلیک نمبر ۳ - ب - سوہنجود ارو - بڑا حوض



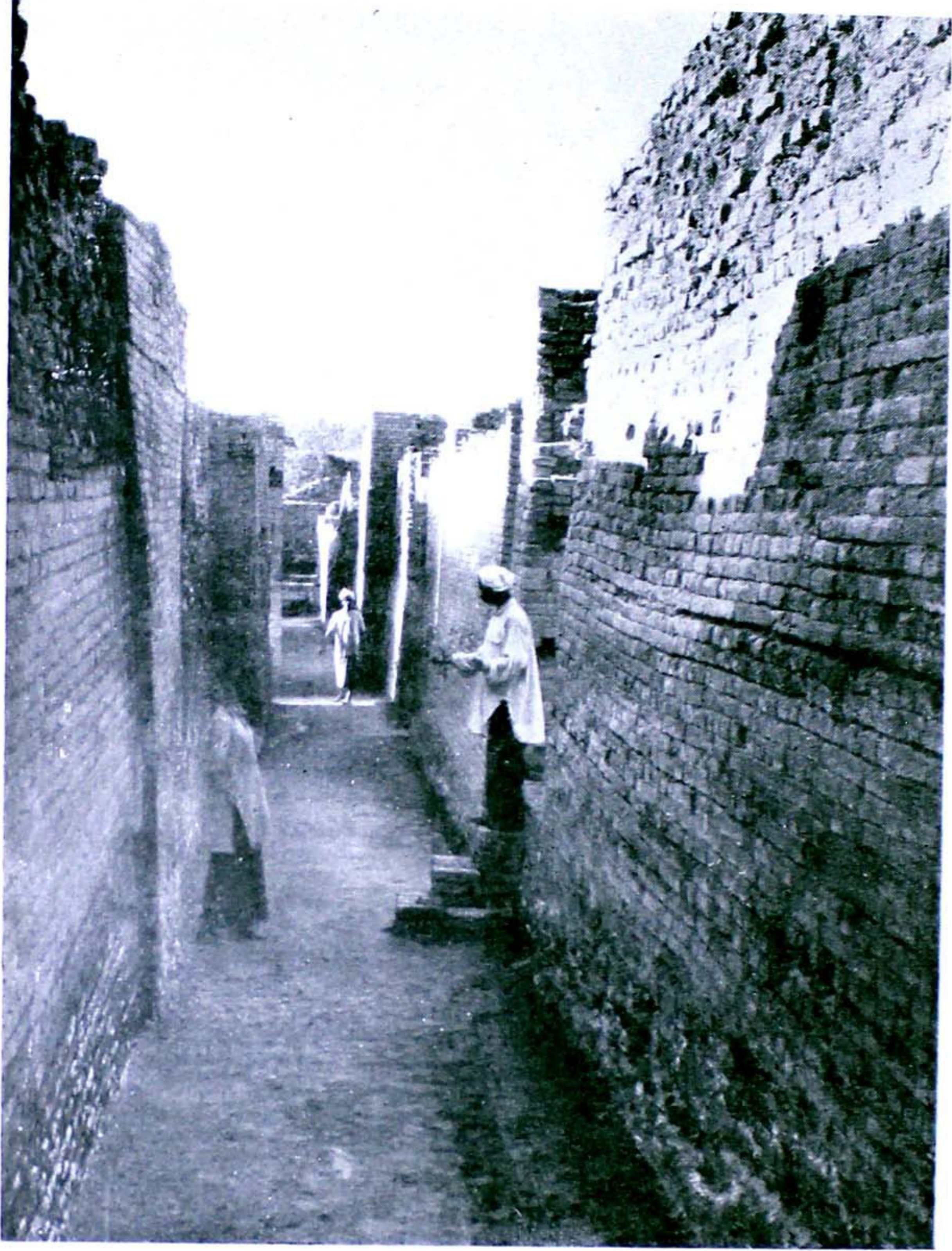
موهنجودارو - بڑے حوض کا نقشہ



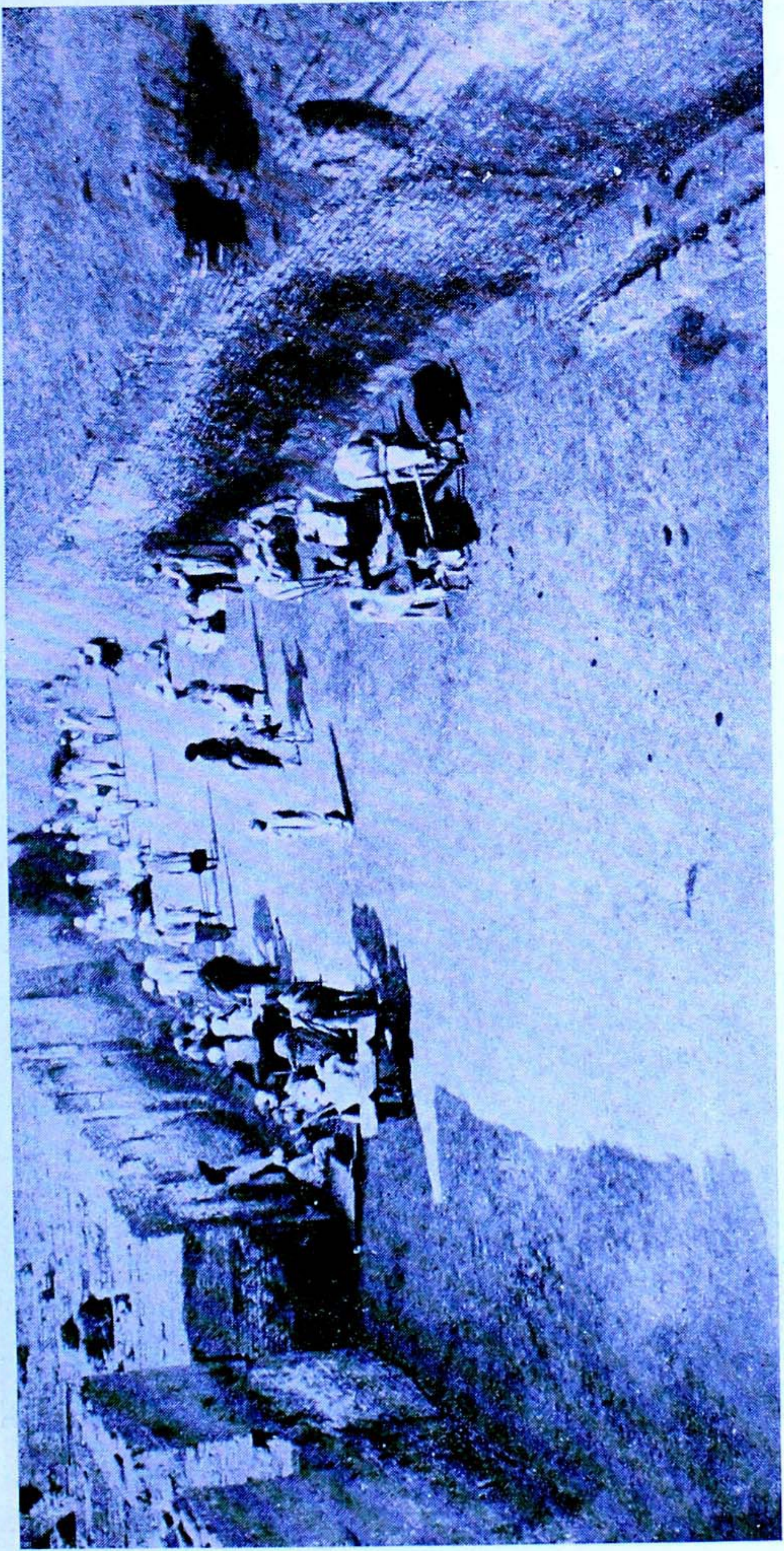
پلیٹ نمبر ۳ - الف - مومنجودارو - کنواں



پلیٹ نمبر ۳ - ب - موہنجودارو - ایک کنواں جو سطح زمین
بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اونچا کیا جاتا رہا



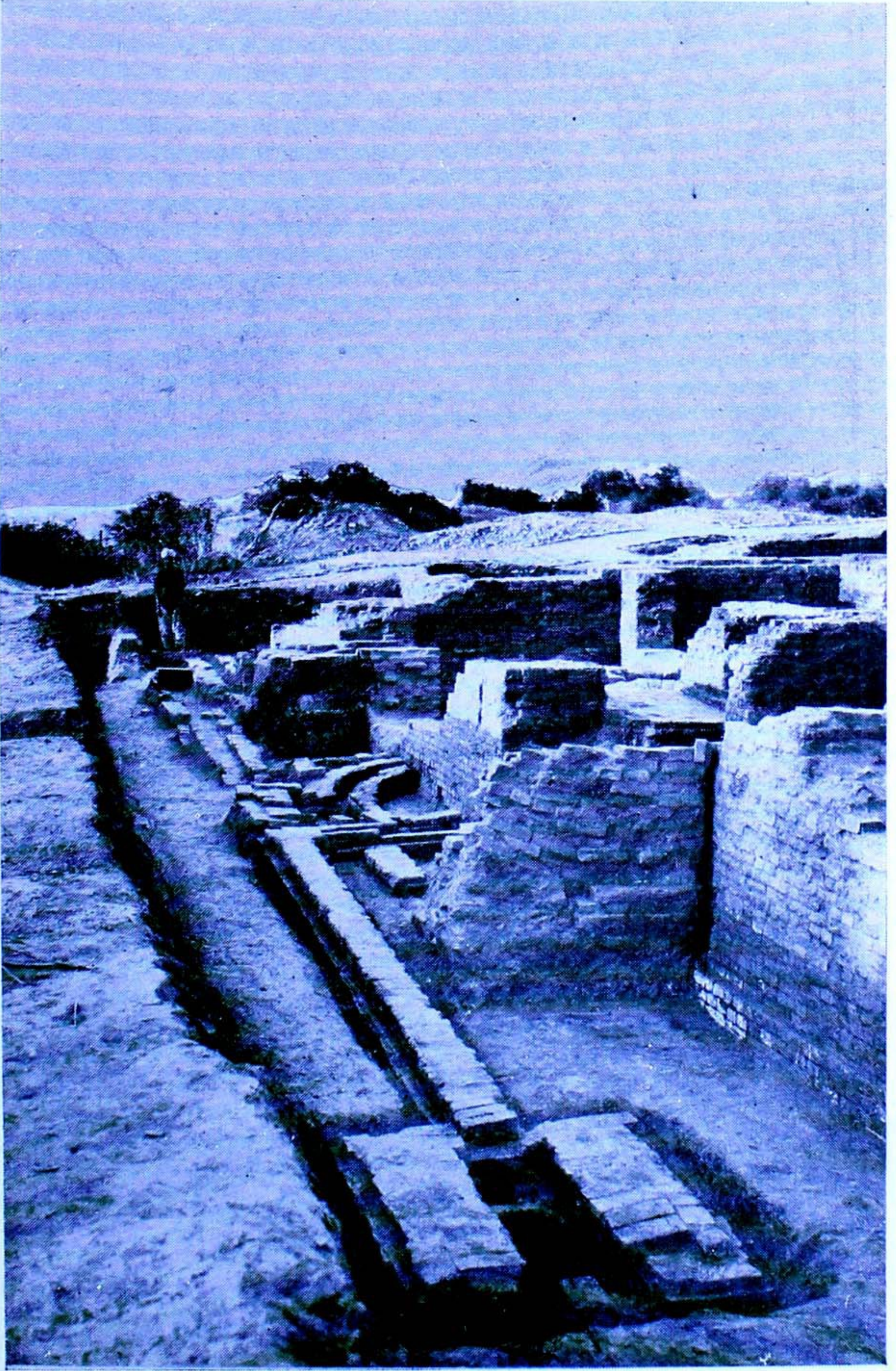
پلیٹ نمبر م - الف - موہنجودارو - ایک گلی



پلیٹ نمبر ۴ - ب - موہنجودارو - شاہراہ اول



پلیٹ نمبر ۵ - الف - سوہنجو دارو - ایک زینہ



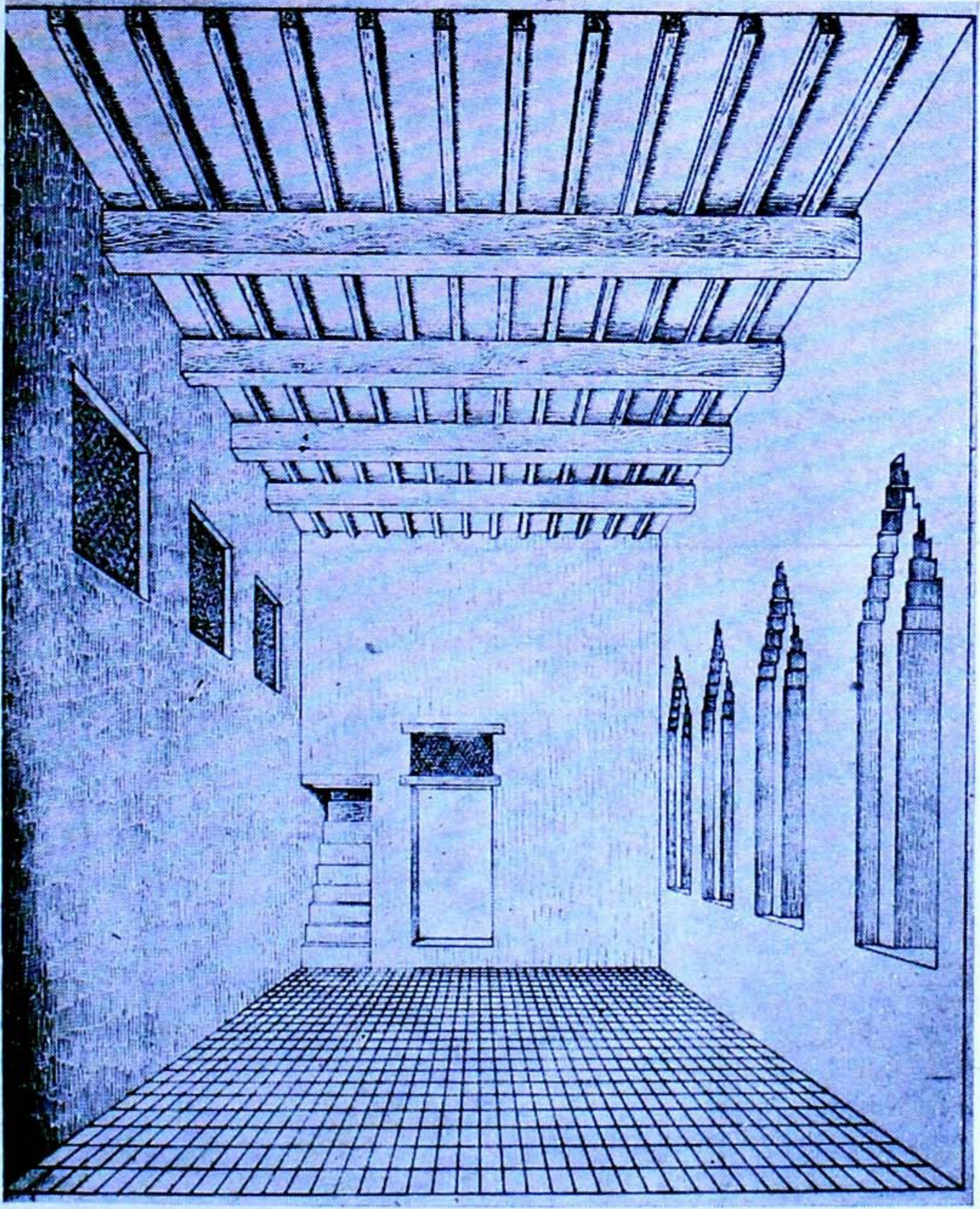
پلیٹ نمبر ۵ - ب - موہنجودارو - ڈھکی ہوئی مورتیاں اور چہ بچہ

پلیٹ نمبر ۶ - ب - گندہ پانی جذب کرنے کا مشکا



پلیٹ نمبر ۶ - الف - موہنجودارو - گندے پانی کی نکاسی کے مٹی کے پائپ اور بندھ موریوں





سوہنجودارو کے ایک خیالی کمرے کا خاکہ

حوضوں کو برابر صاف کیا جاتا تھا۔ بعض مکانوں کے رہنے والے جو گندے پانی کے لئے حوض نہیں بنوا سکتے تھے سوریوں کے منہ پر مٹی کے بڑے گھڑے دفن کر دیتے تھے جسمیں غلاظت جمع ہو جاتی تھی ان مٹکوں کے پیندوں میں سوراخ ہوتا تھا جس سے دھیرے دھیرے پانی زمین میں جذب ہوتا رہتا تھا۔ (پلیٹ نمبر - ۶ ب)

بعض لمبی نالیوں میں تھوڑی تھوڑی دور پر پختہ اینٹوں کے چہ بچے بنائے گئے ہیں۔ ان میں اترنے کیلئے باقاعدہ زینے ہیں جنکو لکڑی کے موٹے تختوں سے پاٹ دیا جاتا تھا ان کی سطح برابر یا اس سے کچھ نیچی رکھی جاتی تھی ان حوضوں کو بڑی آسانی سے صاف کیا جا سکتا تھا اور انکے اندر کھڑے ہو کر ان نالیوں کو جنکا پانی انہیں گرتا تھا نہایت آسانی سے کسی بانس یا لکڑی سے صاف کیا جا سکتا تھا (پلیٹ نمبر ۵ - ب) اس قسم کی صفائی کا انتظام غالباً بلدیہ کے داروغہ صفائی کی نگرانی میں ہوتا تھا۔

جن مقامات پر نسبتاً اونچی سطح پر بہتی ہوئی نالی کسی دوسری نشیب میں بہنے والی نالی سے ملتی تھی وہاں ایک چھوٹا سا حوض بنایا جاتا تھا تاکہ نالی کا پانی دوسری نالی میں اوپر سے نیچے گرنے کی بجائے اس حوض میں گرے اور چھینٹیں نہ اڑیں جس سے قریب کی زمین گیلی نہ ہو اور گندگی نہ پھیلے۔ جہاں کہیں ایک نالی دوسری نالی سے ملتی ہے وہاں زاویہ قائمہ یا عمودی شکل میں ملنے کے بجائے

نالیوں میں گولائی پیدا کر دی گئی ہے تاکہ پانی کا زور کم ہو جائے (پلیٹ نمبر ۵-ب) شہر کے باہر ایسی زمین دوز بد رویں بنائی گئی ہیں جن سے شہر کا پانی باہر نکلتا تھا۔ انہیں سے بعض بعض توڑھائی فٹ چوڑی اور ۴ یا پانچ فٹ اونچی ہیں اور وادی 'سندھ' کے قدیم باشندوں کی اعلیٰ تعمیری صلاحیتوں کی غمازی کرتی ہیں۔

غسل خانے

وادی 'سندھ' کے لوگ غسل کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اور غالباً روزانہ نہانے کے عادی تھے۔ چنانچہ یہاں کے تقریباً ہو مکان میں غسل خانے بنے ہوئے تھے جنکے بنانے میں خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ غسل خانے بیرونی گلی کی سمت میں بنائے جاتے تھے اور مربع یا مستطیل ہوتے تھے ان کے فرش پختہ اور انکا ڈھلوان بیرونی دیوار کی جانب ہوتا تھا۔ انکی نالیاں سٹرک کی نالیوں سے ملتی تھیں۔ بعض مکانات میں بالائی منزل سے نیچے کی منزل تک گندا پانی نکلنے کیلئے سٹی کے بنے ہوئے پختہ گول پائپ لگے ہوئے ملتے ہیں (پلیٹ نمبر ۶-الف) ممکن ہے کہ اوپر کی منزلوں میں بھی غسلخانے ہوتے ہوں۔

حمام

موہنجودارو میں بعض ایسی عمارتیں بھی پائی گئی ہیں جن پر حمام ہونے کا گمان ہوتا ہے ان عمارتوں کی دیواروں میں جابجا ایسے نل لگے ہوئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انکے ذریعے گرم پانی پہنچایا جاتا ہوگا۔ ان عمارتوں کے اندر راکھ اور کوئلہ بھی برآمد ہوا ہے جس سے اس قیاس کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ عمارتیں حمام کا کام دیتی ہوں گی لیکن حمام کی موجودگی یقینی طور سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔

مندرجہ بالا شواہد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وادی سندھ کے لوگوں نے قصباتی منصوبہ بندی اور فن تعمیر میں کافی ترقی کی تھی کیونکہ اس تہذیب کی بربادی کے بعد تقریباً ایک یا ڈیڑھ ہزار سال تک براعظم ہند و پاکستان میں نہ تو ایسی شاندار عمارات ہی بنائی گئیں اور نہ ہی ایسی با سلیقہ بلدیاتی منصوبہ بندی کی گئی لیکن فطری طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فن تعمیر میں ان لوگوں کو یہ کمال کیسے حاصل ہوا۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہاں ان سے پہلے کوئی اور مہذب قوم آباد تھی جس سے یہ تعمیری ورثہ انہیں ملا اور جس کو انہوں نے ترقی دی کیونکہ موجودہ

تحقیق نہ تو کسی ایسی قوم کا ہی پتہ دیتی ہے اور نہ ہی کسی ایسے تہذیبی ورثہ کا جو ہمیں اس سلسلے میں مطمئن کر سکے۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قصباتی منصوبہ بندی اور فن تعمیر کی یہ معراج وادی سندھ کے ان قدیم فرزندوں کے صدیوں کے تجربوں اور پیہم سعی و عمل کا نتیجہ تھی البتہ اس بات کا بڑی کاوشوں کے بعد پتہ چلے گا کہ ان کی یہ کوششیں کب اور کس طرح دوسرے علاقوں میں پہنچیں اور آنے والی نسلوں نے ان سے کس حد تک استفادہ کیا۔

صنعت و حرفت

کوزہ گری
تابے اور کالنے کے ظروف
اسلحہ اور اوزار
سنگ تراشی
مہریں
دوسری صنعتیں
منکے

کوزہ گری

مٹی کے ٹھیکرے جو عام لوگوں کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے آثار قدیمہ کے ماہرین کے لئے حروف تہجی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ٹھیکروں ہی سے غیر تحریر شدہ دور کی تاریخ کی تدوین کی جاتی ہے۔ انکی ساخت، نقاشی، پختگی، اور موٹائی غرضیکہ ہر خصوصیت پرانی تہذیب کے ایک خاص دور کی آئینہ دار تسلیم کی جاتی ہے۔ مشرق قریب کی قدیم بستیوں سے دریافت شدہ ٹھیکریاں ان تہذیبوں کے مختلف ادوار اور دوسری تہذیبوں سے رابطہ، مناسبت، اور طرز معاشرت میں امتیازات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

خوش قسمتی سے وادی سندھ کے لوگوں نے ظروف گلی کی شکل میں بہت زیادہ مواد چھوڑا ہے جو ان کے رہن سہن

اور طریق زندگی کی غمازی کرتا ہے انکی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ بعض مخصوص حالات کے علاوہ ظروف گلی جس مقام پر دریافت ہوتے ہیں کم و بیش وہیں بنائے بھی جاتے ہیں اور اپنے عہد کی صحیح عکاسی کرتے ہیں دوسری باقیات یا تو حملہ آور لوٹ کھسوٹ کر اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں یا خزانہ تلاش کرنے والوں کی نذر ہو جاتی ہیں لیکن ظروف گلی بے وقعت ہونے کی وجہ سے کم و بیش اپنے مقام پر ہی پڑے رہتے ہیں اور انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ موہنجودارو میں ظروف گلی اس کثرت سے دریافت ہوئے ہیں کہ خیال ہرتا ہے کہ شاید یہاں کے لوگوں کو انکے بنانے اور توڑنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا۔

موہنجودارو اور ہڑپہ کی کوزہ گری میں زبردست مماثلت ہے۔ اگر ان دونوں مقامات سے دریافت شدہ خذف ریزے ایک جگہ جمع کئے جائیں تو یہ امتیاز کرنا تقریباً ناممکن ہوگا کہ کون سا ٹکڑا ہڑپہ کا ہے اور کونسا موہنجودارو کا ہے۔ یہ سب دریائے سندھ کی لائی ہوئی اس چکنی مٹی کے بنے ہوئے ہیں جسمیں چونے اور ابرق کے اجزا چھوٹے چھوٹے ذرات کی شکل میں شامل ہیں۔ یہ برتن کمہار کے چاک پر بنائے گئے ہیں لیکن بعض بعض برتن ہاتھ کے بنے ہوئے بھی ہیں۔ یہ چاک چونکہ لکڑی کے بنے ہوئے تھے اس لئے

تلف ہو گئے البتہ وہ بھٹیاں کھدائی میں دریافت ہوئے ہیں جنمیں مٹی کے برتن کھلونے اور دوسری چیزیں پکائی جاتی تھیں۔ ان گول بھٹیوں کا قطر چھ یا سات فٹ ہے انکے نیچے ایسی نالیاں بنائی گئی ہیں جن سے ہوا اندر جا کر آگ بھڑکتی تھی۔ فرش پر سوراخ ہوتے تھے۔ جسپر برتن جمادئے جاتے تھے اور فرش کے نیچے ایک گڑھے میں آگ لکائی جاتی تھی۔ دھواں نکلنے کے لئے بھٹی کے اوپر ایک سوراخ ہوتا تھا آنچ ہموار رکھی جاتی تھی جسکی وجہ سے برتنوں پر بعض جگہ زیادہ پکنے سے سیاہ یا کم پکنے سے زرد یا ہلکے سرخ رنگ کے دھبے نہ پڑتے تھے بلکہ انکی سطح خوبصورت سرخ رنگ کی ہوتی تھی۔ چاک پر برتنوں کو بنانے اور سکھانے کے بعد اورچ (ایک قسم کی مٹی جسمیں لوہا ملا ہوا ہوتا ہے اور جس سے ہلکا بادامی رنگ بنتا ہے) سے رنگائی کی جاتی تھی رنگ سوکھنے پر ہڈی یا برتن کے ٹکڑے سے گھٹائی کر کے سطح چکنی کی جاتی تھی۔ پھر کسی برش سے نقاشی کی جاتی تھی۔ یہ نقش گہرے سیاہ یا سیاہی مائل سرخ مصالحے سے بنائے جاتے تھے۔ اس زمانہ کی سب سے پسندیدہ ڈیزائن ایسے دائروں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے کو چار مقامات پر کاٹتے ہیں اور اسطرح انپر پتیاں سی بن جاتی ہیں۔ ان پتیوں کے اندر نہایت احتیاط سے متوازی خطوط کھینچے گئے ہیں اور بہت دیدہ زیب

معلوم ہوئے ہیں۔ لیکن یہ دائرے چونکہ کسی پرکار یا دوسرے اوزار کی مدد کے بغیر ہاتھ سے کھینچے گئے ہیں۔ اسلئے اکثر بھدے اور غیر واضح ہیں دوسری وضع ایسے درختوں پر مشتمل ہے جنکی جڑیں گملوں میں دکھائی گئی ہیں۔ درختوں کے بین بین دوسرے نقوش ہیں لیکن احتیاط سے بنے ہوئے برتنوں کو چھوڑ کر عام طریقہ پر یہ درخت سیدھی کھڑی لکیروں کی شکل میں ہیں جنپر لکیریں کھینچ کر شاخیں بنائی گئی ہیں۔ بعض نقوش میں نکلتے ہوئے سورج کی شکل ایسے گول کنگھے کی طرز پر بنائی گئی ہے جسکے دندائے باہر کی جانب ہوں۔ یہ دندائے گویا سورج کی کرنیں ہیں۔ اسی طرح جانوروں، چڑیوں، سانپوں اور مچھلیوں کی تصویریں بھی بنائی گئی ہیں۔ جانوروں کے خاکے کے اندر خوبصورتی کے خیال سے لکیریں کھینچی گئی ہیں عام طور پر جانور اور پرندوں کو انکے فطری ماحول میں یعنی جانوروں کو گھاس پر اور چڑیوں کو جھاڑیوں یا درختوں پر دکھایا گیا ہے ایک برتن پر دو چڑیاں جھاڑیوں کے درمیان پھدکتی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔ چند برتنوں پر ہرن اور پہاڑی بکرے کی تصویریں بھی بنائی گئی ہیں۔

ہڑپہ سے دریافت شدہ ایک برتن پر ایک آدمی اور بچے کی تصویر کے علاوہ کسی اور برتن پر انسانی اشکال کی تصویر کشی نہیں کی گئی اسی طرح

انسانی جسم کے اعضا کی تصویریں بھی کمپن نظر نہیں آتیں البتہ چند ایسے بیضاوی نقوش پائے جاتے ہیں جنکو آنکھوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس اسی عہد میں ایلام اور سمیری کوزہ گری میں انسانی اشکال کی تصویر کشی کی بھرمار ہے۔ اسکے علاوہ شطرنجی (جسمیں چوکور خانے کھینچے جاتے ہیں) مثلث نما نقاشی اور دندانے دار نقوش بھی اکثر و بیشتر برتنوں پر ملے ہیں چند برتنوں میں متذکرہ بالا نقوش کے بجائے گولائی سے چوڑی اور چپٹی پٹیاں ڈالی گئی ہیں۔ بعض برتنوں پر ایک دوسرے سے ملے ہوئے بیضاوی دائرے بنائے گئے ہیں۔ یہ دائرے ایک دوسرے سے ملکر ایسی شکلیں بناتے ہیں گویا فلس ماہی کی تصویر اتاری گئی ہو۔ چند چوڑی پٹیوں کے اندر برقی نما کٹاؤ دار لکیریں یا گول اور بیضاوی دائروں کی زنجیریں بنائی گئی ہیں۔ یہ نقاشی برتن کے ہر حصہ پر نہیں کی جاتی تھی بلکہ برتن کا وہ حصہ جو پیندے کے قریب گولائی میں ہونے کیوجہ سے نظر نہیں آتا یا جو زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا سادہ ہوتا تھا۔ چھوٹے برتنوں کے بیچ میں یا گردن کے قریب ایک چوڑی پٹی ہوتی تھی جسکے اوپر اور نیچے پتلی پٹیاں ہوتی تھیں بڑے برتنوں پر عموماً اور سامان رکھنے والے مٹکوں پر خصوصاً سیاہ یا سیاہی مائل چوڑی افقی پٹیاں ڈالی گئی ہیں جو پیندے کو چھوڑ کر تقریباً سارے برتن پر بنائی جاتی تھیں۔

برتنوں پر چمکدار سرخ رنگ کی پالش نہ صرف خوبصورتی کے لئے کی جاتی تھی بلکہ اسکا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ برتنوں کے مسام بند ہو جاتے تھے اور ان سے پانی نہیں رستا تھا۔ سامان رکھنے والے بڑے مشکوں کی بیرونی سطح پر پالش کے ساتھ ساتھ اندرونی حصہ میں بھی ایسے مصالحہ سے پالش کی گئی ہے جس میں رال کی آسٹریز کی جاتی تھی چند دودھیا یا ہلکے سرخ یا خاکستری رنگ کی پالش والے برتنوں پر مینگنیز کے رنگ سے نقش کاری کی گئی ہے۔

ایسے برتن کم نظر آتے ہیں جن پر دو یا تین رنگوں سے نقاشی کی گئی ہو۔ اور اس قسم کے برتنوں پر سرخ اور سیاہ رنگ برتن پکنے سے پہلے لگائے گئے ہیں اور سبز اور زرد رنگ برتن پکنے کے بعد استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ رنگ عام طور پر سفید زمین پر استعمال کئے گئے ہیں لیکن بعض بعض برتنوں میں سفیدی بھی رنگ کے طور پر استعمال کی گئی ہے۔ عام طور پر اس قسم کے برتنوں کے ٹکڑے ہی ملے ہیں اور ان پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دائروں اور درختوں کی پتیوں کی نقاشی کی گئی ہے۔ ان برتنوں اور ایلام اور سمیر کے مختلف رنگوں والے برتنوں میں کوئی مشابہت نہیں۔ کثیرالوان ظروف آمری اور نال میں بھی دریافت ہوئے ہیں لیکن ابھی انکا عہد

متعین نہیں ہو سکا۔ مسٹر ہارگریوز ان کو وادی 'سندھ سے پہلے کا، سرآریول اسٹائن بعد کا اور پروفیسر گارڈن چائلڈ وادی 'سندھ کا ہم عصر بتاتے ہیں مسٹر میکائی کا خیال ہے کہ نال اور آمری کے رنگین ظروف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے ظروف وادی 'سندھ کی تہذیب سے پہلے بنائے جاتے تھے اور وادی 'سندھ کی تہذیب کے عروج میں انکا استعمال موقوف ہو گیا تھا۔

موہنجودارو میں نقشین ظروف کی بہ نسبت سادے ظروف بہت زیادہ تعداد میں پائے گئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نقشین ظروف عام طور پر نچلی تہوں میں زیادہ ملتے ہیں جوں جوں ہم بعد کے عہد کی طرف بڑھتے ہیں ظروف سادے ہوتے گئے ہیں کچھ برتن خاکستری رنگ کی مٹی سے بنائے گئے ہیں جنپر سیاہ پالش کی گئی ہے۔ اس قسم کے ظروف سمیر میں بھی پائے گئے ہیں لیکن انکا عہد وادی 'سندھ کی تہذیب کے عہد سے قبل کا ہے۔

ان ظروف کا مطالعہ بہت سی اہم باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے مثلاً برتنوں کو رکھنے اٹھانے اور پکڑنے کے لئے دستے اور کنڈے بہت کم لگائے گئے ہیں اور اگر ہیں بھی تو چپٹے سوراخ یا کان کی لو کی شکل کے ہیں جن کو الگ بنا کر برتنوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔ بابل میں دریافت شدہ ٹونٹی دار ظروف کی طرح کے برتن وادی 'سندھ میں دریافت نہیں ہوئے

البتہ چند ایسے چھوٹے ٹونٹی دار برتن ملے ہیں جو بچوں کو دودھ پلانے کے کام آتے ہوں گے اسی عہد اور اسی قسم کے برتن سمیر میں بھی پائے گئے ہیں۔ یہاں کانسرے اور مٹی کی ایسی سرمہ دانیاں بھی دریافت ہوئیں ہیں جنکے منہ بہت تنگ ہیں ان کے علاوہ چند آدھے انچ اونچے مٹی یا پتھر کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے برتن بھی ملے اور خیال ہے کہ ان میں خوشبودار تیل رکھا جاتا ہوگا اسی طرح مٹی کی بنی ہوئی ایسی کشتیاں دریافت ہوئی ہیں جن میں خانے بنے ہیں قیاس کیا جاتا ہے کہ ان میں کھانا کھاتے وقت اچار وغیرہ رکھے جاتے ہوں گے۔ ان کشتیوں میں چھوٹے چھوٹے دستے بھی لگے ہوئے ہیں وادی سندھ میں استعمال ہونے والے برتنوں کے پیندے چپڑے اور ہموار ہوتے تھے۔ مشروبات کے لئے استعمال کئے جانے والے برتنوں کے پیندے یا تو نوکیلے ہوتے تھے یا ان میں لٹو جیسی گول گھنڈیاں لگی ہوتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گلاس یا آبخورے استعمال کے بعد اوندھے منہ رکھے دئے جاتے ہوں گے۔ بعض بعض بڑے مٹکوں کے پیندے بھی نوکیلے ہوتے تھے جن کو یا تو گھڑونچی پر رکھا جاتا تھا یا زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح بڑے مٹکے سامان رکھنے کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے اور بعض نعمت خانے کا کام دیتے تھے۔ کچھ ایسے برتن ہوتے تھے جن میں زیورات رکھ کر

زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا جو لوگ گندے پانی کے حوض بنوانے کی استطاعت نہ رکھتے تھے مٹی کے مٹکے بدروؤن کے سرے پر دفن کر دیا کرتے تھے مسوپٹامیہ میں گھڑوں کے پیندوں میں سوراخ کر کے ان کو ایک دوسرے پر رکھ کر اوپر کی منزل کا گندا پانی نیچے لایا جاتا تھا موہنجودارو میں اس مقصد کے لئے مٹی کے گول پائپ استعمال کئے گئے ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۶ الف) یہ طریقہ وادی سندھ کے لوگوں کے زیادہ ترقی یافتہ ہرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک جگہ بہت سے آبخوری جیسے برتن دریافت ہوئے ہیں یہ آبخوری بہت بڑے ہیں اور آسانی سے ایک ہاتھ میں پکڑے نہیں جا سکتے ان کے پیندے نوکیلے ارر پیٹ کافی بڑے ہیں اس لئے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ شاید رھٹ یا پرشین وہیل کی قسم کی چرخوں کے ذریعہ کنوؤں سے پانی نکالنے کے کام آتے ہوں۔

چند ایسے ظروف بھی ملے ہیں جن کی بیرونی سطح پر گول دانے یا گھنڈیاں ابھاری گئیں ہیں اس قسم کے برتن بالائی عراق اور تل الاسمرنا میں بھی پائے گئے ہیں اور ان دونوں ممالک اور وادی سندھ کی تہذیبوں کے رابطہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔

یہاں لا تعداد آرتی تھالے بھی ملے ہیں جو تین انچ سے لے کر دو فٹ تک اونچے ہیں یہ شباہت میں کش سے دریافت شدہ آرتی تھالوں سے بڑی مماثلت رکھتے ہیں البتہ ان

میں سرخ زمین پر سیاہ پتیوں کے علاوہ کوئی دوسری نقاشی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ دو حصوں میں بنائے جاتے تھے جن کو بعد میں جوڑ دیا جاتا تھا قیاس کیا جاتا ہے کہ آرتی تھالوں پر لوگ پھول، پرشاد اور دوسری چیزیں رکھ کر دیوتاؤں کے نذر کیا کرتے ہوں گے۔

برتنوں کے علاوہ مٹی سے اور بہت سی چیزیں بھی بنائی جاتی تھیں مثلاً مٹی کے دو چوھے دان بھی ملے ہیں اس کے علاوہ مٹی کا پنجرہ بھی دریافت ہوا ہے۔ اس طرح سے مٹی کے پہئے - سوت کا تنے کے تکلے - چوڑیاں - دیوی دیوتاؤں - انسانوں اور جانوروں کے مجسمے بھی بنائے جاتے تھے۔

الغرض ہڑپہ اور موہنجودارو میں وہ تمام ظروف ملے ہیں جو کسی ایسی آبادی کے لئے سوچے جاسکتے ہیں جس کے باشندے سادگی پسند ہوں۔ چنانچہ طرح طرح کے گلدان، آبخورے، کٹورے، صراحیوں، تشریاں، تسلیے، ہانڈیاں، سامان رکھنے کے سٹکے غلہ بھرنے کی کھٹلیاں آرتی تھالے، ناندیں وغیرہ کافی تعداد میں پائے گئے ہیں اور ان سادے برتنوں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بنانے والے اس فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے کہ یہ کہاں انہیں کتنے عرصے میں اور کن کن مدارج طے کرنے کے بعد حاصل ہوا ہو گا کیونکہ ابتدائی

نمونے جو یقینی طور پر بھدے اور بد وضع ہونے چاہئے تھے اب تک دریافت نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس نچلی تمہوں سے دریافت شدہ ظروف بالائی تمہوں سے ملنے والے ظروف سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط ہیں ان ظروف میں کوئی ایسی جدت یا انفرادیت نظر نہیں آتی جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کون سی وضع اور کون سا نمونہ کب اور کس دور میں بنایا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک یہ فن اور اس کی تکنیک کم و بیش جاری رہی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ صنعت روبہ انحطاط رہی ہے تو زیادہ مناسب ہو گا غالباً اس فن کی ترقی اور عظمت کا زمانہ بہت پہلے گذر چکا ہوگا اور ہم جس عہد کی تہذیب کے انکشاف سے اچانک روشناس ہو گئے ہیں اس سے قبل بھی کوئی عہد اس سر زمین پر ترقی اور عروج کا گزر چکا ہو گا۔

تانبا اور کانسے کے ظروف

وادی سندھ کے مکین سونا، چاندی، رانگا، تانبا اور کانسے کے استعمال سے واقف تھے۔ ان معدنیات میں تانبا سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا تھا اور موہنجودارو اور ہڑپہ کے زیرین حصوں سے جو اس تہذیب کے قدیم ترین دور کے مظہر ہیں، تانبا اور کانسے کی بنی ہوئی لا تعداد چیزیں ملی ہیں جو گھریلو استعمال کے برتنوں، کلمہاڑیاں، خنجر، چاقو، برچھے، کٹار، تیر، درانتی، مجسمے، چوڑیاں، انگوٹھیاں، کانوں کے آویزے، تار، چھڑوں وغیرہ

پر مشتمل ہیں۔ تانبے کے علاوہ کانسے کے ہتھیار بھی ان لوگوں نے بنائے۔ لیکن یہ بات ابھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ کانسے اور تانبے کی دریافت وادی سندھ کے باشندوں کی ذاتی محنت و کوشش کا نتیجہ تھی یا انہوں نے اس کا استعمال دوسری قوموں سے سیکھا تھا۔

مصر میں تانبا قبل فراغ عہد میں مستعمل تھا اور سمیر والے بھی تانبے سے واقف تھے اور آر نینا¹ کے عہد حکومت سے قبل (تقریباً . . ۲۹۰۰ ق-م) یہ لوگ تانبا گلا کر برتن بناتے تھے۔ تلو² اریدو³ اور ال عبید⁴ سے دریافت شدہ باقیات سے بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ لوگ تین ہزار قبل مسیح میں کانسے سے واقف تھے اور تقریباً اسی عہد میں تانبا اور کانسا وادی سندھ میں بھی مستعمل تھا۔ اسی عہد میں اہل بابل بھی تانبا اور کانسا استعمال کرتے تھے۔ سوس کی ابتدائی تہوں میں بھی تانبا دریافت ہوا ہے لیکن کریٹ میں کانسے کا عہد مصر سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ قبرص میں تقریباً ۲۲۱۱ ق-م۔ تک صرف تانبا مستعمل تھا اس کے بعد کانسے کا دور شروع ہوا۔ ان شواہد کی بنا پر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے قدیم ترین تہذیبی مراکز میں تانبے کا استعمال لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھا اور وہ اپنی ضروریات زندگی کی مختلف اشیاء اس قیمتی دھات سے بناتے تھے۔ تانبا سندھ میں پیدا نہیں ہوتا

1 Ur-Nina 2 Tello 3 Eridu 4 Al-Ubaid

البتہ سندھ کے مغرب میں بلوچستان میں شاہ بلاول¹ اور رباط² میں ملتا ہے۔ ان مقامات پر آج بھی دھات کے اس میل کے جو کچی دھات کو صاف کرنے میں نکلتا ہے ایسے تودے ملتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم میں یہاں سے تانبا نکالا گیا ہے اس کے علاوہ راس کوہ اور کوچک اماران میں بھی تانبا ملتا ہے اور افغانستان میں شاہ مقصود رینج ایران میں کر، ان اور ہندوستان میں اجمیر کے قریب سروہی میواڑ اور جے پور میں تانبا ملتا ہے۔ وادی سندھ کے بہت سے برتنوں میں تانبے میں قلعی کی آمیزش پائی گئی ہے۔ بلوچستان اور افغانستان سے حاصل شدہ تانبے میں بھی قلعی ملی ہوئی ہے جس سے یہ اندازہ لگا گیا ہے کہ وادی سندھ کے لوگ کسی نہ کسی مقدار میں یہاں سے تانبا حاصل کیا کرتے تھے۔ اس طرح ہندوستان میں ہزاری باغ اور شمال مغربی ایران کے ضلع کاراداغ³ اور افغانستان کے جنوب مغرب میں وارنگیانہ اور خراسان میں قلعی ملتی ہے۔ ہزاری باغ کی کانوں میں قلعی بہت کم ہوتی ہے اور مقامی ضروریات کو ہی کافی نہیں ہوتی۔ پھر پرانے زمانے میں وہاں اسقدر گھنے اور دشوار گزار جنگل رہے ہونگے کہ ان کے اندر سے قلعی نکال کر لانا تقریباً ناممکن ہوگا اس لئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وادی سندھ کے مکین شمال مغربی ممالک سے قلعی درآمد کرتے ہونگے۔

عہد قدیم میں شمالی ایران اور مغربی افغانستان درہ بولان کے ذریعہ وادی سندھ سے ملے ہوئے تھے ان علاقوں

1 Shah Bellaval 2 Rebat 3 Kara Dagh District

میں تانبا گلایا جاتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ اتفاقاً طور پر تانبہ اور ٹین کی ملی جلی خام دھات گلانے سے کانسے کی دریافت ہوئی ہو جو درہ بولان کے ذریعہ وادی سندھ لائی گئی ہو۔ اس سلسلے میں یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ وادی سندھ سے دریافت شدہ چاقو اور خنجر سوسا اور اناو سے برآمد شدہ چند چاقوؤں اور خنجروں سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں^۱۔

قلعی یا گلٹ کی آمیزش سے تانبا سخت ہی نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے ڈھالنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ موہنجودارو میں جو کانسہ پایا گیا ہے اس میں عام طور پر نو یا دس فیصدی قلعی کی آمیزش ہے اس طرح کانسے کے چند جسموں میں چھبیس فیصدی قلعی کی آمیزش ہے۔ یہ تانبا بھٹیوں میں گلایا جاتا تھا اور کھدائی میں ایسی چند بھٹیاں ملی ہیں جن میں سے فلز اور دھات کے ڈلے ملے ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب کو کانسے کے عہد کی تہذیب کہا جاتا ہے کیونکہ اس عہد میں ضروریات زندگی کے تمام اوزار اور ظروف عام طور پر کانسے کے بنائے جاتے تھے۔ یہاں تانبے اور کانسے کے بنے ہوئے مختلف سائز اور شکل کے برتن مثلاً گلدان، پیالے، تشتریاں، ہانڈیاں (جن میں بعض کے ڈھکن بھی ہیں) دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں

1 Marshall—Mohenjodaro, Vol II., P. 484,

بعض برتن ڈھالے گئے ہیں لیکن بیشتر پیٹ کر بنائے گئے ہیں۔ ان کے مختلف حصوں کو جوڑنے کے لئے کیلیں (ریوٹ) لگائی گئی ہیں۔ صرف ایک برتن کے دستے کو ریوٹ اور ٹانگے دونوں سے جوڑا گیا ہے۔ ان برتنوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں تانبے یا کانسے کے ظروف جہاں نہ جاتے تھے۔ سونے اور چاندی کی چیزیں البتہ جہاں کر جوڑی گئی ہیں۔ تانبے اور کانسے کے برتن بہت سادہ ہیں اور کم و بیش مٹی کے برتنوں کی طرز پر بنائے گئے ہیں ان پر کسی قسم کی نقاشی نہیں کی گئی ہے صرف ایک برتن پر ایک نالی جیسی لکیر ابھاری گئی ہے۔ ایک کڑچھے یا کڑھائی کے علاوہ کسی برتن میں نہ تو ٹونٹی لگی ہے اور نہ دستہ لگایا گیا ہے۔

اسلحہ اور اوزار

وادی سندھ کے اسلحہ اور اوزار پتھر، تانبے اور کانسے سے بنائے گئے ہیں یہ اوزار زیادہ مضبوط، اور مفید اور عمدہ نہیں ہیں اور ان سے لڑکر کوئی جنگ نہیں جیتی جاسکتی البتہ دفاع کے لئے ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے مدافعت کے خاص اسلحہ مثلاً ڈھال اور زرہ وغیرہ ابھی تک دریافت نہیں ہوئے البتہ نیزے کے پھل، کٹار، بھارے، بسولے، کلہاڑیاں، کدال، تیر و کمان، برچھے، تیشے، گرز، فلاخن کثیر تعداد میں ملے ہیں کدال دو

قسم کے دریافت ہوئے ہیں یہ یا تو لمبے اور پتلے ہیں یا چھوٹے اور چوڑے۔ بڑی کلہاڑیوں میں سے ایک کا پھل ۱۱ انچ لمبا اور وزن میں تقریباً ۳ پونڈ ۳ اونس ہے۔ اس میں دستہ ڈالنے کا سوراخ نہیں ہے بلکہ اس کا ایک سرا چپٹا اور کند ہے جس کو کسی لکڑی کے دستے سے باندھ لیا جاتا ہوگا۔ صرف ایک کدال اس قسم کی دریافت ہوئی ہے جس میں دستہ ڈالنے کا سوراخ ہے۔ یہ کدال اس لئے اہم ہے کہ دستہ ڈالنے کے سوراخ والے اوزار موہنجودارو میں بہت کم دریافت ہوئے ہیں۔ اس قسم کی ایک کدال کوہ قاف میں دریائے کوہان کے طاس سے دریافت ہوئی ہے اور شمال مشرقی ایران کے ٹیپ حصار سے دریافت شدہ کدال سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس عہد میں سمیر میں دستہ ڈالنے کے سوراخ والے اوزار کثرت سے ملے ہیں پختہ مٹی کی بنی ہوئی بچوں کے کھلونے کی شکل کی ایک دستہ دار کلہاڑی بھی جو تبر سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے موہنجودارو سے ملی تھی۔ اس قسم کی تبر نما کلہاڑیاں آجکل بھی سندھی ہاریوں کے ہاتھ میں دیکھنے میں آتی ہیں۔

انہیں انکشافات میں سے تانبے کے دو برچھے بھی ہیں۔ جن میں سے ایک ساڑھے اٹھارہ انچ لمبا ہے۔ ان برچھوں کے پھل دونوں سروں پر پتلے اور بیچ میں سے کافی موٹے ہیں۔ انکی نوک کند ہے اور جسم میں گھسیڑنے کے بجائے کسی چیز

کے تراشنے میں زیادہ کام آسکتے ہیں۔ اس عہد میں دوسرے مقامات پر شاذ و نادر ہی برجھے دریافت ہوئے ہیں۔ البتہ سرفلنڈ یرس پیٹرک¹ نے تل الاعجول² سے ایک ایسا ہی برجھا برآمد کیا تھا۔

وادی سندھ سے عجیب ساخت کے نیزے برآمد ہوئے ہیں یہ اسقدر پتلے ہیں کہ اگر ان پر زیادہ زور دیا جائے تو مڑ جاتے ہیں اسی وجہ سے ان میں ایک نالی بنائی گئی ہے جس میں تار یا لکڑی ڈال کر ان کو مضبوط کر دیا جاتا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود انکی دھار کے مڑ جانے کا خطرہ باقی رہتا تھا۔ کچھ چھوٹے لیکن چوڑے پھل ایسے بھی ملے ہیں جن کو نیزوں کا پھل قیاس کیا گیا ہے۔ ان نیزوں میں سب سے بڑا پھل پندرہ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا ہے۔ خنجر اور چاقو تقریباً ایک ہی وضع کے ہیں یعنی لمبے اور پتے کی شکل کے ہیں اور ان میں سے بعض پھلوں کے بیچ میں مضبوطی کے خیال سے ایک موٹی نس ڈالی گئی ہے یہ عموماً چپٹے ہیں اور بعض میں دستہ لگانے کے لئے سوراخ بھی ہیں۔ چاقوؤں کے پھلوں میں عموماً صرف ایک طرف دھار ہے اور دوسرا کنارہ کند ہے لیکن ایسے چاقو بھی کافی تعداد میں ملے ہیں جو پتی کی شکل کے ہیں اور جن کے دونوں طرف دھار ہے۔ ایسے چاقو غالباً کانسے کی چوڑی پٹیوں سے

1 Sir Flinders Petric

2 Tell-el-Ajjul

کاٹ کر بنائے جاتے ہوں گے بعض چاقوؤں پر بار بار دھار رکھنے کی وجہ سے ان کی نوک گھس کر گول ہو گئی ہے۔

تیروں کے پیکان بھی خاصی تعداد میں دریافت ہوئے ہیں یہ کانسے یا تانبے کے پتروں سے کاٹ کر بنائے جاتے تھے ان تیروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کمانوں کے بنانے سے بھی اچھی طرح واقفیت رکھتے ہوں گے۔

دوسرے ہتھیاروں میں تین چار قسم کے استرے بھی ہیں جن میں سے چند (ل) شکل کے ہیں۔ ان میں لمبے دستے لگے ہوئے ہیں ان کے علاوہ سیدھے استرے بھی ہیں جو خاصے لمبے ہیں اور جنکے سرے گول ہیں۔ بعض استروں میں چڑیوں کے سر کی شکل کے دستے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ تانبے اور پتھر کے گرز بھی پائے گئے ہیں جن کی شکل اور وضع تین قسم کی ہے۔ ان میں ناشپاتی کی شکل کا گرز عام طریقہ سے رائج تھا۔ دو قسم کے فلاخن کثرت سے پائے گئے ہیں۔ ایک گول دوسرے بیضوی۔ معلوم نہیں یہ لوگ غلیل سے بھی واقف تھے یا نہیں لیکن پکائی ہوئی مٹی کی بنی ہوئی ایسی وزنی گولیاں ضرور ملی ہیں جو غلیل میں استعمال کی جاتی ہیں۔

دریافت شدہ اوزاروں میں کانسے کی بنی ہوئی آری بھی ملی ہے جو ساڑھے سولہ انچ لمبی ہے اور جس میں لکڑی کا ایک دستہ بھی لگا ہوا تھا۔ دستے لگے ہونے کا اندازہ اس کے پھل کے ایک سرے پر تین سوراخوں سے لگایا گیا ہے جس میں

ریوٹ لگا کر دستا جوڑا گیا ہوگا۔ بعض آریوں کے پہل قوسی شکل کے ہوتے تھے۔ بنگال کے سیپ کے کام کرنے والے آجکل بھی قوسی شکل کی آریاں استعمال کرتے ہیں مگر ان کی آریاں لوہے کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہاں بہت سی رکھائیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جو کانسے یا تانبے کی گول یا چوکور سریوں کو کاٹ کر اور ان کے سرے پیٹ کر بنائی گئی ہیں۔

موہنجودارو کے اوزاروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہیں سے اکثر پر تحریریں ہیں۔ جنکے بارے میں قیاس کیا گیا ہے کہ یہ شاید گنتی کے اعداد ہیں۔ اوزاروں پر تحریر کنندہ کرنے کی وجہ اسوقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک ان تحریروں کو پڑھ نہ لیا جائے۔ (پلیٹ نمبر ۱۰)

وادی سندھ میں جانوروں کے مجسمے اور دوسری مورتیوں کے بنانے میں تانبہ اور کانسہ جس چابکدستی سے استعمال کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ معدنیات کی کاریگری میں بڑے ماہر تھے۔ کانسے کا بنا ہوا رقاہہ کا ایک مجسمہ ان کی فنکاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ مجسمہ موہنجودارو میں رقبہ ایچ۔ آر کے ایک مکان سے چار فٹ چھ انچ کی گہرائی سے دریافت ہوا تھا۔ اسکے پیر گھٹنوں سے نیچے ٹوٹے ہوئے ہیں اور اسکی موجودہ لمبائی ساڑھے چار انچ ہے مجسمہ کا داہنا ہاتھ کولھے پر رکھا ہے بائیں ہاتھ پورے کا پورا چوڑیوں سے ڈھکا ہوا آگے کے جانب لٹکا ہوا ہے بائیں پیر سیدھا اور دایاں قدرے خم کھایا

ہوا ہے۔ سر کچھ خمیدہ ہے۔ آنکھیں بڑی بڑی ہیں ناک قدرے چپٹی ہے اور بال گھنگرالے ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۱۴ الف) اس مجسمے کے علاوہ ایک اور مجسمے کے پیر کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا بھی ملا ہے جس میں کڑا پڑا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ بھینسے کا ایک خوبصورت مجسمہ اور بکری یا مینڈھے کا مجسمہ بھی قابل ذکر ہیں جن کو صناعی کا عمدہ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

سنگ تراشی

وادی مندھ میں پتھر کی بنی ہوئی چیزیں بہت کم ملی ہیں پتھر کا استعمال عمارات میں بدرویں ڈھانکنے کے علاوہ غالباً کسی اور جگہ نہیں کیا گیا۔ تعمیرات میں استعمال کئے جانے والے پتھر غالباً قریب کے مقامات سے منگائے جاتے ہوں گے قرب و جوار میں آسانی سے ملنے والے پتھر تین قسم کے تھے۔ سفید یا زرد رنگ کا پتھر جو سکھر میں ملتا تھا اور جو آسانی سے کشتیوں کے ذریعے لایا جاسکتا تھا دوسرا کھریا پتھر اور تیسرا سنگ مرمر۔ یہ پتھر یا تو کرتھر کی پہاڑیوں سے جو یہاں سے سو میل کے فاصلے پر ہیں یا کاٹھیاواڑ سے لایا جاتا ہوگا۔ اس کے علاوہ زرد خوبصورت جیسلمیری پتھر اور سیاہی مائل بھورا پتھر بھی جو سلیٹ کے مانند ہوتا ہے یہاں مستعمل تھے۔ غالباً یہ بھی راجپوتانہ سے لائے جاتے تھے۔ پتھر کے ثابت برتن بہت ہی کم ملے ہیں یہ برتن آتھلے

پیالوں جیسی شکل کے ہیں اور عام طور پر سادے اور بھدے ہیں اور ملائم پتھروں مثلاً کھریا پتھر یا دودھیا پتھر سے بنائے گئے ہیں چپٹے پیندے کا ایک جگ جس کی اونچائی چار انچ ہے تانبے اور کانسے کے برتنوں کے ہمراہ پایا گیا تھا۔ یہ جگ سبز کرسٹل والے جیڈ پتھر کا ہے۔ ایسا پتھر میسمور میں پایا جاتا ہے اور کم یاب ہونے کی وجہ سے قیمتی ہوتا ہے لیکن جگ کے بنانے میں کوئی چابک دستی اور مہارت کا ثبوت نہیں دیا گیا۔ ان برتنوں کے تراش و خراش کے لئے مصری طرز کے پتھر کے برص استعمال کئے جاتے تھے۔

موہنجودارو اور ہڑپہ میں تقریباً گیارہ مجسمے ملے ہیں ان میں سے تین جانوروں کے اور چار انسانوں کے ہیں۔ انسانوں کے سروں کے چار مجسمے انتہائی خستہ حالت میں پائے گئے ہیں لیکن ان کے جسم تلاش کے باوجود نہیں مل سکے۔ صرف ایک ہی مکمل مجسمہ ملا ہے جو اسقدر مسخ شدہ ہے کہ اسے انسانی مجسمہ کہنا بھی شک و شبہ سے خالی نہیں بغیر سر کا ایک مجسمہ ذرا اچھی حالت میں پایا گیا ہے۔

مجسموں میں سب سے زیادہ اہم ڈی۔ کے۔ ایریا سے دریافت شدہ پروت یا پجاری کا مجسمہ ہے (پلیٹ نمبر ۱۸ ب - ۱) جو سات انچ لمبا ہے اس کا نچلا دھڑ غائب ہے یہ ایک شال اوڑھے ہے جسکے کنارے مڑے ہوئے ہیں اور جو بائیں شانے سے مڑتی ہوئی دائیں بازو کے نیچے پڑی ہے۔ اسپر تیتیا طرز کی نقاشی ہے۔ مجسمے کی

داڑھی خشخشی اور بالائی لب تراشیدہ اور آنکھیں نیم باز ہیں کسی زمانے میں ان کے اندر سیپ کے ٹکڑے جڑے ہوئے ہونگے ناک اوسط درجہ کی ہے جو کافی دھنسے ہوئے ماتھے سے سیدھی جڑی ہے۔ منہ درمیانی درجہ کا ہے، ہونٹ موٹے ہیں۔ بیچ سر سے سیدھی مانگ نکالی گئی ہے اور سر کے چاروں طرف ایک موباف بندھا ہوا ہے جس میں پیشانی کے بیچ میں ایک گول چھلا جیسا بنا ہے۔ اسی طرح کا ایک گول چھلا داہنے ہاتھ پر بند ہے ہوئے سادے بازوبند میں بھی ہے۔ کانوں کے نیچے دوسوراخ ہیں جنمیں ہار یا گلے کا کوئی دوسرا زیور لٹکایا جاتا ہوگا۔ یہ مجسمہ سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ دوسرے مجسمے اتنی خوبصورتی سے مکمل نہیں کئے گئے ہیں۔

ہڑپہ سے تیار شدہ دو اور مجسمے بھی قابل ذکر ہیں ان مجسموں نے برصغیر ہند و پاکستان کی قدیم سنگ تراشی پر کافی روشنی ڈالی ہے ان کا سر۔ دھڑ اور ہاتھ الگ الگ بنائے گئے ہیں۔ گردن اور شانوں میں ایسے سوراخ دار کھانچے ہیں جنمیں سر اور ہاتھ جوڑ دئے جاتے تھے۔ ایک مجسمے کے شانے چوڑے ہیں اور پیٹ قدرے باہر نکلا ہوا ہے۔ جسمیں ناف کا سوراخ تک واضح کیا گیا ہے۔ سینہ چوڑا اور ابھرا ہوا ہے۔ سنگ تراش نے مجسمے کا ہر عضو خوبصورت اور متناسب رکھا ہے۔ دوسرا مجسمہ ایک رقاص کا ہے جو داہنے پیر پر کھڑا ہے اور جس کا بایاں پیر اٹھا ہوا ہے۔ کمر سے اوپر کا جسم اور

ہاتھ بائیں طرف گھومے ہوئے ہیں۔ گردن پتلی ہے گویا یہ حرکت و زندگی کا مجسمہ ہے چند محققین کا خیال ہے کہ یہ شیو کے نٹ راج روپ کا مظہر ہے^۱۔ (پلیٹ نمبر ۱۸ ب ۲)

متذکرہ بالا مجسموں میں تین مجسمے اچھی حالت میں ملے ہیں اور ان مجسموں کے ہم پلہ ہیں جو اسی عہد میں مسو پٹامیہ میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان مجسموں کی آنکھوں میں مصر اور سمیر کے مجسموں کی طرح سیپ کے ٹکڑے جڑے گئے ہیں۔ دو اکڑوں بیٹھے ہوئے مجسموں کے ہاتھ اٹھے ہوئے اور گھٹنوں پر رکھے ہوئے بنائے گئے ہیں۔ اس طرح کے مجسمے سمیر میں بھی ملتے ہیں سمیر میں مجسموں کی زلفیں گھنگریالے طرز پر بنی ہیں لیکن وادی سندھ کے مجسموں میں یہ بات نہیں ہے۔ سمیری مجسموں کے برعکس یہاں کے مجسموں کی ناک ایر دھانے متناسب اور واضح ہیں۔

جانوروں کے مجسموں میں چھوٹے سینگوں والے بیل کا مجسمہ خاصا اچھا ہے لیکن مٹی کے بنے ہوئے بیل مقابلتاً زیادہ بہتر ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۹) اسی طرح سنگ صابون کا بنا ہوا ایک بڑا کتا^۲ (جسکے کان اور ہونٹ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں) بہت خوبصورت ہے اسکی گردن کی کھال پر پڑے ہوئے بل بہت کامیابی سے تراشے گئے ہیں۔ ان مجسموں کو دیکھنے کی بعد اندازہ ہوتا ہے کہ چھوٹے مجسمے بڑے مجسموں کی بہ نسبت زیادہ واضح اور بہتر ہیں۔

1 Vedic Age., p. 181. 2 Mastif

وادی سندھ کے باشندوں کی کامیاب ترین تخلیق
 مہریں ہیں جو صرف موہنجودارو اور ہڑپہ میں
 تقریباً دو ہزار ملی ہیں اور جس سے یہ گمان ہوتا
 ہے کہ ہر شخص کہ پاس ہوتی ہونگی۔ یہ مہریں اسٹیٹائٹ^۱
 سے بنائی گئی ہیں اور ڈیڑھ مربع انچ سے لیکر ڈھائی مربع
 انچ تک مختلف سائزوں میں ملی ہیں۔ عام سائز
 ۱.۶ اور ۱.۶۲ انچ ہے یہ مہریں مربع شکل کی ہیں جن
 پر جانوروں کی تصویریں اور تصویری تحریر کنندہ ہے چند
 مہریں مستطیل ہیں جن پر صرف تحریر کنندہ ہے کچھ استوانی
 شکل کی مہریں بھی ملی ہیں مربع مہروں کی پشت پر دو سوراخ دار
 کندھے لگے ہیں جن میں تاگا پرویا جاتا ہوگا۔ مستطیل
 مہروں میں کندھے نہ ہوتے تھے البتہ ان کے طول میں آرپار
 سوراخ کردئے جاتے تھے جس میں سے دھاگا پرو لیا جاتا ہوگا۔
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مہروں کو بڑے پتھروں
 سے ٹکڑے کاٹ کر بنایا جاتا تھا۔ یہ کام آری سے لیا جاتا ہوگا۔
 بعد میں ان ٹکڑوں کو چاقو یا چھینی سے تراش اور صاف
 کر کے نقوش کنندہ کئے جاتے ہوں گے۔ کتبوں کے لکھنے کے
 لئے تین زاویوں والی نسبت کاری کے اوزار استعمال کئے جاتے
 ہوں گے اور باریک کام کے لئے برما استعمال ہوتا ہوگا تراش
 خراش کے بعد مہروں پر چونے کی تہ جما کر ان کو بھٹی میں
 پکا لیا جاتا ہوگا۔

۱ Steatite

ان مہروں کو مہرین کہنا کہاں تک درست ہے اس کا فیصلہ اس وقت ہوسکے گا جب ان پر بنائے ہوئے نقوش پڑھ لیئے جائیں گے۔ قیاس کیا گیا ہے کہ جس طرح لاکھ کو گرم کر کے مہر لگائی جاتی ہے اسی طرح وادی سندھ کے لوگ گیلی مٹی یا اسی قسم کے کسی دوسرے صورت پذیر مادے پر اس کی مہر لگاتے ہونگے۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بہت سی مہروں کے نقوش موجودہ زمانہ کی پیتل کی مہروں کی طرح الٹے بنائے گئے ہیں اور جب ان کو کسی صورت پذیر مادے پر لگایا جاتا ہے تو اصلی تصویر بن جاتی ہے۔ (پلیٹیں - ۱۹ تا ۲۰-۲)

بڑی مہروں پر جانوروں کی شکلیں بہت خوبصورتی سے تراشی گئی ہیں۔ ایک مہر پر بنے ہوئے بیل کی تصویر سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہے۔ (پلیٹ نمبر ۲۰-۶) اس بیل کی گردن کی لٹکتی ہوئی کھال کی قدرتی شکلیں، اٹھا ہوا کوہان، منہ، آنکھیں، سینگ، کولہوں پر پڑے ہوئے گڈھے، پیر، کھر غرض ایک ایک عضو اسقدر نفاست اور خوبصورتی سے بنایا گیا ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ ساری کاری گری پتھر کے چھوٹے سے ٹکڑے پر اجاگر کی گئی ہے۔ ایک مہر پر شیر کی تصویر بنائی گئی ہے جس کے کھلے ہوئے منہ کے اندر زبان اور نوکیلے دانت تک دکھائے گئے ہیں اس کے ایال اور بدن پر پڑی ہوئی دھاریاں

بڑی جاذب نظر ہیں۔ اسی طرح دوسری سیکڑوں مہروں پر بنی ہوئی تصویروں میں معمولی جزویات تک کو نمایاں کیا گیا اور ان میں تناسب اور حقیقت پسندی کا بدرجہ اتم خیال رکھا گیا ہے۔

یہ مہریں ایسے فن کاروں اور صناعوں کی ہنرمندی اور چابکدستی کا نمونہ ہیں جو نہ صرف نقش و نگار بنانے میں کامل دستگاہ رکھتے تھے بلکہ جانوروں کی ساخت، اعضا اور ان کی مختلف خصوصیات سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ ان مہروں کا کام آرٹ کے لحاظ سے صناعی کے دوسرے نمونوں کے مقابلہ میں بہت سبکی، نفیس اور اعلیٰ ہے اور وادی سندھ سے دریافت شدہ دوسرے مجسمے سورتیاں اور ظروف خوبصورتی میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان صناعوں نے جانوروں اور دیوتاؤں کی تصویر کشی میں جس سہارت اور چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہے اس میں غالباً انکی عقیدت اور شیفگی کو بھی بڑا دخل تھا۔ کیونکہ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جانور اور دوسرے نقوش ان کے مذہبی تصورات کا مرکز تھے اور یہی وجہ ہے کہ جس شغف اور احتیاط سے ان مہروں کو بنایا گیا ہے اس کی مثال اس تہذیب کی دوسری باقیات میں نظر نہیں آتی۔ چنانچہ پروہت یا پجاری کا نیم قد مجسمہ اور کانسے کا بنا ہوا رقادہ کا مجسمہ جو اپنی نفاست اور نزاکت کے اعتبار سے ماتا دیوی کی



پلیٹ نمبر ۷ - ظروف گلی



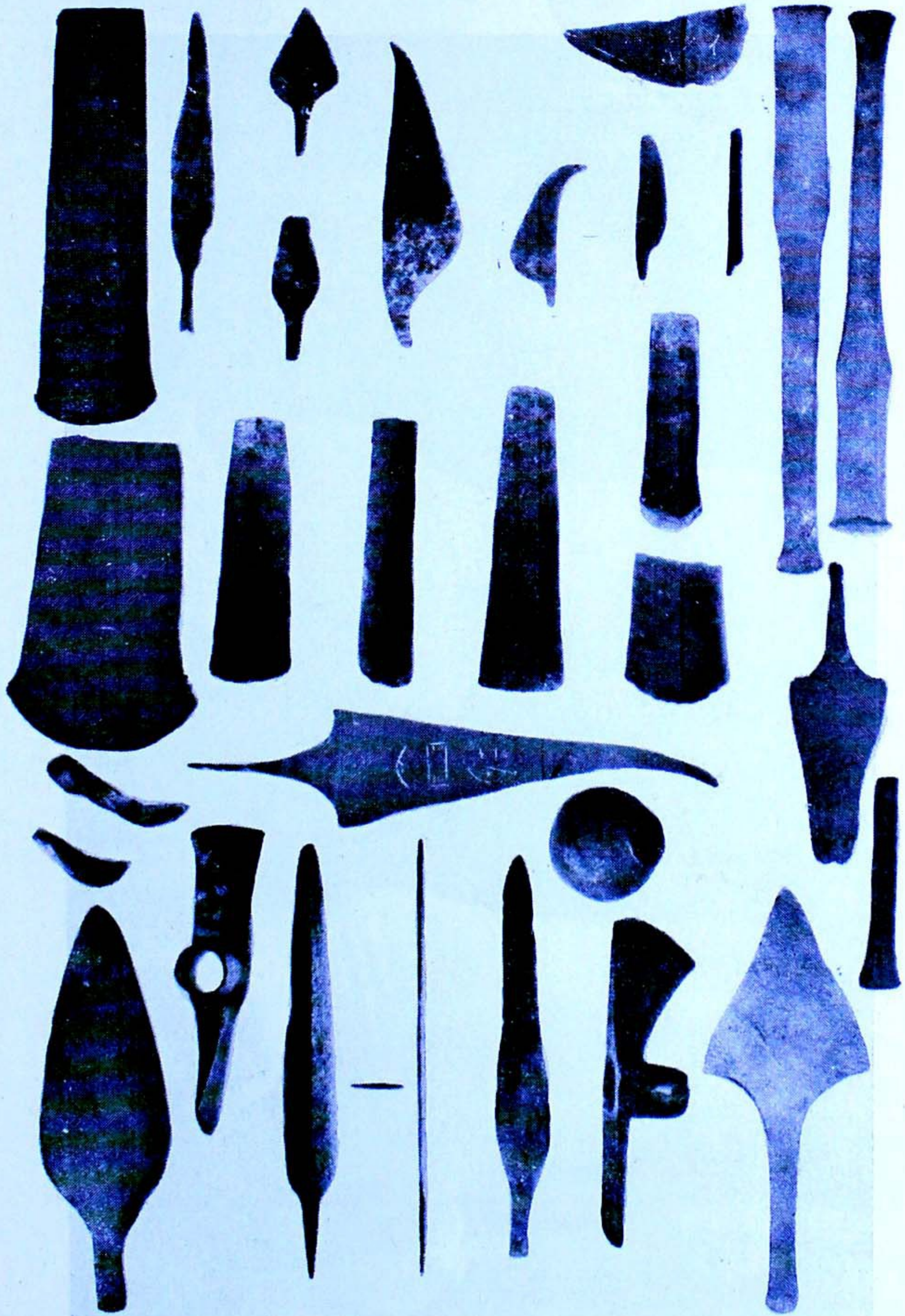
پلیٹ نمبر ۸ - الف - نقشیں ظروف گلی کے ٹکڑے



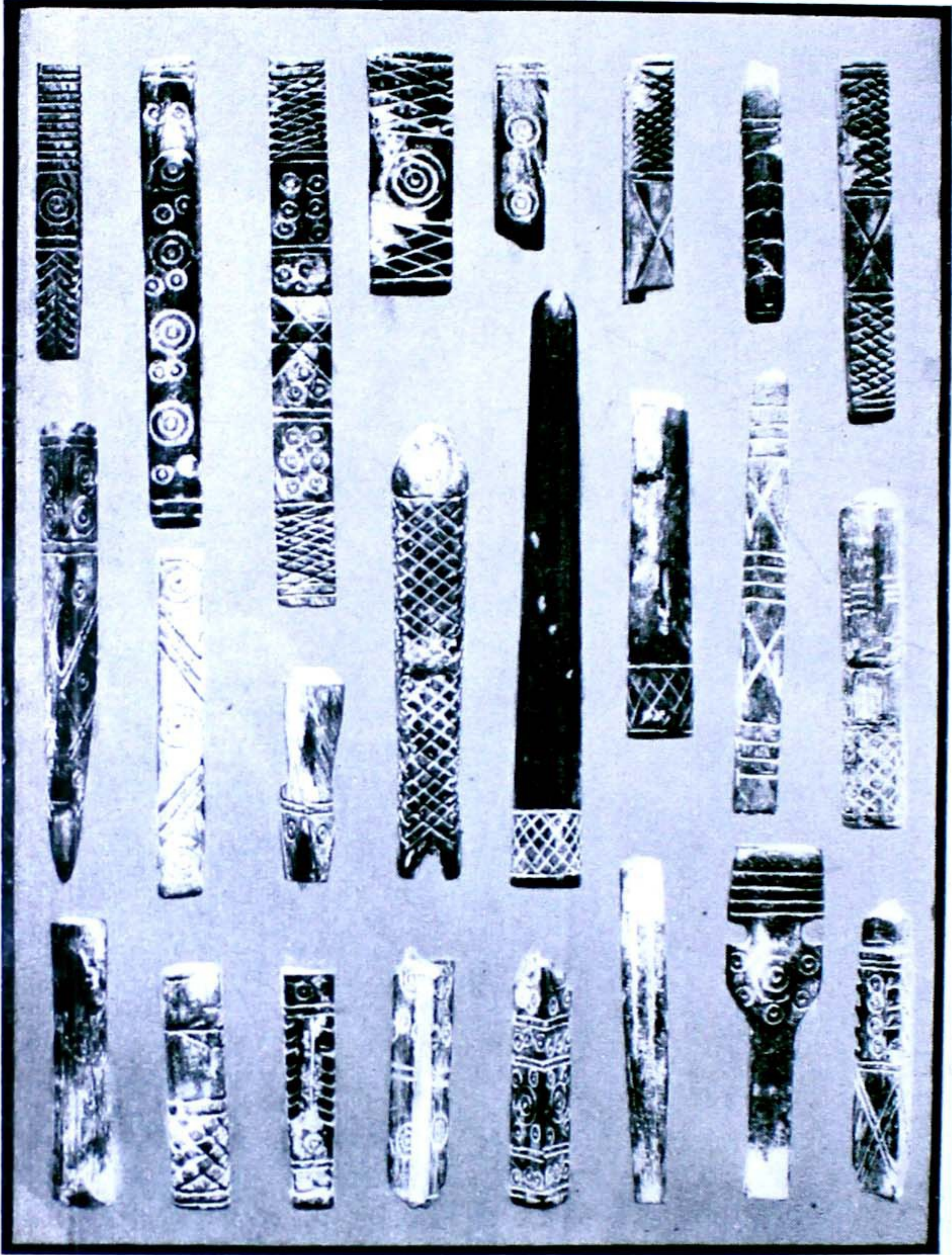
پلیٹ نمبر ۸ - ب - رنگین ظروف گلی



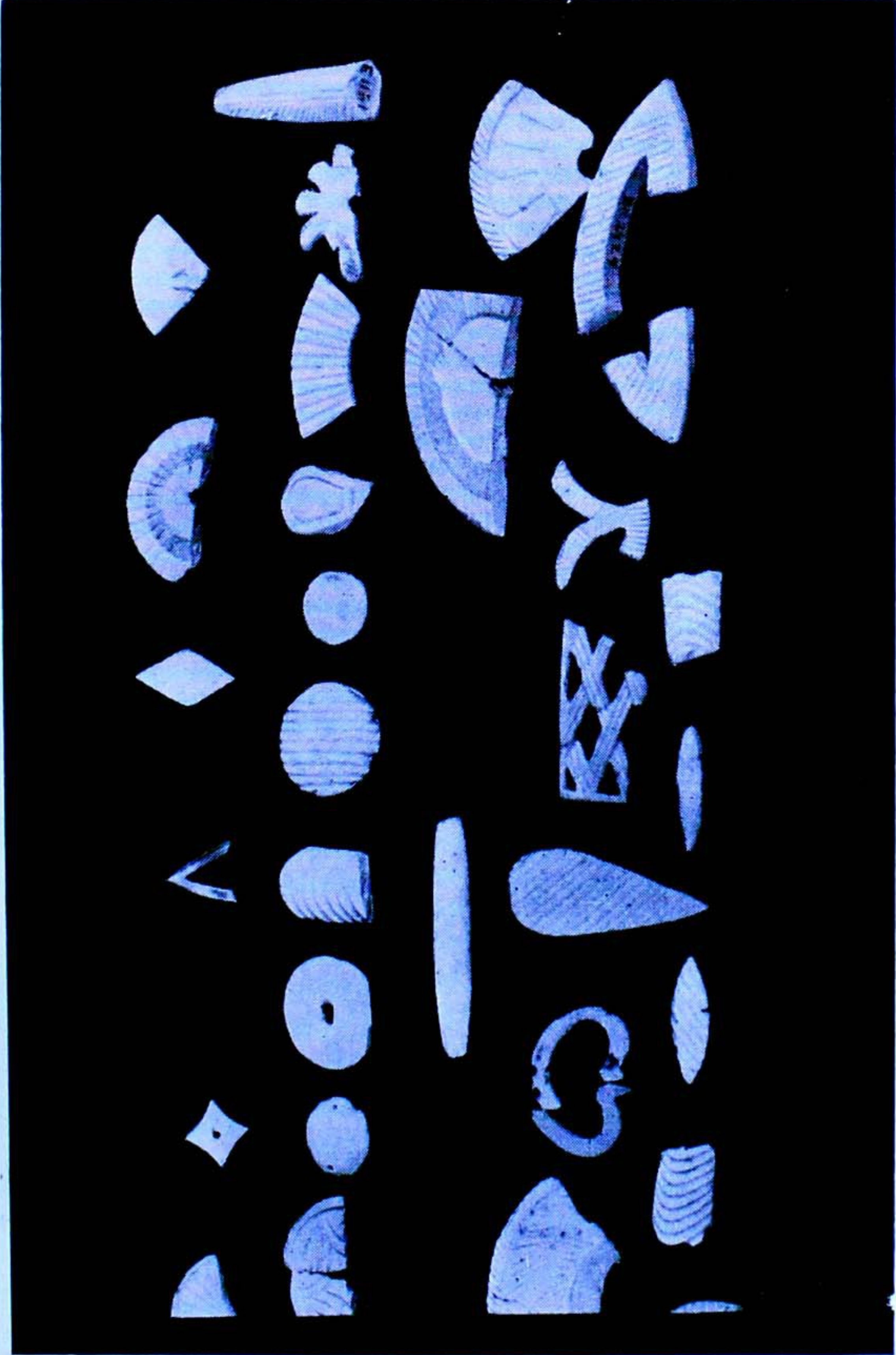
پلیٹ نمبر ۹ - بیلوں کے مجسمے



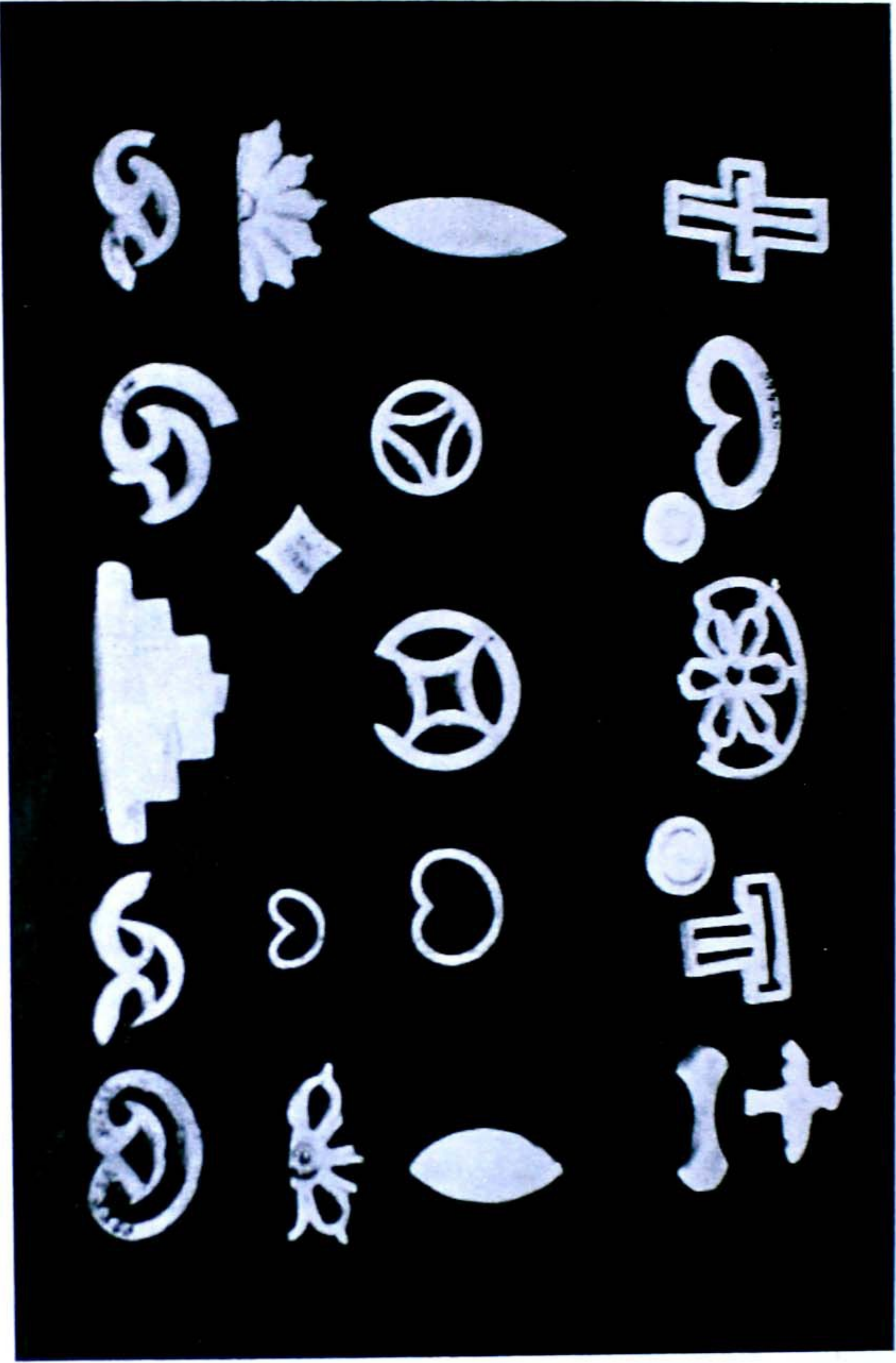
پلیٹ نمبر ۱۰ - تانبے اور کانسے کے اوزار



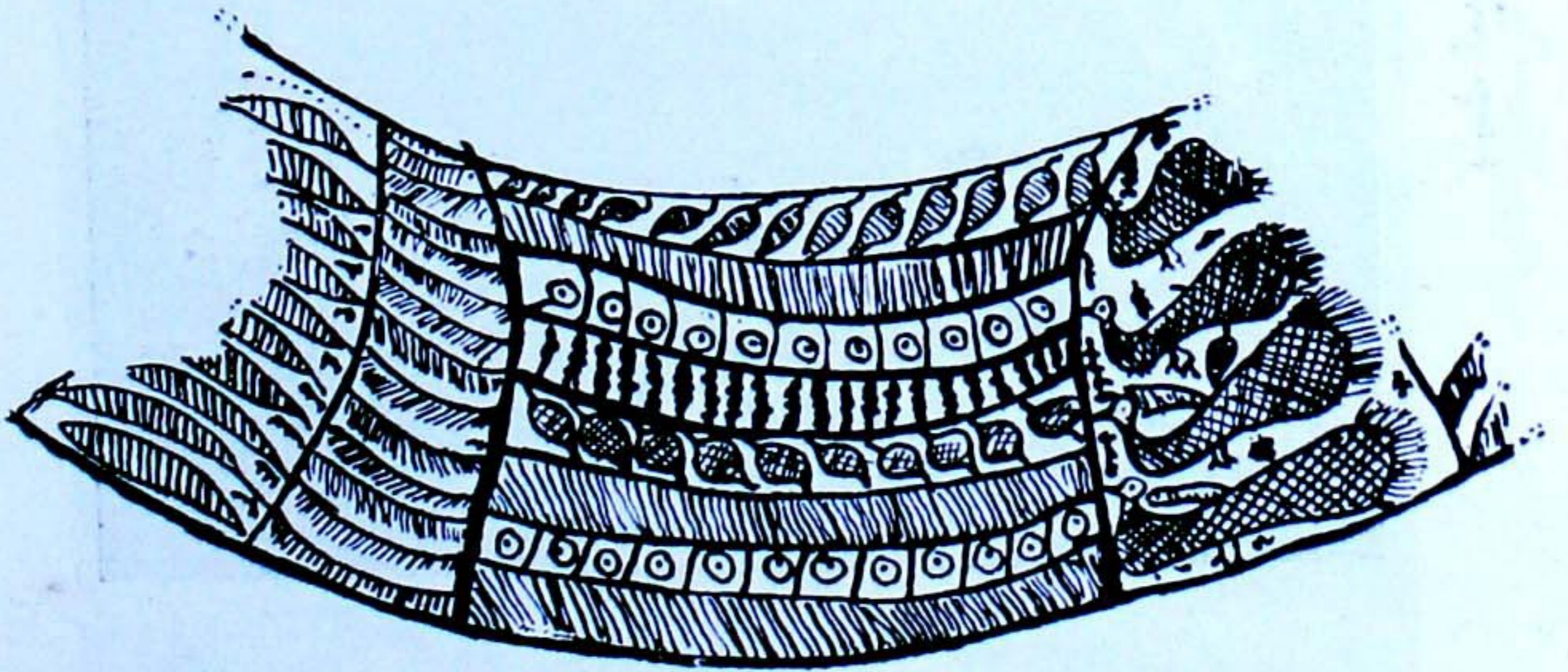
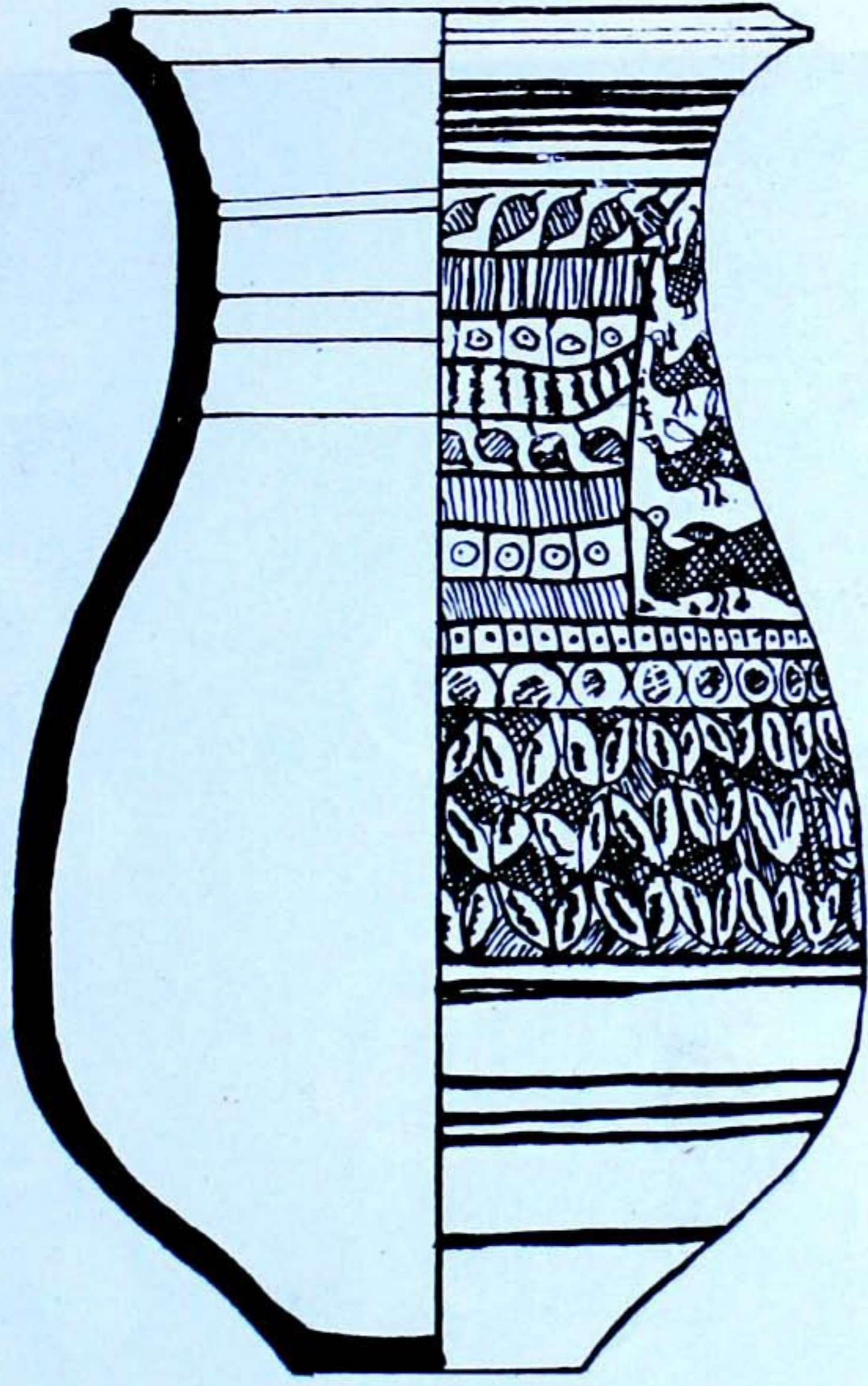
پلیٹ نمبر ۱۱ - ہڈی اور ہاتھی دانت کا سامان



پلیٹ نمبر ۱۲ - الف - مچھی چینی کی بنی ہوئی اشیا



پلیٹ نمبر ۱۲ - ب - سب اور گھونگے کی بنی ہوئی اشیا



سوهنجودارو کا ایک گلدان

بیشتر مورتیوں سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں ان مہروں کی گرد
کو نہیں پہنچتے۔

دوسری صنعتیں

وادی سندھ کی باقیات کے اس وسیع جائزے کے بعد
ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موہنجودارو اور ہڑپہ
صنعتی اعتبار سے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ مختلف دھاتوں کے
استعمال سے لوگ اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور ان کی
مدد سے ضروریات زندگی کی تکمیل کرتے تھے وہ لوگ تانبے
کانسے پتھر اور مٹی کے اوزار اور برتن اور دوسری ضروریات
زندگی بخوبی بنانا جانتے تھے مہریں ان کی خاص
تخلیق تھیں جو صناعتوں کی فنی مہارت پر دلالت کرتی ہیں۔
اس کے علاوہ وہ لوگ بعض دوسری صنعتوں میں بھی مہارت
رکھتے تھے مثلاً جہاں یہ سونا چاندی کا کام جانتے تھے وہاں
سوزن کاری۔ کٹاؤ کی صنعت اور سیپ کے بیل بوٹے بنانے سے
بھی واقف تھے (پلیٹ نمبر ۱۲ - ب) یہ سیپ دراصل سنکھ کے
چھوٹے چھوٹے بہت نازک ٹکڑے ہوتے تھے اور ان پر کام کرنا بہت
دشوار ہوتا ہوگا اسی لئے سیپ کی بنی ہوئی باقیات کثرت سے
دریافت نہیں ہوئی ہیں سیپ کے ٹکڑے احتیاط اور محنت سے
باریک آری سے کاٹے جاتے تھے اور کٹے ہوئے حصوں کے
کھردرے پن کو ریتی سے ہموار کر لیا کرتے تھے۔ لیکن

اس صنعت میں وادی سندھ کے لوگ سمیر کے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو سیپ کا کام کرنے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ پانسہ، چوڑیاں، بالوں کے کلب اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کے لئے ہاتھی دانت بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ ہاتھی دانت کا ایک ایسا ٹکڑا بھی ملا ہے جو کسی گدان کا بالائی حصہ تھا۔ اس ٹکڑے پر ایسے دائرے بنے ہوئے ہیں جنکی قوسیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی بنائی گئی ہیں۔ ان میں سیندور یا کسی دوسرے سرخ رنگ کا مصالحہ بھرا گیا ہے۔ ہاتھی دانت کی دوسری اشیا بھی دریافت ہوئی ہیں جو اس بات کا اندازہ لگانے میں ہماری مدد کرتی ہیں کہ ہاتھی دانت کا کام یہاں ترقی پر تھا۔

زیورات اور برتنوں پر چمک دمک پیدا کرنے کے لئے زجاج (شیشہ) اور مردار سنگھ استعمال کئے جاتے تھے۔ روغن کرنے کے لئے کچھ اور مصالحے بھی مستعمل تھے چنانچہ بعض برتنوں پر سبز اور نیلے رنگ کا روغن کیا ہوا ہے غالباً یہ لوگ سچی چینی کے استعمال سے بھی واقف تھے چنانچہ چینی کی ایسی نوادرات دریافت ہوئی ہیں جنہیں بجا طور پر صناعی کا غیر معمولی نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

وادی سندھ کے لوگ سوتی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ ایک مجسمے کے لبادے پر بنی ہوئی نقاشی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ زر دوزی اور کشیدہ کاری سے بھی

واقف تھے البتہ سندھ کی موجودہ اجرک^۱ کی طرح انکی چادریں چھپی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔ تانبے اور کانسے کی بہت سی سوئیاں ملی ہیں۔ ان میں سے بعض کے سروں پر تاگا پروئے کے سوراخ بھی ہیں چند کے سروں پر ایک پھندا سا بنا ہے جس میں تاگا ڈالا جاتا تھا۔ زیورات کے ہمراہ سوئے کی تیس سوئیاں ملی ہیں جن میں سے ایک سوئی دو انچ لمبی ہے۔ دو سوئیوں پر چھوٹے چھوٹے داغ سے پڑے ہیں خیال ہے کہ یہ نشان اس وقت پڑے ہونگے جب کپڑا سیتے سیتے عورتیں ان سرئیوں کو دانتوں کے نیچے دبالتی ہونے لگتی تھیں، ہاتھی دانت اور تانبے کے سوئے بھی دریافت ہوئے ہیں۔

زراعتی اوزار چونکہ لکڑی کے بنے ہوتے تھے اسلئے ہزارہا سال مٹی میں دفن رہنے کی وجہ سے تلف ہو گئے اور دریافت نہ ہو سکے۔ البتہ تانبے کی دو درانتیاں دریافت ہوئی ہیں سمیر کی بہ نسبت موہنجودارو میں اوزاروں پر سان رکھنے کے پتھر بہت کم دریافت ہوئے ہیں اور یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ اپنے اوزاروں اور ہتھیاروں پر کس چیز سے دھار رکھتے تھے۔ شاید اس مقصد کے لئے اینٹیں استعمال کی جاتی ہوں گی۔ کیونکہ دریافت شدہ سانوں کے کنارے اور سرے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان سے سان رکھنے کے بجائے دھات پر پالش کی جاتی تھی۔

۱ چھپی ہوئی چادریں جو سندھ میں عام طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ زیادہ تر ان کی زمین گہری نیلی ہوتی ہے جس پر سرخ رنگ سے بیل بوئے بنائے جاتے ہیں اجرک غالباً آرزق کی بگڑی ہوئی صورت ہے

منکے

وادی سندھ کے قدیم شہروں میں مختلف پتھروں سے بنے چاندی اور مٹی کے منکے بنانے کی صنعت کا بہت رواج تھا یہ منکے عام طور سے عقیق، سنگ سلیمان اور سنگ یشب سے بنائے جاتے تھے۔ پتھروں کے علاوہ سفید اور نیلے مصالحے کے کئی منکے بھی دریافت ہوئے ہیں جن سے ہار اور مالا تیار کئے جاتے تھے۔

منکے بنانے والے کی ایک دوکان سے پتھر کے بہت سے منکے ملے ہیں یہ منکے تکمیل کے مختلف مدارج یعنی تراشنے، پرت جانے، گھٹائی اور سوراخ کرنے کی حالت میں پائے گئے تھے۔ ان منکوں میں پتھر یا تانبے کے نالی دار برسوں سے سوراخ کئے جاتے تھے۔ پتھر کے برسے نہایت ہوشیاری سے بنائے جاتے تھے۔ ان کی نوک پر چھوٹی پیالی کی شکل کی گھنڈی سی لگی ہوتی تھی جن میں پانی اور پتھر کا گھسا ہوا سفوف جمع ہوتا تھا، پانی برسے کو اندر گھسنے میں مدد دیتا تھا ایسے برسے چھنودارو میں خاصی تعداد میں پائے گئے ہیں اور ڈاکٹر وہیلر کا خیال ہے کہ شاید یہ برسے برآمد بھی کئے جاتے ہوں¹، اس قسم کا ایک برما ار میں بھی ملا ہے۔

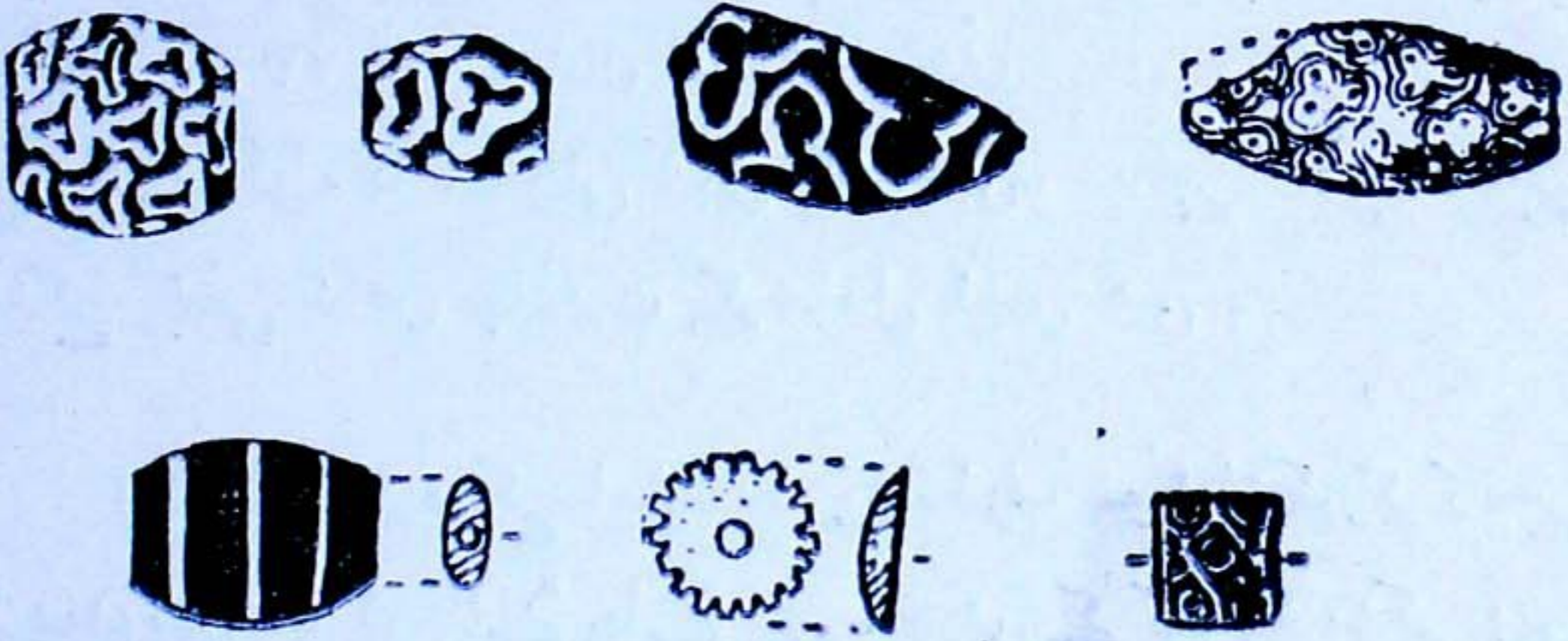
1 Wheeler - The Indus Civilization ; P, 74.

موہنجودارو میں ایچ - آر - ایریا سے سونے کے لاتعداد منکے دریافت ہوئے ہیں جن میں سے چند گول چپٹی ڈکیا جیسی شکل کے ہیں اور جن میں ایک محوری نالی ہے۔ اس قسم کی ڈکیاں مصر میں ۲۳۰۰ - ۲۵۰۰ ق - م اور ٹرائے میں تقریباً ۲۳۰۰ ق - م میں دریافت ہوئی ہیں۔ چاندی کے منکے سادے گول یا استوانی شکل کے ہیں۔ تانبے اور کانسے کے منکے کسی خاص جاذبیت کے حامل نہیں ہیں۔

اسٹیٹائٹ کے منکے اسٹیٹائٹ کے سفوف کو گیلا کر کے کانسے کے ٹپھوں میں دبا کر بنائے جاتے تھے۔ چینی کے کام کے منکے بھی پائے گئے ہیں موہنجودارو، ہڑپہ، اور چنہودارو سے دریافت شدہ منکوں میں سے ۳۵ منکے بڑے اہم ہیں۔ یہ منکے پرتدار ہیں اس قسم کے منکے شام جمدت نصر عہد یعنی تقریباً ۳۰۰۰ ق - م اور کریٹ میں بھی دریافت ہوئے ہیں^۱۔ عام طور پر اس قسم کے منکے سیٹائٹ کے سفوف سے بنائے گئے ہیں۔ استوانی منکوں پر تپتیا ڈیزائن کی نقاشی کی گئی ہے۔ یہ ڈیزائن برصغیر یا کسی دوسرے نوک دار اوزار سے تراشی گئی ہے۔ ان نقوش میں سرخ یا سیاہ مصالحہ بھر کر باقی سطح کھرچ کر سفید مصالحہ لگایا گیا ہے۔ اس طرح سفید زمین پر سیاہ یا سرخ رنگ کے نقوش تراشے گئے ہیں۔ بعض منکوں کی زمین سرخ ہے۔ تپتیا ڈیزائن جو عام طور پر ان منکوں پر بنائی گئی ہے سرغونی

1 Wheeler - The Indus Civilization ; P,74.

غہد یا اس کے بعد مستعمل تھی - مسوپوٹامیا میں اس کی تاریخ
۲۳۰۰ ق - م ہے - اس قسم کے منکے مصر میں تقریباً ایک
ہزار سال بعد کے دور میں ملتے ہیں^۱ -



منکے

سنگ عقیق کے منکے بھی قابل ذکر ہیں - یہ دو قسم
کے ہیں سرخ زمین پر سفید نقش والے یا سفید زمین پر سیاہ
نقش والے سرخ زمین پر سیاہ رنگ کے منکے نسبتاً زیادہ ملتے
اور قیاس ہے کہ ان نقوش کو تراشنے کے بعد منکے پر القلی (سوڈا)
لگا کر کر پتھر کو گرم کیا جاتا تھا جس سے القلی ان نقوش
پر جم جاتی تھی اور مستقل سفید ڈیزائن بن جاتی تھی -
دوسری قسم کے منکوں میں پورے پتھر پر القلی لگادی جاتی
تھی اور پھر اس پر کاپر نائٹریٹ^۲ کے حل سے ڈیزائن بنا
کر ان کو پکا لیا جاتا تھا - اس قسم کے منکے مسوپوٹامیہ
میں بھی ملتے ہیں -

1 Wheeler - The Indus Civilization; P,75.

2 Copper Nitrate

مواصلات و تجارت

مواصلات
تجارت
اوزان و پیمائش

شالوہ تالمات

مواصلات

قدیم ترین زمانے میں موہنجودارو ایک تجارتی منڈی تھا اور یہاں گرد و نوح کے علاقوں اور دوسرے ممالک سے تجارتی سامان لایا جاتا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آثاری شواہد ان کے مواصلات کے ذرائع کی نشاندہی کرنے میں ہماری کیا مدد کرتے ہیں۔

موہنجودارو 'ہڑپہ' اور دوسرے مقامات سے لاتعداد بیل گاڑیوں کے مجسمے ملے جو بچوں کے کھیلنے کے لئے بنائی گئی ہونگی لیکن اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ اپنے دور کی اصل گاڑیوں کا چربہ ہیں۔ (پلپٹ نمبر ۱۷) اسی طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں وادی 'سندھ' میں سامان اور آدمی لانے اور لے جانے کے لئے بیل گاڑیاں مستعمل تھیں موہنجودارو جیسی دو پہیوں والی گاڑیاں آج بھی سندھ میں موجود

ہیں ان کے پہئے ٹھوس ہوتے تھے۔ ہڑپہ میں تانبے کا بنا ہوا ایک دو انچ کا یکہ بھی ملا ہے۔ اس کے پہئے غائب ہیں۔ یہ سامنے اور پیچھے کھلا ہوا اور داہنے اور بائیں طرف میں بند ہے۔ اس کی چھت دو رخی اور ڈھلوان ہے چنہودارو میں تانبے کی بنی ہوئی دو بیل گاڑیاں ملی ہیں جن میں سے ایک ہڑپہ جیسی ہے دوسری کے ٹھوس پہئے تو موجود ہیں لیکن چھت نہیں ہے۔ چنہودارو میں مٹی کی بنی ہوئی ایسی بیل گاڑیاں بھی ملی ہیں جن میں چار پہئے لگے ہیں۔ ان کے اگلے پہئے پھچلے پہنوں سے بڑے ہیں۔

یہ بات ابھی وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ وادی سندھ کے لوگ بار برداری اور سواری کے لئے کون کون سے جانور استعمال کرتے تھے۔ یہاں خچر یا گدھے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا البتہ سورہنچود روکی بالکل بالائی سطح سے گھوڑے کی ہڈیاں پائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مسٹر میکے نے ایک مجسمہ کو گھوڑے کا مجسمہ بتایا ہے۔ شمالی بلوچستان کے مقام رعنا غنڈائی کی ابتدائی تمہوں میں گھوڑے اور جنگلی گدھے کے دانت پائے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کاروان کی صورت میں تجارتی سامان لانے لیجانے والے سوداگر اونٹ گھوڑے اور گدھے رکھتے ہوں۔ یہ بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ ہاتھی سدھا کر اس سے کوئی کام لیتے تھے۔ البتہ مسہروں پر بنی ہوئی ہاتھیوں کی

تصویروں سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ہاتھی ان کے لئے
غیر معروف نہ تھا۔

بیل گاڑیوں اور جانوروں کے علاوہ یہاں کشتیوں
کے ذریعے بھی سامان لایا جاتا تھا۔ دریائے سندھ
کشتی رانی کے قابل ہے اور بڑی بڑی کشتیاں نہایت
آسانی سے آج بھی اس کے ذریعے اندرون سندھ سامان لاتی اور
لے جاتی ہیں۔ لکڑی کی بنی ہوئے کی وجہ سے تمام قدیم
کشتیاں تلف ہو چکی ہیں البتہ چند ایسے شواہد ضرور
ملے ہیں جو اس سلسلے میں ہماری کافی مدد کرتے ہیں۔
چنانچہ ایک مہر پر بغیر مستول کی کشتی کی تصویر بنائی گئی
ہے جس کا اگلا حصہ اور دنبالہ اوپر کو کافی اٹھے ہوئے ہیں۔
اس کے بیچ میں ایک کیمین ہے اور دنبالہ پر کشتی چلانے
والا بیٹھا دکھایا گیا ہے اسی طرح ایک برتن پر کشتی کی
تصویر ہے جس کے دونوں سرے اونچے ہیں اس کشتی میں بھی
ملاح بیٹھا دکھایا گیا ہے لیکن عرشہ پر کیمین کے بجائے ایک
مستول لگا ہوا ہے جس کو دو بلیوں کا سہارا دیا گیا ہے۔ ایسی
کشتیاں دریاؤں اور سمندروں دونوں جگہوں میں چل سکتی
ہیں۔ یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ کشتی
مازی اور کشتی رانی میں مہارت رکھتے تھے۔

تجارت

وادی سندھ میں ایسی لاتعداد چیزیں دریافت ہوئی ہیں
جو آج اس علاقے میں نہیں ملتیں ظاہر ہے کہ یہ چیزیں باہر سے برآمد

کی جاتی ہونگی۔ تانبے کانسے اور قلعی کی درآمد کے بارے میں پچھلے صفحات میں گفتگو کی جا چکی ہے۔ سونا ہندوستان میں سیسور اور افغانستان میں قندھار اور دوسرے مقامات میں ملتا ہے اور ایران میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ سر ایڈون پاسکو^۱ کے خیال مطابق جنوبی ہندوستان (حیدرآباد۔ سیسور اور مدراس) ابتدائی زمانہ تاریخ سے ہندوستانی سونے کا کثیر حصہ بہم پہنچاتا رہا ہے۔ وہاں کی بعض کانوں میں قدیم کان کنی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ وادی سندھ کے لوگ جنوبی ہندوستان سے سونا درآمد کرتے تھے۔ اس قیاس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ موہنجودارو اور ہڑپہ میں جو سونا دریافت ہوا ہے وہ زیادہ اس قسم کا ہے جس میں چاندی کی ملاوٹ ہے۔ اس قسم کی ملاوٹ والا سونا کولور، سیسور اور انت پور کی کانوں ہی میں ملتا ہے۔ اسکے علاوہ سبز ایمیزن پتھر بھی نیلگری کے پہاڑیوں کے قریب دادا بٹیا سے منگایا جاتا تھا ہو سکتا ہے کہ سونا ایران اور افغانستان (قندھار) سے بھی منگایا جاتا ہو۔ سونے کے علاوہ چاندی کے ظروف اور زیورات بھی پائے گئے ہیں یقیناً انکے بنانے کے لئے چاندی اجمیر (ہندوستان) افغانستان ایران اور جنوبی ہندوستان سے درآمد کی جاتی ہوگی۔ لاجورد کے صرف دو سنگے اور شطرنج کے پیادے جیسا ایک ٹکڑا موہنجودارو میں، تین سنگے ہڑپہ میں، اور چھ سنگے

1 Sir Edwin Pascoe

چنہودارو میں دریافت ہوئے ہیں۔ نال (بلوچستان) میں لاجورد کے منکوں کی کئی لڑیاں ملی ہیں لاجورد 'فیروزہ' اور زمرد ہندوستان میں مطلقاً نہیں ہوتے لاجورد مسوپیٹامہ میں کثرت سے استعمال کیا جاتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ وادی 'سندھ' والے وہاں سے درآمد کرتے ہوں۔ شمالی مشرقی افغانستان اور بدخشاں میں بھی لاجورد ملتا ہے۔ اور چونکہ مسوپیٹامہ کی بہ نسبت بدخشاں وادی 'سندھ' سے زیادہ قریب ہے اسلئے ممکن ہے کہ وہاں سے ہی درآمد کیا جاتا ہو۔ فیروزے کیلئے خراسان مشہور ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہاں سے درآمد کیا جاتا ہو۔ جیڈ پائیر کے علاقوں 'مشرقی ترکستان' تبت یا شمالی برما سے منگایا جاتا ہوگا۔

رال جو سوم جامہ یا دوسری چیزیں بنانے کے کام آتی تھی یا تو دریائے سندھ کے داہنے کنارے کے شہر عیسیٰ خیل سے منگائی جاتی تھی یا بلوچستان سے۔ گیرو وسط ہندوستان اور مدہ پردیش میں ملتا ہے اور وہاں سے درآمد کیا جاتا ہوگا لیکن اسکی بڑی مقدار کشتیوں کے ذریعے ہرمز اور خلیج فارس کے دوسرے جزائر سے بھی آتی ہوگی یہاں ایک قسم کی سبز مٹی بھی ملتی ہے جو شاید بلوچستان سے بہم پہنچائی جاتی ہو۔

ان معدنیات کے علاوہ زیورات اور چھوٹی مصنوعات میں استعمال کی جانے والی اشیاء مثلاً ہڈیاں، ہاتھی دانت

سیپ اور گھونگھے وغیرہ بھی دریافت ہوئے ہیں یہ چیزیں مقامی طور پر ملتی ہونگی لیکن سواحل ہند، خلیج فارس اور بحر احمر سے بھی مختلف قسم کے گھونگے سنگائے جاتے تھے۔

سوجودارو میں ان اشیاء کی موجودگی نہ صرف اس کی طرز معاشرت پر ہی روشنی ڈالتی ہے بلکہ اس تحقیق سے کہ یہ چیزیں کہاں کہاں سے درآمد کی جاتی تھیں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وادی سندھ کے تجارتی تعلقات کا سلسلہ کہاں کہاں تک پھیلا ہوا تھا اور اس تہذیب کے روابط دور دراز کے کن کن علاقوں سے تھے۔

سر ایڈون پاسکونے وادی سندھ میں دریافت شدہ اشیاء کے مندرجہ ذیل مقامات سے درآمد کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

جنوبی ہندوستان، افغانستان، ایران، تبت	سونا
جنوبی ہندوستان، افغانستان، ایران، آرمینا، برما	چاندی
جنوبی ہندوستان، افغانستان، بلوچستان، راجپوتانہ	تانبا
افغانستان، ایران، راجپوتانہ	قلعی، رانگا
افغانستان	لاجورد
ایران، خراسان	فیروزہ
کاٹھیاواڑ، بلوچستان	سنگ جواحت
جنوبی ہندوستان	یاقوت
راجپوتانہ، راج پپلا	سلیٹ پتھر

راجپوتانہ، کاٹھیاوار، کشمیر، دکن	{ عقیق یعنی سنگ سلیمان
راجپوتانہ، راج پیپلا،	یشب
راجپوتانہ، دریائے کرشنا اور گوداوری کے کنارے جنوبی ہندوستان میں	{ حجرالصلب اخضر ^۱
عیسی خیل، کوہستان ماری، (بلوچستان)	رال - قیر
سبی (بلوچستان) مسوٹامیہ	
جزیرہ ہرمز، بوموسی، ہالوی لکھپت،	سیندور
راجپوتانہ	سنگ مرمر

موہنجودارو، ہڑپہ اور دوسرے مقامات پر پتھروں سے نہایت صفائی سے بنائے ہوئے ٹکڑے ملتے ہیں جو غالباً وزن کرنے کے لئے باٹ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ انہیں سے بعض تو اتنے بڑے ہیں کہ انکو اٹھانے کے لئے رسیوں کی ضرورت پڑتی ہوگی اور بعض اتنے چھوٹے ہیں کہ ان سے سونا اور چاندی جیسی قیمتی چیزیں تولی جاسکتی ہیں۔ یہہ باٹ مکھبی، استوانی، مخروطی اور ڈھول کی شکل کے ہیں۔ ترازو نسبتاً کم دریافت ہوئے ہیں دو پلڑوں کے ہمراہ ایک کانسے کی چھڑ دریافت ہوئی تھی جس کے دونوں سروں پر ڈور باندھنے کے نشان نظر آتے ہیں اور خیال ہے کہ یہ ترازو کی ڈنڈی ہوگی۔

دریافت شدہ باٹوں کو جب وزن کیا گیا تو ان میں
جیرت انگیز توازن پایا گیا اور چھوٹے باٹوں میں سوس کی طرح ثنوی
نسب کا پتہ چلا لیکن بڑے برتنوں میں اعشاری تناسب
ہے۔ یہاں سادسی^۱ تناسب کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وزن
کی ایک اکائی کا اندازہ ۸۷۰ گرام لگایا گیا ہے۔ اور سب
بڑا وزن ۱۰۹۷۵ گرام کا ہے۔ عام وزن ۱۳۶۶۴ گرام کا ہوتا
تھا۔ جو وزن کے اکائی سے ۱۶:۱ کی نسبت رکھتا ہے
پاکستان میں ۱ اور ۱۶ کی نسبت اب بھی ایک روپیہ
کے سولہ آنوں اور ایک سیر کی سولہ چھٹانکوں میں پائی
جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزنوں کی براہر جانچ پڑتال ہوتی
تھی ورنہ متوازن باٹ رکھنا تاجروں کے مذاق کی بات نہیں۔

باقیاتی آثار کی غیر موجودگی میں وادی سندھ میں
لمبائی ناپنے کے طریقہ کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ البتہ سیپ
کی ایک ایسی پٹی ضرور ملی ہے جو ۶۶۶۲ انچ لمبی ہے۔
اس میں ۹ خانے ہیں۔ اور ہر خانے کی لمبائی ۶۶۶۶ انچ ہے ڈاکٹر
سپیکر کا خیال ہے کہ یہ لمبائی ناپنے کے پیمانے کا ایک
ٹکڑا ہے۔ اسکے ہر خانے میں ایک نقطہ رکھا ہوا ہے لیکن
پانچویں خانے پر ایک گرل دائرہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا
ہے کہ ناپنے کے پیمانے اعشاری اصول پر مرتب کئے گئے
تھے اور اس طرح ایک اعشاری اکائی کے ۱۶۳۲ پر مشتمل

پیمانے کے ایک فٹ کی لمبائی ۱۳۶۲ انچ تھی۔ اسی طرح ہڑپہ سے ایک کانسرے کی چھڑ ملی ہے جو ۱۶۵ انچ لمبی ہے۔ اسکے دونوں سرے ٹوٹے ہوئے ہیں اور اسمیں برابر فاصلے پر چار نشان ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۲۵۶۲ انچ کے کیوبٹ^۱ کے اصول پر بنائی گئی تھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے اعشاری پیمانے مصر کے چوتھے شاہی خاندان میں بھی رائج تھے۔ اسی طرح ایلام کی ابتدائی مہر میں بھی اعشاری پیمانوں پر بنائی گئی تھیں اور سمیر کے ابتدائی عہد میں اعشاری اور ستینی (ساٹھویں) اصول پیمائش رائج تھے۔

تقریباً ایک سو پچاس مقامات پر پیمائش کرنے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ وادی سندھ میں ایک ہی وقت میں فٹ اور کیوبٹ دونوں طریق پیمائش رائج تھے۔ چنانچہ ہڑپہ کی غلہ کی کوٹھیوں کی خاص دیوار ۱۵ فٹ ۹ انچ - ۳۵ کیوبٹ کے برابر تھی۔ اسکے خاص کمروں کی چوڑائی ۱۷ فٹ ۳ انچ - ۱۵ کیوبٹ ہے ہڑپہ کے گول چبوتروں کے قطر ۱۱ فٹ ہیں جو ۱۳۶۲ انچ کے حساب سے دس فٹ ہوتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ فٹ تقریباً ۱۳۶۱ انچ یا ۱۳۶۲ انچ کا اور کیوبٹ ۲۵۶۳ انچ کا ہوتا تھا^۲۔

۱ Cubit ایک قدیم پیمانہ

2 Wheeler - The Indus Civilization; P, 62.

معاشرت

بلدیاتی نظام
زراعت و خوراک

لباس
آرائش گیسو

زیورات
سنگھار

کھلونے

تفریح

شکار

پالتو جانور

جنگلی جانور

رقص و سرود

حکمت

پیشے

مشرق قریب اور بالخصوص مصر کے قدیم باشندے جب اپنے مردوں کو سپرد خاک کرتے تھے تو ان کے ساتھ ہی کافی سامان زاد راہ آخرت کے طور پر دفن کر دیا کرتے تھے ماہرین آثار کو اس سامان کے سہنے سے ان لوگوں کے طرز زندگی کا اندازہ لگانے میں بڑی آسانی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے مثلاً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا لباس کیسا ہوا کرتا تھا، ان میں آرائش اور زیبائش کا کس نوعیت کا اور کس قدر ذوق تھا، ان کا مذہب کیا تھا اور ان کے اعتقادات کی نوعیت کیا تھی۔ اس زاد راہ آخرت کے علاوہ ان مقبروں کی دیواروں پر تصویر کشی کے ساتھ قدیم رسم الخط میں مختلف عباراتیں بھی

کنندہ کی گئی ہیں۔ جس سے اس عہد کی مکمل تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ان مقبروں سے دریافت شدہ باقیات اور ان کی دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہاں کے امراء اور سلاطین کی زندگی عوام سے بہت مختلف اور ممتاز تھی اور وہاں چھوٹے بڑے اعلیٰ و ادنیٰ اور حاکم و محکوم میں بہت نمایاں فرق تھا۔

وادی سندھ کے قدیم باشندوں نے نہ تو مقبرے چھوڑے ہیں نہ مقبروں پر بنی ہوئی تصویریں نہ ہی اب تک یہاں کی تحریریں ہی پڑھی جاسکی ہیں۔ یہاں مردوں یا زندوں سے متعلق ایسے نقوش جنکی مصر میں کثرت ہے دریافت نہیں ہوئے گویا یہاں موت و حیات کے درمیان بڑا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے لیکن اسکے باوجود یہاں عالیشان مقبروں کی غیر موجودگی اور دریافت شدہ چند قبروں کی تعمیر میں کسی غیر معمولی اہتمام کا فقدان ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہاں کا عام آدمی اپنے ہم عصروں میں آزادی اور ضروریات زندگی کی فراہمی میں نسبتاً مساوی حقوق کا مالک تھا۔ اور شاید یہاں کے سماج میں تکلیف دہ طبقاتی ناہمواریاں نہ تھیں بلکہ یہاں کے باشندے اطمینان آسائش اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سماج نے کچھ قاعدے اور قوانین مقرر کئے تھے جنکی پابندی سب پر فرض تھی۔ یہاں ایک منظم اور معقول بلدیاتی نظام رائج تھا اور اس سلسلے

میں شہر کو صاف رکھنے صفائی کی آسانی بہم پہنچانے
حفظان صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھنے کا خاص اہتمام کیا
جاتا تھا۔ مختلف مکانوں کی نگہداشت کے لئے چوکیداری کا
انتظام، بڑے بڑے کاروانسرائے، رفاہ عام کے گودام، عوامی کنویں،
تولنے اور ناپنے کے مختلف اور متوازن پیمانے ایک منظم سماجی
زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ موہنجودارو میں شہر کے انتظامی
معاملات میں مورہ عہد کے شورائی نظام یا گپتا عہد کی شہری
کونسلی نظام کے اثرات ضرور موجود ہوں گے¹ اور ہم قیاس
کرسکتے ہیں کہ اگر موہنجودارو میں اشرافیہ² یا عددیہ³
برسر اقتدار تھی تو یقیناً یہ تجارتی عددیہ⁴ رہی ہوگی⁵۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ گپتا عہد میں سب سے بڑے
تاجر کے علاوہ جو ناظم بلدیہ بھی ہوا کرتا تھا کاروانی تجارت کے
نمائندوں اہل حرفہ کے نمائندوں، اور اہل علم کا سماج میں خاص
مقام ہوا کرتا تھا۔ موہنجودارو میں بھی اس قسم کے نظام
کی موجودگی کوئی خوشفہمی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اس

۱ مسٹر سیتا رام کوہلی نے اپنی کتاب اندس ویلی سویلائزیشن میں صفحہ ۱۱
پر یہ ذکر کیا ہے کہ یہ خیال کرنا خوشفہمی نہ ہوگی کہ اسٹوپہ کے قریب کا
ستونوں والا حال موجودہ زمانہ کے میونسپل ہال یا ٹاؤن ہال کی طرح
مجلس بلدیہ کی اسمبلی کے طور استعمال ہوتا تھا اسی طرح پروفیسر اننگر
نے جرنل آف انڈین ہسٹری جلد ایک حصہ اول میں اس ضمن میں
بڑی دلچسپ باتیں کی ہیں لیکن اس قسم کی قیاس آرائیوں سے کوئی
ٹھوس نتیجہ مرتب نہیں کیا جاسکتا۔

2 Oligarchy 3 Aristocracy 4 Commercial Oligarchy

5 Dikshit - Prehistoric Civilization ; P, 24.

بات کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں کہ اس کی خوشحالی کا موجب اس کی داخلی اور خارجی تجارت تھی۔ دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے یہاں کشتیوں کے ذریعہ نہ صرف اندرون ملک سے ہی سامان آتا رہا ہوگا بلکہ مستولوں والی سمندری کشتیوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے بھی تجارت ہوتی ہوگی۔ اس کے علاوہ بلوچستان کے درون کے ذریعے یہ علاقہ ایران اور مشرق قریب کے دوسرے ملکوں سے خشکی کے راستوں سے بھی ملا ہوا تھا۔ اسی طرح کاٹھیاواڑ جنوبی ہندوستان اور دوسرے علاقوں سے یہاں تجارتی مال لانے والے قافلے آتے تھے۔ گویا کراچی کی طرح موہنجودارو بھی ایک بین الاقوامی نوعیت کا شہر تھا جس کا مزید ثبوت ان مختلف قوموں اور نسلوں کے ڈھانچوں اور کھوپڑیوں سے ملتا ہے جن کے مالکوں نے اس سر زمین میں اقامت اختیار کی اور بلاآخر یہیں مرے۔ اس کے برعکس مصر کے مقبروں میں ایک ہی نسل کے لوگوں کے ڈھانچے ملتے ہیں۔ وادی سندھ کی تجارت اور دولت کے فروغ اور امن اور فراغت کی سوجب یہی مختلف قومیں تھیں جنہوں نے اس کی ترقی کو چار چاند لگائے لیکن دور انحطاط میں یہ مختلف النسل آبادی اس تہذیب کی بربادی کا موجب بنی¹۔

1 Dikshit - Indus Civilization ; P, 25.

زراعت و خوراک

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے موہنجودارو تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ تجارتی منڈیاں اجاڑ اور بنجر علاقوں میں نہیں بنا کرتیں کیونکہ ان کی کثیر آبادی کی خوراک کے لئے نواح میں غلہ اور دوسری اشیائے خورد و نوش کی پیداوار لازمی ہے۔ چنانچہ موہنجودارو کے ابتدائی باشندے جب کبھی بلوچستان یا کسی دوسرے علاقے کی پہاڑیوں سے آئے ہوں گے تو انہوں نے وادی سندھ کی زرخیز اور سرسبز و شاداب سر زمین کی آغوش میں بڑی عافیت محسوس کی ہوگی۔ اور اس وقت اس کے دامن میں لہلہاتے ہوئے کھیت اور سونا اگلنے والی زمین اس تہذیب کے آغاز کا موجب بنی ہوگی۔ لیکن دریائے سندھ کی لائی ہوئی مٹی اور ریت کی تہوں نے ان ابتدائی کھیتوں اور آب رسانی کے انتظامات کے تمام نشانات مٹا دیئے ہیں اور اب ہم یہاں کی قدیم کاشتکاری اور فصلوں کا اندازہ دریافت شدہ باقیات سے ہی لگا سکتے ہیں یہاں گہیوں اور جو کے ایسے جلمے ہوئے دانے ملتے ہیں جو خود رو نہیں ہیں بلکہ اسی قسم کا گیہوں آج بھی مغربی پاکستان میں آگیا جاتا ہے۔ ایسا ہی جو مصر کے قدیم حکمرانوں کی قبروں میں بھی دستیاب ہوا ہے۔ یہ غلہ پتھر کی چپٹی یا گھوڑے کی زین جیسی شکل والی سلون پر پیسا جاتا تھا

کیونکہ اس وقت تک آٹا پیسنے والی دو پاٹ کی گول چکی دریافت نہیں ہوئی تھی۔ پیسنے سے پہلے لکڑیوں کی بنی ہوئی اوکھلیوں میں غلہ کی بھوسی دور کی جاتی تھی۔

ہڑپہ میں سٹر کے جلے ہوئے دانے تربوز کے بیج اور تل دریافت ہوئے ہیں۔ موہنجودارو میں کھجور کی چند گٹھلیاں بھی ملی ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ خلیج فارس سے درآمد کی گئی ہوں¹۔ اسی طرح ہڑپہ سے دریافت شدہ ایک مہر پر ایک ایسی تصویر بنائی گئی ہے جس پر ناریل کے درخت کا گمان ہوتا ہے وادی سندھ میں اس درخت کے وجود کا ثبوت اس برتن سے بھی ملتا ہے جو اس کے سخت چھلکے کا بنا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک مہر پر بنی ہوئی ایک تصویر پر انار کے درخت ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔

یہاں گیہوں اور جو کے علاوہ چاول اور دالیں بھی اوگائی جاتی ہونگی۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ترکاریاں بھی زاید فصل کی حیثیت سے بوئی جاتی ہونگی۔ دودھ کی فراوانی گائے اور بکری کی موجودگی سے ظاہر ہے۔ غلہ اور ترکاریوں کے علاوہ جانوروں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہوگا۔ کیونکہ یہاں کی گلیوں، سڑکوں اور مکانوں میں گائے بیل بھینسے بکری دریائی اور سمندری مچھلی گھڑیاں اور کچھوے کی لاتعداد ہڈیاں ملی ہیں۔

1 Wheeler - Indus Civilization ; P, 62.

لباس

وادی سندھ کی سب سے اہم دریافت روئی کے بنے ہوئے کپڑے کا وہ ٹکڑا ہے جو تانبے اور چاندی کے ظروف کے ہمراہ پایا گیا ہے۔ یہ روئی کی قدیم ترین دریافت ہے¹۔ کیونکہ مصر جہاں آج کافی مقدار میں روئی پیدا ہوتی ہے پرانے زمانے میں روئی سے محروم تھا۔ روئی کے لئے سنسکرت میں لفظ ”سندھو“ مستعمل ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روئی عہد قدیم میں سندھ ہی میں پیدا ہوتی تھی اس طرح بابلی زبان میں روئی کیلئے لفظ سندھو اور یونانی زبان میں لفظ ”سنڈن“ بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ روئی سندھ سے ان ممالک میں خام پیداوار اور کپڑے کی شکل میں برآمد کی جاتی ہوگی²۔ کپاس کے علاوہ کالی تلسی کا ریشہ بھی کپڑے بنانے کے کام آتا تھا کیونکہ سچھلی پکڑنے کے ایک کانٹے پر اس قسم کا دھاگا لپٹا ہوا پایا گیا تھا جو اس کے ریشوں سے بنایا گیا تھا۔

کپڑا زیادہ دنوں تک زیر زمین دفن رہنے پر دیمک اور دوسرے کیڑے مکوڑوں اور زمین کے کھار کی نظر ہوجاتا ہے چنانچہ وادی سندھ میں اوپر بیان کئے ہوئے ٹکڑے کے علاوہ کوئی اور کپڑا دریافت نہیں ہوا ہے۔ لیکن تقریباً ہر گھر

1 Wheeler - The Indus Civilization ; P,62.

2 Kohli, Sita Ram- The Indus Valley Civilization ; P,17.

سے سوت کاٹنے کی تکلیاں برآمد ہوئی ہیں۔ یہ تکلیاں قیمتی اشیا سے لیکر مٹی اور گھونگھے تک کی ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ امیز و غریب سب فرصت کے اوقات میں سوت کاٹا کرتے تھے^۱۔ یہاں مختلف نسلوں کے لوگ رہا کرتے تھے۔ اور خیال ہے کہ ان کے لباس بھی مختلف رہے ہونگے مگر ہڑپہ اور موہنجودارو کی باقیات اس سلسلے میں ہماری زیادہ مدد نہیں کرتیں صرف چند مجسمے اور برتنوں پر بنے ہوئے نقوش ہی یہاں کے باشندوں کے طریق لباس کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ لباس کی ترتیب ڈیزائن سے یہ لوگ بیگانہ نہ تھے بالخصوص نسوانی مجسمے اس قسم کے مطالعہ کے لئے زیادہ مفید ہیں جن سے لباس کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً عورتیں عام طریقے پر ایک زیر جامعہ (تہ بند کی قسم کی چیز) پہنتی تھیں جس کو کمر پر منکے پروئی ہوئی کردھنی یا بٹی ہوئی ڈور یا کمر بند سے اس طرح باندھتی تھیں کہ سامنے کی طرف بروج یا پھندے کی شکل بن جاتی تھی۔ یہ زیر جامعے گھٹنے کے اوپر ہی ختم ہوجاتے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عورتیں ناف سے اوپر کوئی کپڑا ہی نہ پہنتی تھیں جیسا کہ انڈونیشیا میں جزیرہ بالی میں ایک خاص قوم کی عورتیں آج بھی ناف سے اوپر کوئی کپڑا پہنا معیوب سمجھتی ہیں۔ مٹی کی ایسی لاتعداد نسوانی

سورتیاں سلی ہیں جن کے جسم کے اوپر کوئی کپڑا نہیں البتہ ان کے گلے اور سینے پر لاتعداد ہار اور مالائیں پڑی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاتھ میں لاتعداد چوڑیاں ہیں لیکن یہ سورتیاں مادر ارض کا مجسمہ ہیں جنکی تقدیس سترپوشی اور عریانیت کی قید و بند سے آزاد سمجھی جاتی ہوگی۔ اس کے علاوہ کانسے کے بالکل عریاں مجسمے ملے ہیں جنکو رقصاؤں کا مجسمہ کہا گیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قدیم مصر کی رقصاؤں کی طرح بعض رقصوں میں وادی سندھ کی رقصائیں رقص کے وقت برہنہ رہتی ہوں۔ لیکن ان مجسموں کی روشنی میں یہاں کی عورتوں کی نیم عریانیت یا عریانیت کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

عورتوں کے مجسموں اور مہروں پر بنی ہوئی تصویروں کے سر پر پنکھے کی شکل کی ایک پوشش بھی نظر آتی ہے لیکن ابھی تک اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا کہ یہ کس چیز کا بنایا جاتا تھا قیاس ہے کہ سوتی کپڑے کو کلف دیکر کسی سانچے پر منڈھ دیا جاتا ہوگا اسی طرح اکثر مجسموں کے دونوں کانوں کے پاس دو کٹوریاں جیسی لگائی گئی ہیں جو کافی وزنی ہوتی تھیں کیونکہ بعض بعض مجسموں میں ان کو سر سے اٹکا کر ان کی گرانباری کم کی گئی ہے۔ (پلیٹ نمبر ۱۸-الف) سروالی پنکھے کی شکل کی پوشش ہم کو مضحکہ خیز معلوم

ہوتی ہے لیکن منگولیا کی چند قومیں آج بھی ایسی پوشش استعمال کرتی ہیں¹۔

مرد معمولی کپڑے پہنتے تھے رؤسا سوزن کاری کئے ہوئے نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ لیکن عام پوشاک کے بارے میں اندازہ لگانا بہت دشوار ہے۔ کیونکہ بعض مجسمے تو بالکل برہنہ ہیں اور بعض میں ستر پوشی کے لئے ایک پتلی پٹی سی نظر آتی ہے۔ بعض مجسموں سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سادی یا سوزن کاری کی ہوئی چادر اس طرح اوڑھی جاتی تھی کہ بائیں بازو ڈھانکے ہوئے دائیں ہاتھ کی بغل سے گزر کر پیٹھ کی طرف مڑ جاتی تھی اس طرح سے دایاں بازو بالکل آزاد رہتا تھا۔ ایک مجسمے میں بالکل ایسی ہی چادر گھٹنے تک لٹکتی دکھائی گئی ہے آج بھی ہندوستان میں پرانی وضع کے لوگ اسی طرح چادر لپیٹتے ہیں اور یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ یجرود میں اس طرح چادر پہننے کے طریقے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس کو یوپاویٹا² کہا گیا ہے³۔ اس کے علاوہ سہاتما گوتم بدھ کے پتھروں کے مجسموں میں بھی چادر اسی طرح لپیٹی دکھائی گئی ہے۔

ایک مجسمے میں کمر سے بندھی ہوئی ازار جیسی پوشاک دکھائی گئی ہے ہوسکتا ہے کہ یہ دھوتی ہو جس

1 Mackay - The Indus Civilization ; P, 102.

2 Upavita

3 Kohli Sita Ram - The Indus Civilization

1934, P, 17,

کولپیٹ کر بنایا گیا ہو۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ عام طریقے پر تپتیا ڈیزائن کی شال اوڑھا کرتے تھے لیکن عام لوگ کمر سے اوپر کوئی کپڑا نہ پہنتے تھے صرف جسم کے نچلے حصے کو کسی کپڑے سے ڈھانک لیتے تھے یہ رواج آج بھی ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں موجود ہے¹۔ یہ لوگ سوتی کپڑے کے علاوہ کینوس کی طرح موٹے کپڑے پہننا بھی جانتے تھے کیونکہ اس قسم کے کپڑوں کی رگڑ کے نشانات سہروں پر ملتے ہیں البتہ کتان اور اونی کپڑوں کے استعمال کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی عہد میں ایلام اور سمیر میں کتان کا رواج تھا اور ہو سکتا ہے کہ وادی سندھ کے لوگ اسے درآمد کرتے اور استعمال کرتے ہوں اسی طرح اون کے استعمال کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن یہاں کی بھیڑ بکریاں اونی کپڑے کی تیاری کے لئے کافی خام مال فراہم کرتی ہونگی اور وادی سندھ کے لوگوں نے تہذیب کے جو مدارج طے کر لئے تھے اس سے یہ اندازہ لگانا غلط نہ ہوگا کہ شاید وہ اونی کپڑا تیار کرنا بھی جانتے تھے۔

آرائش گیسو

آرائش گیسو کے طریقوں کے بارے میں عورتوں کی بہ نسبت مردوں سے متعلق زیادہ شواہد دریافت ہوئے ہیں

1 Dikshit - Prehistoric Civilization of the Indus Valley ; P, 26,

کیونکہ اوپر بیان کئے ہوئے سروں کی پوششوں کی وجہ سے عورتوں کے بال ڈھکے ہوئے ہیں۔ البتہ ایک مجسمے میں عورت کے گھنگریالے بال پیچھے کی جانب پڑے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور ٹوٹے ہوئے مجسمے کے بال بھی پیچھے پڑے نظر آتے ہیں۔

بعض نسوانی مورتیوں میں بالوں کو چوٹی گوندھ کر پشت کی جانب پھندا ڈال دیا گیا ہے۔ یہ طریقہ آج کل بھی رائج ہے۔ کانسرے کی رقاہ کے مجسمے کے بالوں کو یوں آراستہ کیا ہے کہ سامنے کی طرف ایک بل کھائی ہو اونچی لہر بن گئی ہے اور باقی بالوں کی چوٹی گوندھ کر دایاں کان چھپاتے ہوئے گردن اور شانے پر ڈال دیا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۱۴-الف) عورتیں بالوں میں موباف اور کنگھی اڑستی تھیں۔

مردوں کے بال سنوارنے کے طریقے مختلف ہیں۔ راج پروہت کے بال پٹے نما ہیں ان کی پیشانی کے پیچ سے مانگ نکالی گئی ہے۔ اور زلفوں کو موباف سے کس کر باندھا گیا ہے۔ جیسا کہ سمیر میں بھی دستور تھا۔ ایک مجسمے کے بالوں کے جوڑے کے پیچ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بالوں کو گوندھ کر چوٹی بنائی جاتی تھی اور پھر اس چوٹی کو لپیٹ کر جوڑا بنایا جاتا تھا مٹی کے چند مجسموں میں بالوں کا جوڑا سر کے اوپر چھلے کی شکل میں بنایا گیا ہے۔ بالوں کے ایسے چھلے بھی بنائے جاتے تھے جو کانوں

کو ڈھانپ لیتے تھے - ایک بچے کے مجسمے کے بال گھنگریالے دکھائے گئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے بال گھنگر یا لے ہوتے ہوں -

وادی 'سندھ' کے لوگوں میں داڑھی ترشوانے کے مختلف طریقے رائج تھے - بعض مجسموں کی داڑھیاں خشخشی دکھائی گئی ہیں بعض کے اوپری لب تراشیدہ ہیں جیسا کہ سمیر میں بھی دستور تھا لیکن ایسے مجسمے بھی ملے ہیں جن کی لبیں تراشیدہ نہیں ہیں - ایک مجسمے کی داڑھی چھوٹی اور باہر کی جانب نکلی ہوئی ہے اسی طرح مٹی کے ایک مجسمے کی داڑھی اندر کی طرف گھومی ہوئی ہے اور مصریوں کی باہر کی طرف نکلی ہوئی مصنوعی داڑھی کے بالکل برعکس ہے - ایک شبیہ کا پورا کلاہ صاف ہے البتہ ٹھوڑی کے نیچے کچھ بال چھدرے چھدرے آگے ہوئے ہیں - ان مجسموں میں سب نہیں تو چند تو ضرور دیوتاؤں کے بت ہیں لیکن دوسرے تمام مجسموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وادی 'سندھ' کے قدیم لوگوں کی داڑھیاں تراشیدہ اور چھوٹی ہوتی تھیں - اور سمیر کے لوگوں کی طرح لمبی اور گھنیری نہ ہوتی تھیں - کچھ لوگ گمچھے بنی رکھتے تھے -

زیورات

برصغیر ہند و پاکستان کی خواتین ہمیشہ سے زیورات

کی دلدادہ رہی ہیں۔ وادی سندھ کی خواتین کا خمیر بھی اسی مٹی سے بنا تھا چنانچہ وہ بھی حسن و جمال کی آرایش کیلئے زیورات کثرت سے استعمال کرتی تھیں۔ ہڑپہ اور موہنجودارو میں سونے چاندی کی ملی جلی دھات، تانبا، کانسا، سیپ، گھونگھے، ہاتھی دانت اور کئی قسم کے قیمتی اور نیم قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے زیورات دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ زیورات چاندی تانبے یا کانسے کے برتنوں میں رکھے ہوئے پائے گئے ہیں کچھ زیورات متفرق طور پر بھی ملے ہیں۔ زیورات اکثر و بیشتر مکانوں کے فرش کے نیچے یا دیواروں کے اندر احتیاط سے دفن کئے ہوئے پائے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں نے کسی عارضی خوف کی وجہ سے ان کو اس خیال سے دفن کر دیا تھا کہ اطمینان کے وقت نکال لیں گے لیکن شاید وہ وقت نہ آسکا یہاں تک کہ ہزاروں سال بعد آثار قدیمہ کے ماہروں نے انکو باہر نکالا۔

زیورات کی سب سے دلچسپ دریافت رائے بہادر دیارام ساہنی کے نکالے ہوئے چند قیمتی ہار اور منکے ہیں جو چاندی کے ایک برتن میں رکھ کر دفن کئے گئے تھے جن کے قریب ہی کچھ زیورات زمین پر بکھرے ہوئے پائے گئے تھے۔ اس برتن کو اچھی طرح کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا گیا تھا اور اس کپڑے کا بہت چھوٹا سا ٹکڑا خاک ہو جانے سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح مسٹر ڈیکشٹ کو

چاندی کے برتن میں بہت خوبصورت ہار سونے اور چاندی کی کچھ چیزیں اور موباف وغیرہ ملے تھے۔ ہڑپہ میں مسٹر وٹس کو ایک بیش قیمت ہار چاندی کے ایک ڈبہ میں رکھا ہوا ملا تھا اس ہار میں ہرے اور نیلے نیم قیمتی پتھروں کے منکے اور سونے کے گول دانے ایک ایسی لڑی میں پروئے ہوئے تھے جس کے بیچ میں عقیق اور یشب کے آویزے بھی ڈالے گئے ہیں۔ اس کی بناوٹ بڑی نفیس اور نہایت سبک ہے جو ان لوگوں کے جمالیاتی ذوق کی مظہر ہے اس ہار کے ہمراہ بہت سے کڑے اور انگوٹھیاں بھی ملی ہیں۔

ایک ایسے مکان کے فرش کے نیچے سے جس میں کچی اینٹیں جمع کی گئی تھیں تانبے کی ایک ڈھکنے دار ہانڈی برآمد ہوئی تھی جس میں سونے کی کیلوں کے علاوہ چاندی کے بندے دوسرے زیورات اور عقیق کے منکوں کی دو کردھنیاں ملی تھیں۔ ان کردھنیوں میں چھ لڑیاں ہیں ہر لڑی میں لمبی ڈھولک کی شکل کے سرخ عقیق کے پانچ منکے پروئے گئے ہیں۔ ان منکوں کے دونوں سروں پر کانسے کے بنے ہوئے گول دانے پڑے ہیں ان دانوں کے درمیان کانسے کی ایسی کھڑی پٹیاں پروئی گئی ہیں جن میں چھ سوراخ ہیں اور ہر سوراخ سے لڑیوں کی ڈوریاں گذرتی ہیں۔ اس تین فٹ چار انچ لمبی کردھنی کے دونوں سروں پر کانسے کی D شکل کے کون ہیں جن میں ایک طرف تو چھ سوراخ ہیں اور دوسری

طرف ایک چنانچہ یہ لڑیاں ان چھ سوراخوں سے گذر کر ایک سوراخ سے باہر آتی ہیں اور آپس میں مل جاتی ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۱۳-الف-۱۰۰) عقیق کے منکوں کے اوپر اور ان کے سوراخوں میں نہایت صفائی سے پالش کی گئی ہے اور خیال ہے کہ ان میں پتھر یا تانبے کے برموں سے سوراخ کئے گئے ہونگے اور ان کو چمکانے اور پالش کرنے کے لئے سنبازج کا سفوف استعمال کیا گیا ہوگا سستی اور معمولی کردھنیاں بھی ملی ہیں۔ جن میں عقیق کے بجائے پکائی ہوئی مٹی کے خوبصورت دانے پڑے ہیں لیکن ان کی وضع قطع قیمتی کردھنیوں کی سی ہے۔

ان کے علاوہ یہاں سے کئی قسم کے ہار بھی ملے ہیں۔ جن میں سے ایک انوکھی وضع کا خوبصورت ہار قابل ذکر ہے اس ہار میں صرف ایک لڑی ہے جس میں سبز نیم قیمتی پتھر کے ڈھول کی شکل کے منکے پروئے گئے ہیں۔ ان منکوں کے دونوں طرف ایک ایک گول دانہ پڑا ہے۔ ان دانوں کے بعد سونے کی چپٹی دو ورقی گول پتیاں ہیں جن کو اس طرح جوڑا گیا ہے کہ ان کے بیچ میں لڑی کی ڈور گذرنے کے لئے نالی رکھی گئی ہے۔ اس میں عقیق یعنی اوریشب کے سات آویزے پروئے گئے ہیں اور اس طرح یہ پورا ہار بڑا جاذب نظر دکھائی پڑتا ہے۔ (پلیٹ نمبر ۱۳-ب-۷)

دست بند، کنگن اور کڑے بھی کافی تعداد میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان کا بہترین نمونہ چھ لڑیوں والا وہ دست بند

ہے جس میں سوئے کے گول منکے پروئے گئے ہیں۔ سات سات منکوں کے درمیان سوئے کی چھ چپٹی پتیاں لگائی گئی ہیں ہر پتی میں چھ سوراخ ہیں اور ہر سوراخ میں ایک لڑی گذرتی ہے۔ اس کے دونوں سروں پر **D** شکل کے کون لگائے گئے ہیں جن میں ایک طرف چھ سوراخ ہیں اور دوسری طرف صرف ایک۔ یہ لڑیاں ان سوراخوں سے گذر کر ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۱۳-ب-۳) ایسے سادے اور خوبصورت دست بند موہنجودارو میں کئی مقامات پر ملے ہیں۔

وادی سندھ کے قدیم باشندے بال باندھنے کے لئے موباف استعمال کرتے تھے یہ موباف عام طور پر نصف انچ چوڑی سوئے چاندی اور دوسری دھاتوں کی بنی ہوئی پتلی پٹیاں ہوتی تھیں جن کی وضع سیدھی مخروطی یا محراب دار ہوتی تھی (پلیٹ نمبر ۱۵-۳) بعض بعض موباف ۱-۶ انچ تک لمبے ہوتے تھے اور ان کے کناروں پر سوراخ ہوتے تھے۔ جن میں دھاگا ڈال کر ان کو سروں کے گرد باندھا جاتا تھا بعض موباف پر کسی نوکیلی چیز سے نقطے ڈال کر نقاشی کی گئی ہے۔ سمیر میں بھی ایسے موباف کثرت سے مستعمل تھے۔ پیشانی پر نوکیلے قسم کا جھومر استعمال کیا جاتا تھا۔ ایسے جھومر مارواڑی عورتیں آجکل بھی پہنتی ہیں۔ کانوں میں بالیاں پہننے کے رواج کا اندازہ مجسموں پر بنی ہوئی نقاشی سے لگایا گیا ہے۔ لیکن بالیاں شاذ و نادر ہی دریافت ہوئی ہیں۔ سوئے

کی بنی ہوئی دندان دار چند ایسی ٹکیاں ملی ہیں جن کے پیچھے کیل جڑی ہوئی ہے لیکن یہ ناک کی کیل کی بہ نسبت کانوں کے ٹاپس سے زیادہ مشابہ ہیں۔

ہاتھوں میں کنگن اور دست بند کے علاوہ چوڑیاں پہننے کا عام رواج تھا یہ چوڑیاں سونے چاندی، تانبے، کانسے ہاتھی دانت اور مٹی کی بنی ہوئی ہوتی تھیں سونے اور چاندی کی چند پولی اور کھوکھلی چوڑیاں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ غریب عورتیں مٹی کی چوڑیاں پہنتی تھیں۔ جو نہایت نفاست سے بنائی جاتی تھیں۔ بعض چوڑیوں پر تصویری نقاشی بھی کی گئی ہے۔ رقاہہ کے مجسمے کے بائیں ہاتھ میں کلائی سے بغل تک چوڑیاں ہی چوڑیاں نظر آتی ہیں سندھ اور گجرات (ہندوستان) میں آج بھی پورے پورے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنی جاتی ہیں۔ خیال ہے کہ رقاہہ کے ہاتھ کی چوڑیاں یا تو ہاتھی دانت کی تھیں یا سنکھ کی کیونکہ اگر یہ کسی دھات یا مٹی کی بنی ہوئی ہوتیں تو ان کے بوجھ کی وجہ سے ہاتھ اٹھانا بھی مشکل ہو جاتا۔ شیشے کی چوڑیاں موہنجودارو میں دریافت نہیں ہوئی ہیں اور نہ ہی شیشے کی کوئی دوسری چیز ملی ہے۔

انگلیوں کی زیبائش انگوٹھیوں اور چھلوں سے کی جاتی تھی ان انگوٹھیوں میں بعض بالکل سادہ گول یا چپٹے تار کے چھلوں جیسی ہیں۔ بعض ایک ہی تار کو کئی بار

چھلوں کی شکل میں موڑ کر بنائی گئی ہیں۔ اس طرز پر بنے ہوئے چھلوں میں سات سات پھیر ہیں۔ عام طور پر انگوٹھیاں تانبے یا کانسے کی بنائی جاتی تھیں۔ چاندی کی صرف ایک انگوٹھی ملی ہے جس میں ایک چپٹے تار کے اوپر نگ رکھنے کی جگہ چپٹے چوکور ماتھے پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے خطوط کھینچے گئے ہیں۔

پیروں میں کڑے پہننے کا رواج تھا۔ مٹی کے چند مجسموں کے پیروں میں کڑے پائے گئے ہیں۔ کانسے کے ایک مجسمے کے پیروں میں بالکل اسی قسم کا کڑا پڑا ہے جیسا کہ آج بھی شملہ (ہندوستان) کی پہاڑی عورتیں پہنتی ہیں۔ اسی قسم کے کڑے کریٹ میں بھی پہنے جاتے تھے۔

بالوں میں کنگھا لگایا جاتا تھا۔ ایک دھرمے دندانے والا ہاتھی دانت کا بنا ہوا کنگھا جسکے دونوں طرف گول دائروں کی نقاشی کی گئی ہے ایک نوجوان خاتون کے کاسہ کے قریب ملا تھا۔ ایک اور V شکل کا کنگھا بھی دریافت ہوا ہے (پلیٹ نمبر ۱۵ - ۲)۔ ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک خوبصورت کنگھی بھی ملی ہے جس میں موجودہ کنگھیوں کی طرح دونوں طرف دندانے ہیں (پلیٹ نمبر ۱۵ - ۱)۔

تانبے کانسے اور چینی کے گول بٹن بھی دریافت

دونوں دندائے ہیں (پلیٹ نمبر ۱۵-۲)۔ یہ شکل و صورت میں عام طور پر مالٹا، پرتگال اور جنوبی فرانس کے بٹنوں سے مشابہ ہیں جو وضع میں سادہ ہیں اور ان کے پشت کی جانب تاگا پروئے کیلئے دو سوراخ بنائے گئے ہیں۔ کانسرے کے بٹن گھنڈی نما ہیں اور ان میں اوپری جانب دو سوراخ ہیں۔

سنگھار

وادی سندھ کی عورتیں سنگھار کی دلدارہ اور مشاق تھیں اور افزائش حسن کے لئے سرمہ اور غازہ استعمال کرتی تھیں۔ چنانچہ سرمہ دانیاں اور سلائیاں کثیر تعداد میں پائی گئی ہیں ان کی اس کثرت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً مرد اور عورتیں دونوں سرمہ لگاتے تھے۔ آجکل بھی سندھ میں سرمہ عام طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سرمے کے علاوہ گھونگھے اور سیپ کی ڈبیوں میں سرخ رنگ کا سفوف بھی ملا ہے جو غالباً غازے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ایسی ہی ڈبیوں میں اسی قسم کا غازہ کش اور آر کے مقبروں سے بھی دریافت ہوا ہے۔

ہڑپہ اور ہنجودارو میں سیسے کا کار بونیٹ بھی ملا ہے جو شاید چہرے کو سفید کرنے کیلئے استعمال کیا

جاتا ہوگا۔ اس کے علاوہ تزیین کے لئے شنگرف بھی مستعمل تھا۔ ایک قسم کا ایسا سبز مادہ بھی دریافت ہوا ہے جسکے بارے میں مسٹر میکی کا خیال ہے کہ وہ شاید کاجل کی طرح استعمال کیا جاتا ہو جیسا کہ مصر میں ملاکیٹ^۱ مستعمل تھا^۲۔ تانبے کے گول آئینے بھی ملے ہیں جنکے کنارے جلا محفوظ رکھنے کے لئے ابھرے رکھے جاتے تھے۔ پیروں کو صاف کرنے کے لئے مٹی کے جھانوںے استعمال کئے جاتے تھے۔

کھلونے

وادی سندھ کے قدیم بچے اسکے موجودہ بچوں کی طرح کھلونوں کے معاملے میں خوش قسمت تھے۔ یہاں لاتعداد کھلونے ملے ہیں جن سے یہ بھی اندازہ لگتا ہے کہ اس عہد کے والدین اپنے بچوں کی دلچسپی اور انکے کھیل کود پر کتنی توجہ دیتے تھے یہاں مٹی، سیپ، پتھر اور ہاتھی دانت کے ہر قسم کے کھلونے پائے گئے ہیں جو اس صنعت کی ترقی کے مظہر ہیں (پلیٹ نمبر ۱۶-۱۷) خیال ہے کہ لکڑی کے کھلونے بھی بنائے جاتے ہونگے جو تلف ہو گئے البتہ مٹی کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی

۱ ایک سبز رنگ کی معدنی شے جو تانبے کے کاربونیٹ سے مرکب ہے۔

۲ Mackay—The Indus Civilization; P P, 119—120.

گاڑیاں بکثرت ملی ہیں جو وضع قطع میں ان بیل گاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں جو آجکل بھی شمالی سندھ کے دیہاتوں میں سڑکوں پر چلتی نظر آتی ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۱۷-۱ و ۳) ان سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ موہنجودارو کے لوگ مسافرت اور باربرداری کے لئے بیل گاڑیاں استعمال کرتے تھے۔ چند گاڑیوں کے ساتھ ساتھ مٹی کے بنے ہوئے بیل بھی ملے ہیں۔ یہاں ایسے رتھ دریافت نہیں ہوئے ہیں جو عام طریقہ پر میدان جنگ میں کام آتے تھے۔

کھلونوں میں وہ جھنجھنے خاص طور پر دلچسپ ہیں جو گیند کی طرح گول اور اندر سے کھوکھلے ہیں انکے اندر چھوٹی چھوٹی کنکریاں پڑی ہوئی ہیں جنکے ہلنے سے آواز پیدا ہوتی ہے یہ کھلونے بچوں کیلئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ ایسی چڑیاں بھی ملی ہیں جو کھوکھلی ہیں جنکی دم کے پاس ایک سوراخ ہے۔ یہ بچوں کی سیٹیاں تھیں۔ انکی دم کے سوراخ میں پھونکنے پر آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ اور کئی قسم کی بنی ہوئی چڑیاں ملی ہیں ایک چڑیا چونچ کھولے ہوئے دکھائی گئی ہے گویا چونچوں کر رہی ہے۔ ہڑپہ اور موہنجودارو میں چڑیوں کے پنجرے بھی ملے ہیں۔ جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چڑیاں پالی بھی جاتی تھیں۔

ایک پنجرے کی کھڑکی سے ایک چڑیا باہر نکلتی

ہوئی دکھائی گئی^۱۔ بانس پر چڑھتے ہوئے بندر، یا کسی دوسرے جانور کے بھی بہت سے نمونے ملے ہیں۔ انکے علاوہ چھوٹے سینگوں والے بیل گینڈے، بھینس، شیر، سور، بندر، کتا، خرگوش، بکری، آبی جانوروں میں مچھلی مگر مچھ اور کچھوا پرندوں میں مرغی، طوطے اور فاختہ کے بھی چھوٹے چھوٹے مجسمے دریافت ہوئے ہیں۔ ترازو کے چند چھوٹے چھوٹے پلڑے بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں ڈوریاں ڈالنے کے سوراخ بھی ہیں۔ پلڑے بہت بھدے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچوں نے بنائے ہیں۔ اسی طرح گھروں میں برتنے والے برتنوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے مٹی کے کھلونے بھی پائے گئے ہیں اور ان میں سے بعض بعض پر تو بچوں کی ننھی ننھی انگلیوں کے نشان بھی ہیں۔ عہد طفولیت کی معصوم مشغولیت کے بہ نشان کتنے دلچسپ ہیں!

اعلیٰ قسم کے بنے ہوئے کھلونوں میں ایسی قسم کے جانور ہیں جنکے سر دھڑ سے الگ بنائے گئے ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۱۷-۲) یہ سر کھوکھلی گردن میں ایک ہک

۱ اکثر ماہرین آثار نے اس کو چڑیوں کا پنجرہ کہا ہے۔ لیکن یہ قیاس زیادہ صحیح نہیں کیونکہ ان کی جسامت اتنی چھوٹی ہے کہ ان میں چڑیا سما نہیں سکتی۔ چند محققین کا خیال ہے کہ یہ مٹی کے گول قندیل ہیں جن سے روشنی چھن چھن کر باہر آتی ہوگی اور بلبلی والی شبیہ دراصل ٹڈا ہے جو روشنی کی کشش سے قندیل کے پاس آیا ہے

کے ذریعہ پہنسائے جاتے تھے اور کوہان میں ایک سوراخ کر کے اس کے اندر سے ایک ایک ڈور گزار کر ان سروں میں باندھ دی جاتی تھی۔ اس طرح ڈور کھینچنے پر یہ سر ہلتے تھے اسی طرح بندر کی ہمشکل ایک جانور ملا ہے جسکے ہاتھ ہلتے ہیں۔ ایسے کھلونے بھی ملے ہیں جن میں اس حکمت سے سوراخ کئے گئے ہیں کہ ان میں تاگا ڈال کر حسب دلخواہ رفتار سے اوپر نیچے دوڑایا جاسکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے لڑکیوں کا محبوب ترین کھلونا یعنی گڑیا کہیں نہیں ملی۔ یہ کپڑے یا لکڑی کی بنائی جاتی تھی اس لئے امتداد زمانہ سے تلف ہو گئی ہوگی۔


تفریح

پانسہ — برصغیر ہند و پاکستان کی ابتدائی تاریخ میں پانسہ کو بڑا دخل رہا ہے۔ اسی کی بدولت یدھسٹر راج پاٹ دھن دولت حتیٰ کہ اپنی رانی درو پدی تک سے ہاتھ دھو بیٹھا اسی طرح راجہ نل کا قصہ بھی زبان زد خاص و عام ہے اور آج بھی پانسہ اور کوڑیاں کھیلنے والے راجہ نل کی دھائی دیتے ہیں۔ رگ وید میں بھی اس کھیل کا کئی مقامات پر ذکر ہے لیکن یہ کھیل اس عہد سے بھی بہت قدیم ہے اور وادی سندھ کے لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ وادی سندھ کے پانسے مٹی اور پتھر کے بنے ہیں

ان کی چھ سمتوں میں مختلف تعداد میں گول نشان بنے ہیں۔ یہ نشان ایک سے چھ تک ہیں اور اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک کے بالمقابل دو ھے تین کے بالمقابل چار اور پانچ کے مقابل چھ۔ اس قسم کا مٹی کا بنا ہوا ایک پانسہ موصل کے قریب ٹیپ گوارا کی چوتھی تہ سے ملا ھے جو تقریباً ۲۴۵۰ سال قبل مسیح کا بنا ہوا ھے^۱۔ بعض پانسوں کے کوئے گھسے ہوئے ہیں غالباً انکو کسی نرم چیز پر پھینکا جاتا ہوگا۔ بعض چوکور پانسوں میں جو عام طور پر ہاتھی دانت کے بنائے گئے ہیں تین سمتوں میں تو ایک دو اور تین نشانات ہیں اور چوتھی سمت میں لمبے لمبے خطوط کھینچے گئے ہیں۔ کچھ پانسوں کے ہر جانب مختلف تصویری تحریر ھے جو ابھی تک پڑھی نہیں جاسکتی۔ ایسے کندہ پانسے بھی دریافت ہوئے جنہیں نجومی قسمت کا حال بتانے میں استعمال کرتے ہیں۔ (پلیٹ نمبر-۱۱)

سوجودہ شطرنج کے پیادوں کی طرح مٹی پتھر اور یشب کے لاتعداد مہرے ملے ہیں انمیں سے بعض بہت خوبصورت ہیں۔ یہ جسامت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ بات یقینی طور سے نہیں کہی جاسکتی کہ واقعی شطرنج کے مہرے ہی ہوں گے (پلیٹ نمبر ۱۵ - ۴)۔

1 Wheeler—The Indus Civilization; P, 69,

موہنجودارو سے ایک ایسی اینٹ بھی دریافت ہوئی ہے جس پر چار چوکور خانوں کی تین قطاریں کھدی ہوئی ہیں ان میں سے ایک خانہ میں متوازی الاضلاع اور اسکے وتر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔ گویا اس کی شکل  کی طرح کی ہے۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ چوسر کی بساط کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس اینٹ کے ساتھ ہی اس قسم کی اور اینٹیں ہونگی جس سے تین خانوں کی دس قطاریں ہونگی اور ان پر مصریوں کی طرح دسی¹ کھیلی جاتی تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس میں چھبیس خانے تھے جو اس طرح بنائے گئے ہوں گے کہ ایک طرف تین قطاروں میں بارہ خانے دوسری طرف دو قطاروں میں بارہ خانے اور ان دونوں کے بیچ میں دو خانے ہوں تو یہ سر وولی² کی آر سے دریافت کی ہوئی سمیری بساط سے مماثلت رکھتی ہوگی۔ یہ اینٹ ایک فرش سے دستیاب ہوئی ہے اور یہ کھیل فرش پر بیٹھ کر ہی کھیلے جاتے ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی اینٹیں ملی ہیں اور یہ قیاس صداقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ چوسر اور سربگھی کے قسم کے کھیل یہاں کھیلے جاتے ہوں گے۔ البتہ ان کا نام کچھ اور رہا ہوگا۔ اور کھیلنے کے طریقے بھی مختلف ہوں گے۔ یہاں مٹی اور پتھر کی بہت سی گولیاں بھی ملی ہیں۔

1 Sent.

2 Sir Leonard Wooley.

ایک مہر پر دو پرندے ایک دوسرے پر جھپٹتے دکھائے گئے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پرندے بازی بھی یہاں کا محبوب مشغلہ تھا اور جس طرح آج کل بلبل، مرغ، تیترا اور بٹیریں لڑائی جاتی ہیں اسی طرح وادی سندھ کے لوگ بھی پالیاں بدلتے ہوں گے۔ یلوں کی لڑائی ہوتی ہوگی۔ مرغ لڑتے ہوں گے بہرحال یہ تفریحیں نئی نہیں ان کا وجود کریٹ کی پرانی تہذیب میں بھی ملتا ہے۔

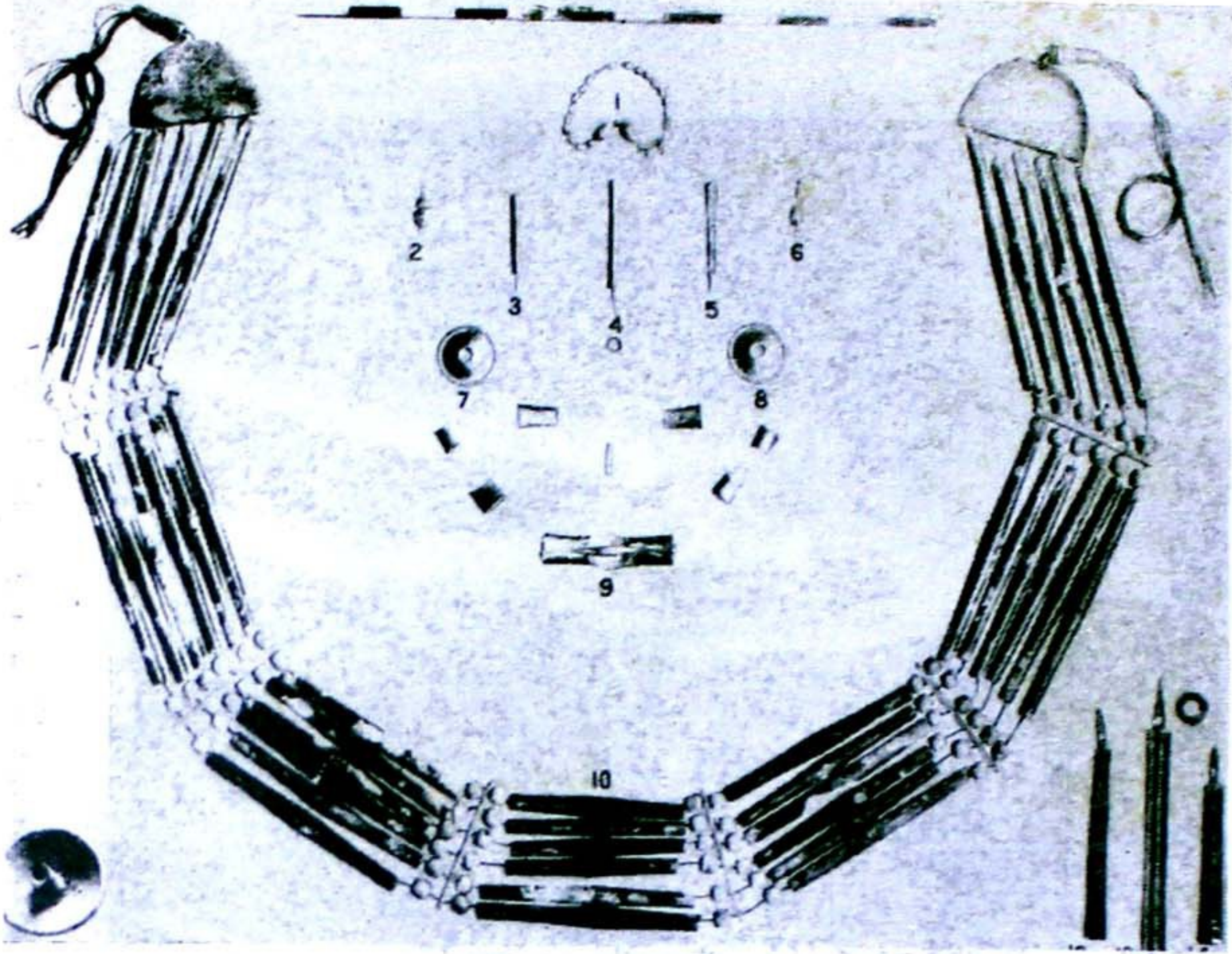
شکار

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وادی سندھ کے لوگ گوشت خور تھے وہ پالتوں جانوروں کے علاوہ جنگلی جانوروں کو شکار کر کے بھی گوشت فراہم کرتے تھے۔ ایک مہر پر دو آدمیوں کو تیر کے ذریعہ ہرن کا شکار کرتے دکھایا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۲۲-۳) دوسری مہر پر جنگلی بکری کو ہدف بنایا گیا ہے۔ اسی طرح موہنجودارو کے ایک مقام سے بہت سے تیر ملے ہیں جن کو شکار میں استعمال کیا جاتا ہوگا۔ یہاں کی تصویری تحریر میں بھی تیر کمان کے نشان ملتے ہیں ان کے علاوہ مٹی کی پختہ گولیاں یا غلے بھی ملے ہیں جن سے کمان کی شکل کی غلیل کے ذریعہ چڑیوں کا شکار کیا جاتا تھا۔ چوہوں کے پکڑنے

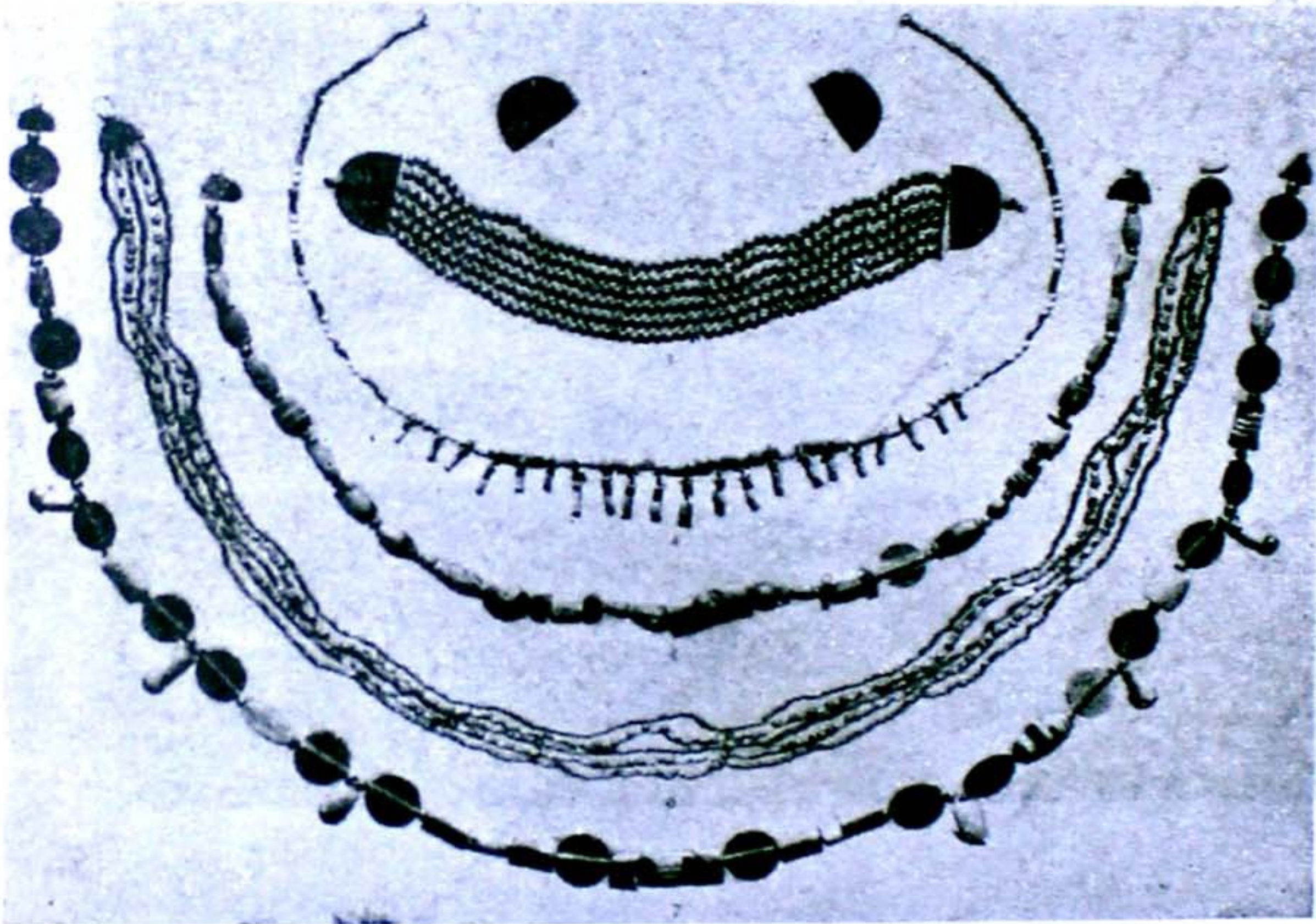
کے لئے مٹی کے پھندے یا چوھے دان استعمال کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے چوھے دان موہنجودارو میں دریافت ہوئے ہیں۔ مچھلی پکڑنے کے سیکڑوں کانٹے اور جال کے ڈبوں کے لئے استعمال کی جانے والی گولیوں کی دریافت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں مچھلی کے شکار کا بھی عام رواج تھا۔ مٹی کے بنے ہوئے چند ایسے کتے بھی ملے ہیں جو شباہت میں شکاری کتوں سے ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتے جانوروں کے شکار میں استعمال کئے جاتے ہوں۔

پالتو جانور

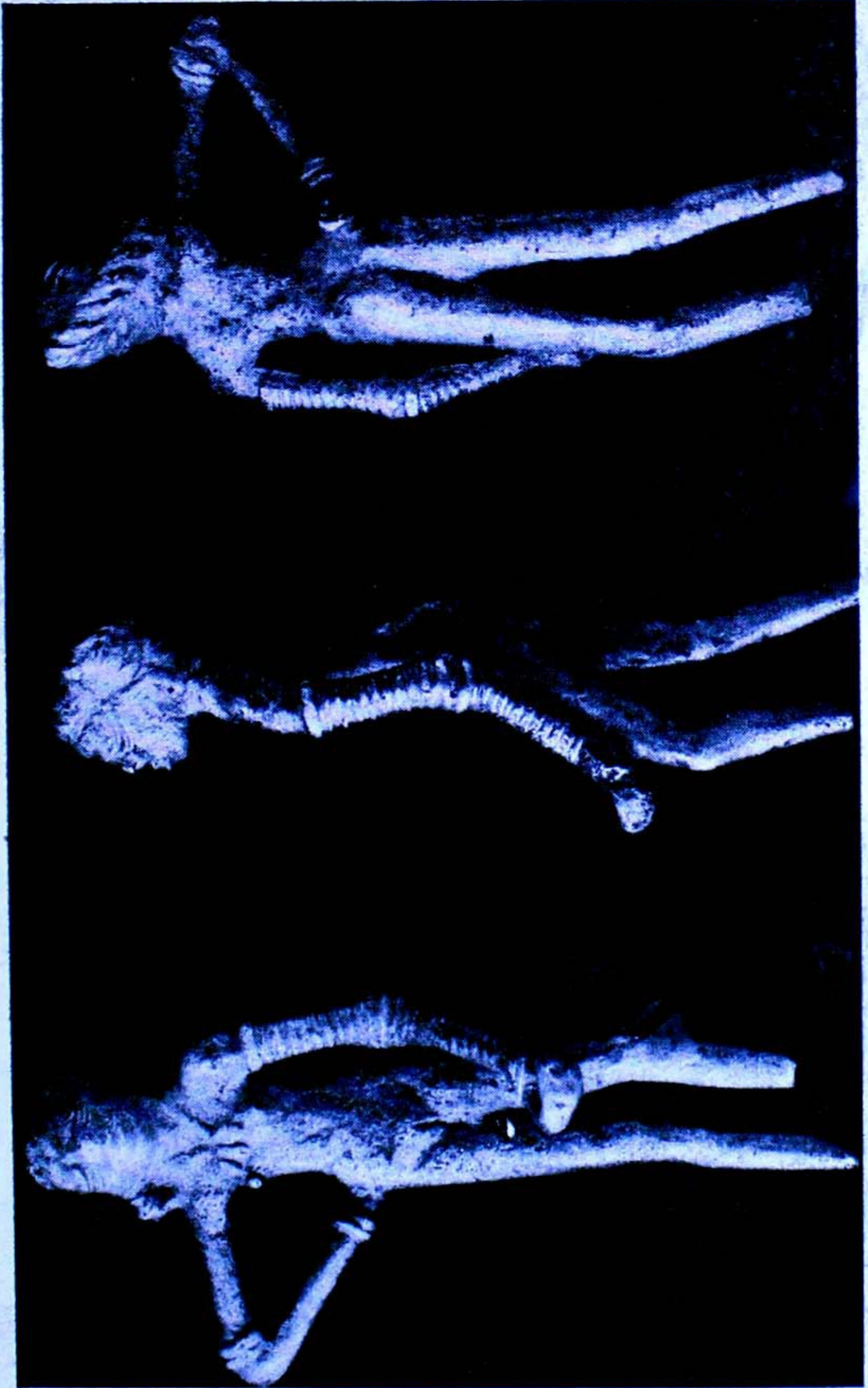
وادی سندھ کے باشندے جانوروں کے گوشت ہی کے شائق نہ تھے بلکہ وہ جانوروں کو پالتے بھی تھے ان پالتو جانوروں کی اقسام کچھ کم نہ تھیں۔ چنانچہ کھدائی میں کوہان والے بیل یا سانڈ، بھینسا، بھیڑ، ہاتھی، سور اور مرغ کے ڈھانچے اور ہڈیاں دستیاب ہوئی ہیں۔ پالتو جانوروں کے بارے میں بچوں کے کھلونے اور سہروں پر نقش کی ہوئی تصویریں بھی ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھینسے، بندر، کتا، بلی، طوطا، سور اور مرغ سے اچھی طرح واقف تھے۔ گدھے



پلیٹ نمبر ۱۳ - الف - زیورات



پلیٹ نمبر ۱۳ - ب - زیورات

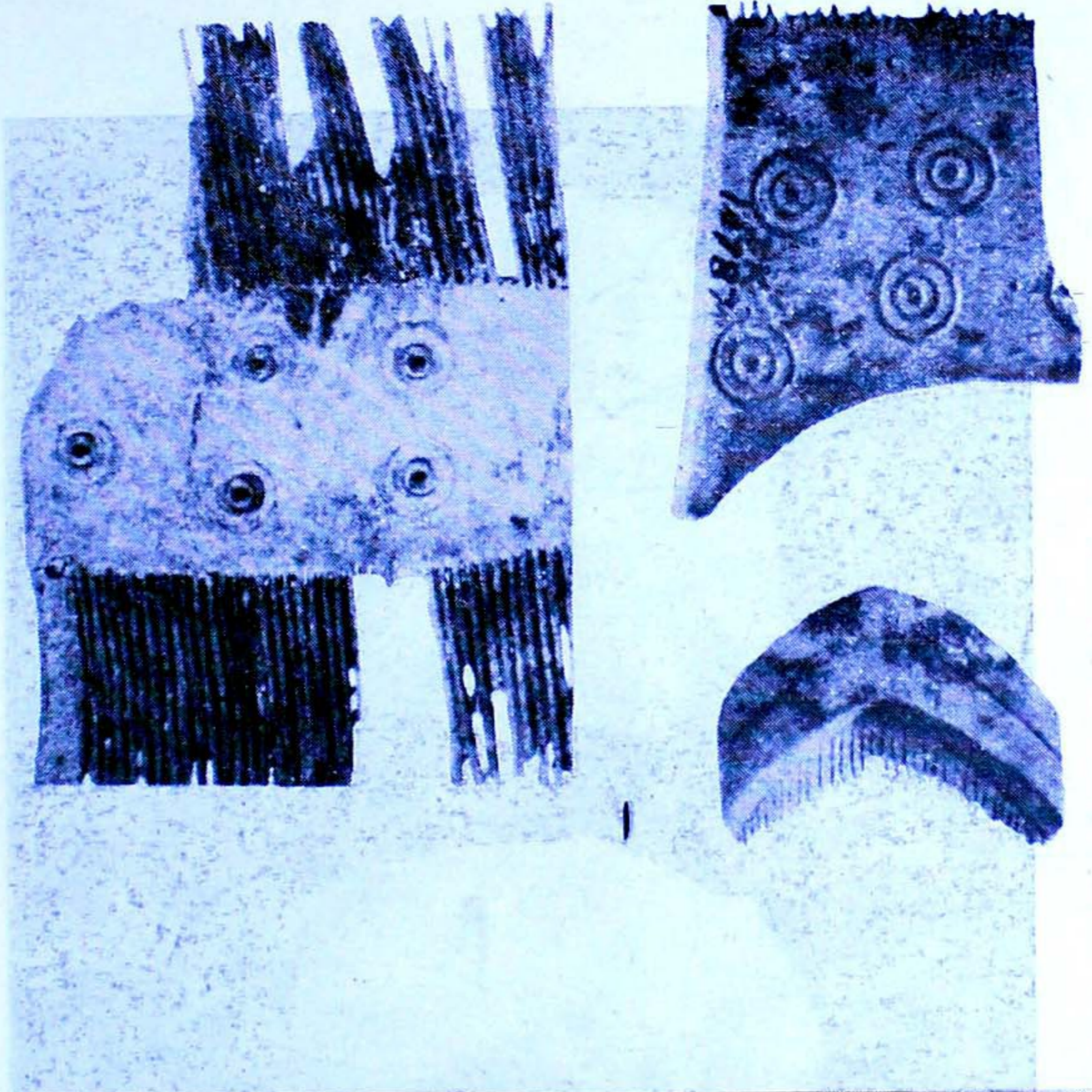


پلیٹ نمبر ۱۴ - الف - موہنجودارو - رقادہ کا کانسی کا بنا ہوا مجسمہ

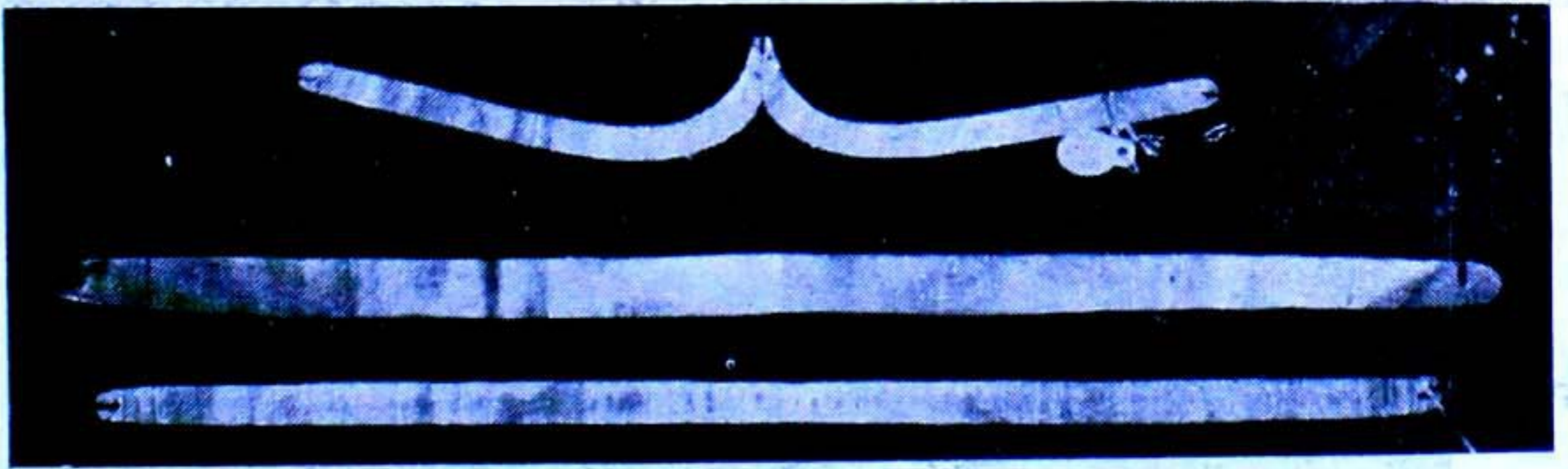
تاریخ - ب - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰



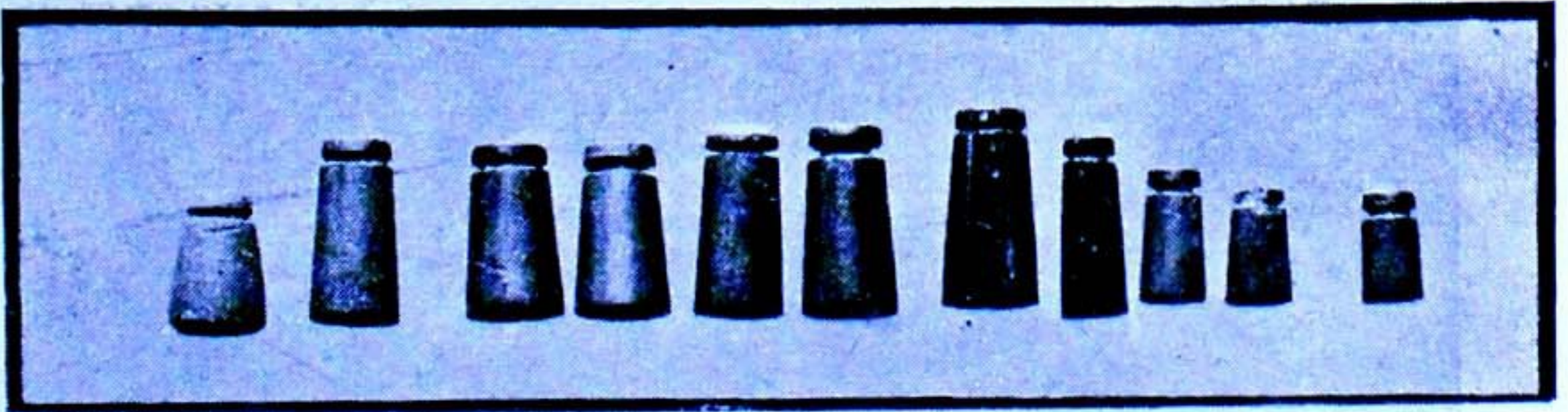
پلیٹ نمبر ۱۳ - ب - پتھر کے بنے ہوئے مجسمے کا سر



۱

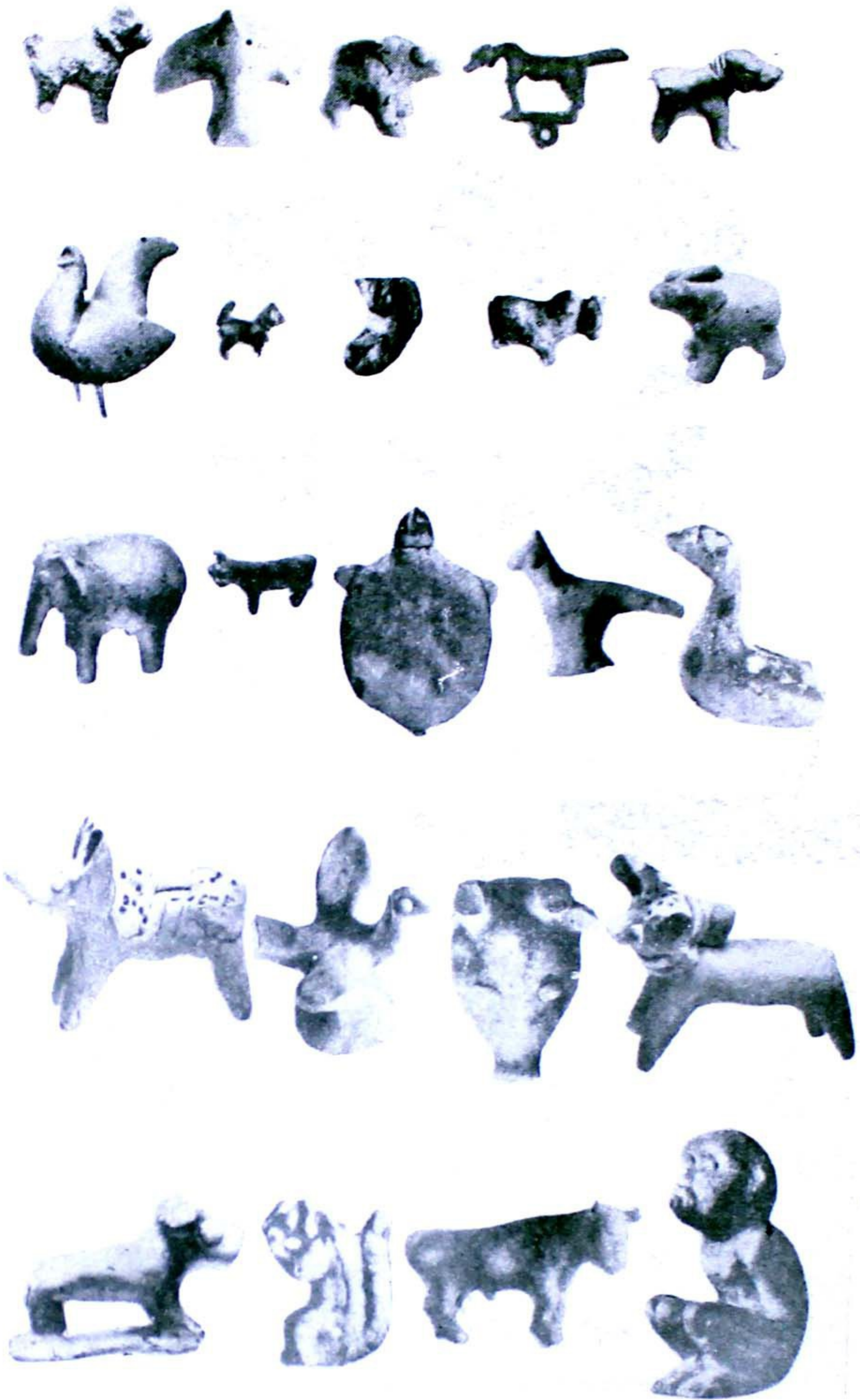


۲

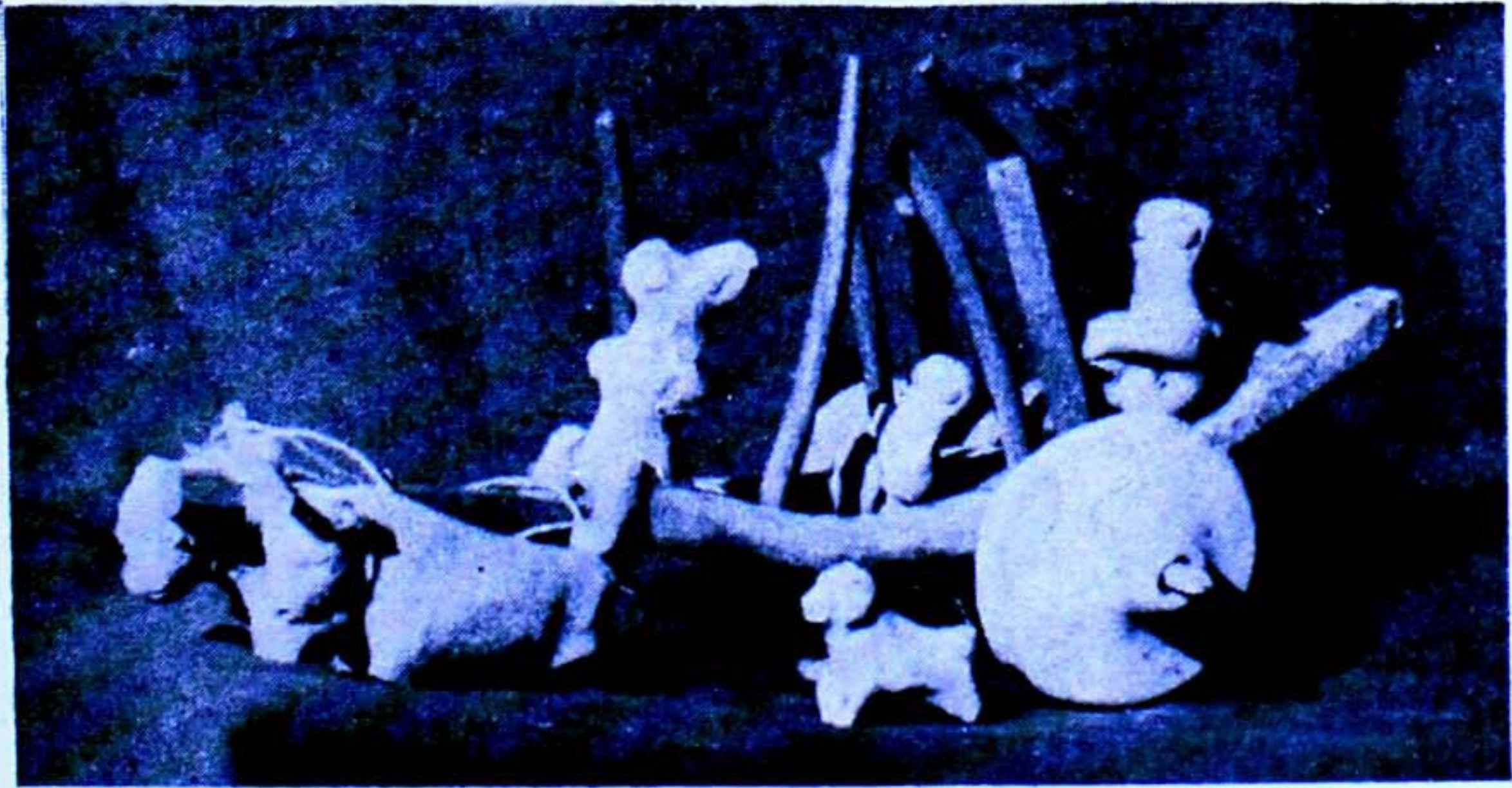
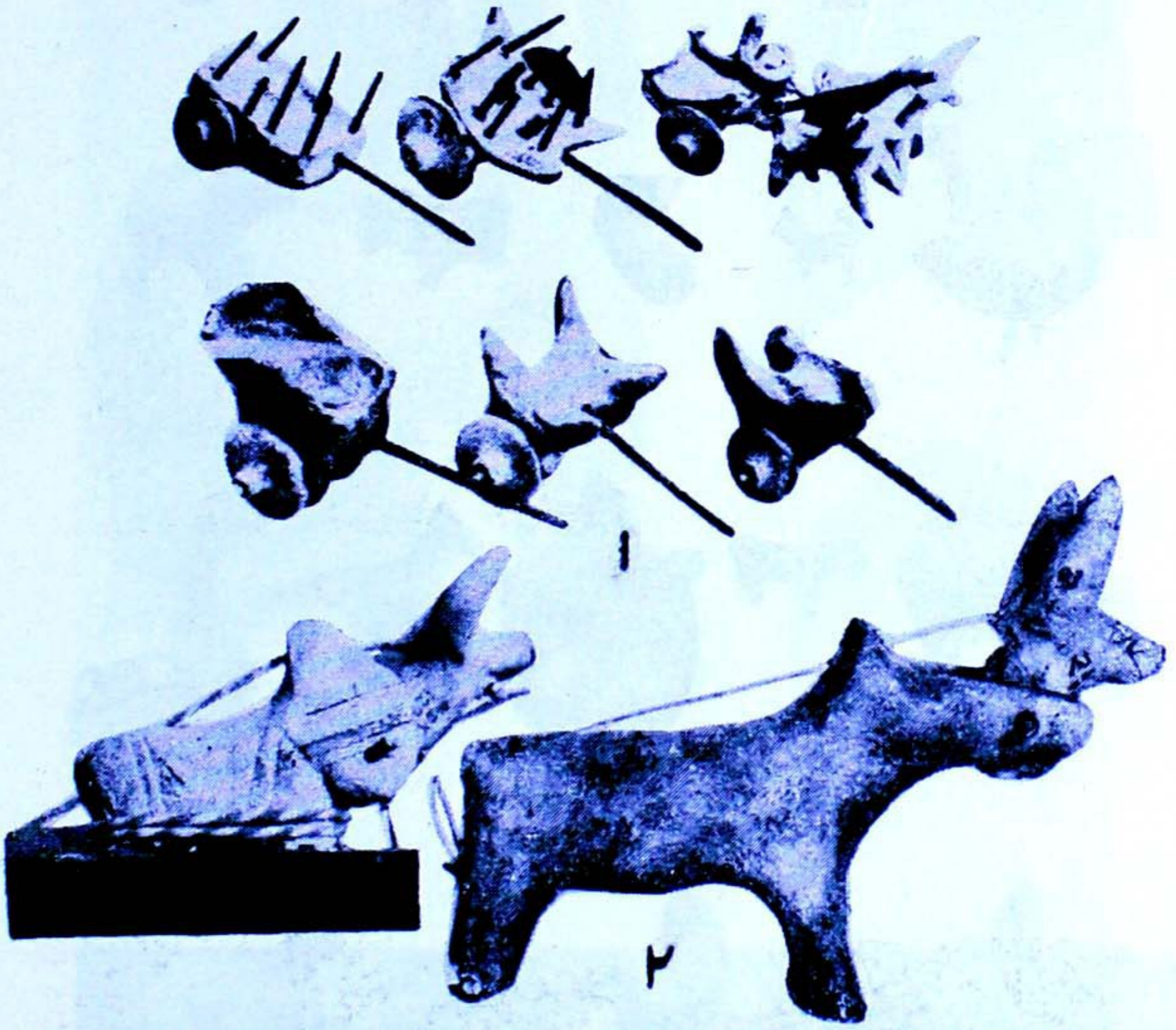


۳

پلیٹ نمبر ۱۵ - (۱) کنگھیاں (۲) سوہاف (۳) شطرنج کے سہرے

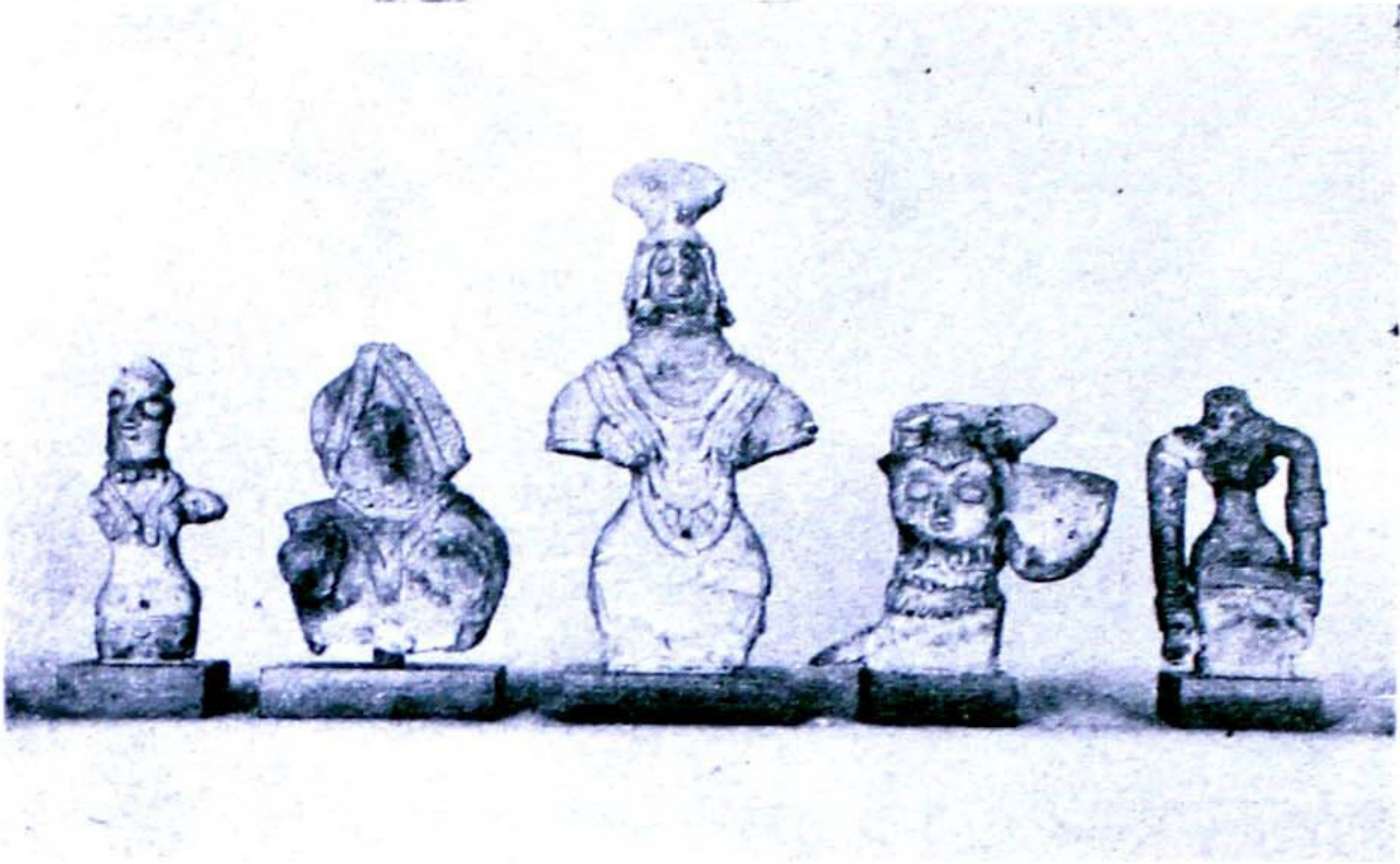


پلیٹ نمبر ۱۶ - کھلوئے

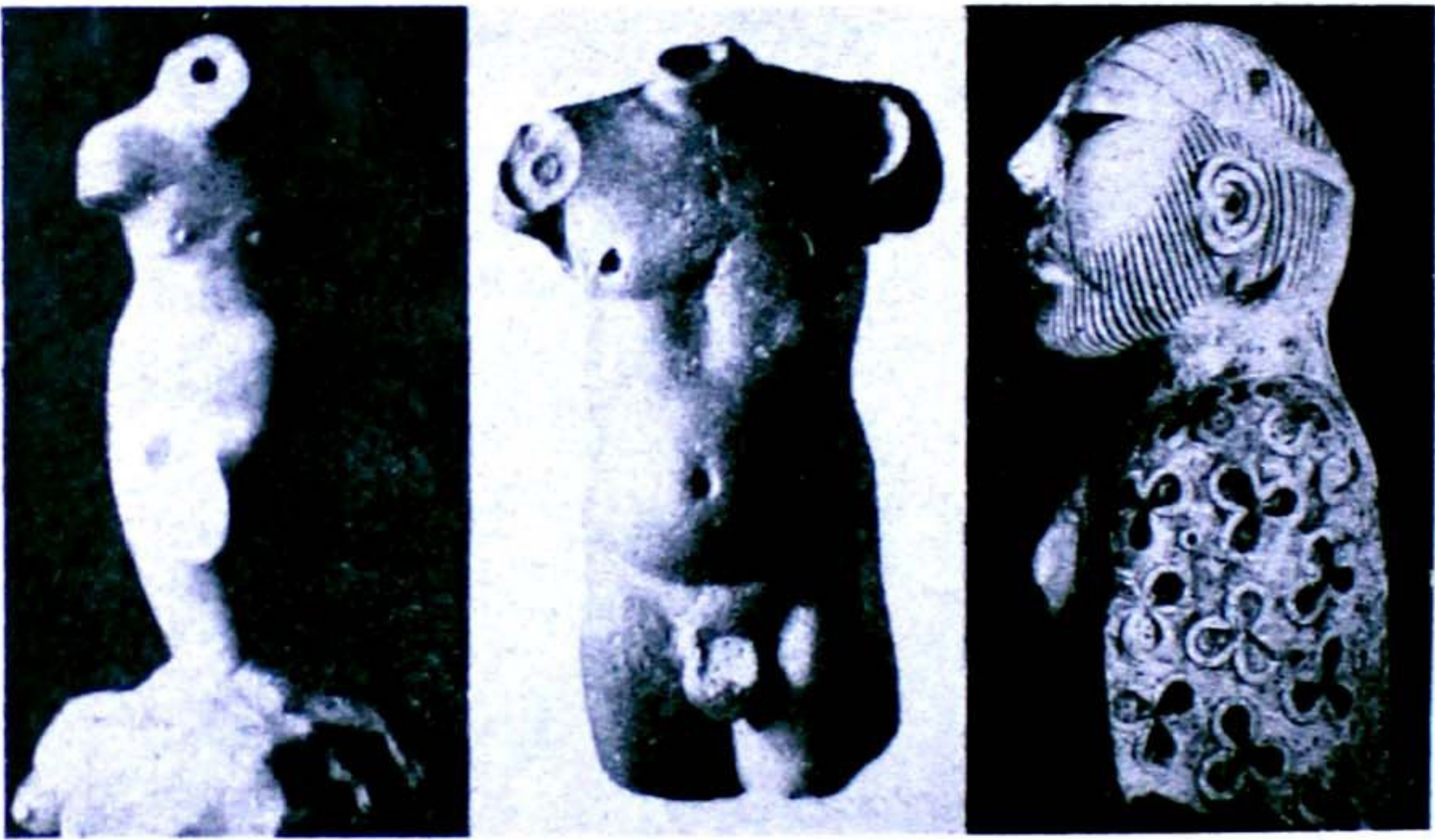


۱۳

پلیٹ نمبر ۱۷ - (۱) مٹی کی بیل گاڑیاں (۲) سر ہلانے والے کھلونے
(۳) بیل گاڑیاں



پلیٹ نمبر ۱۸ - الف - ماتا کے مجسمے



پلیٹ نمبر ۱۸ - ب - (۱) موہنجودارو - پروہت (۲) ہڑپہ - مجسمہ
(۳) ہڑپہ - رقص کا مجسمہ

Handwritten text, possibly a title or header, in Urdu script.

Handwritten text in Urdu script, possibly a date or a specific reference.

Large block of handwritten text in Urdu script, possibly a main body of text or a list.

Handwritten text in Urdu script, possibly a signature or a concluding note.

کی موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا اور محققین میں اس بارے میں کافی اختلاف ہے کہ آیا وادی سندھ کے لوگ گھوڑے سے بھی واقف تھے۔

وادی سندھ میں سانڈوں کے ڈھانچے بڑی کثرت سے ملے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بیلوں کی نسل لینے کا اچھا انتظام تھا (پلیٹ نمبر ۹)۔ یہ بیل مندر، شمالی گجرات اور راجپوتانہ کے موجودہ شاندار بیلوں سے کلی طور پر مشابہ تو نہیں البتہ ان چھوٹے کوہان والے بیلوں سے بالکل مختلف ہیں جو آجکل وسط ہند اور دکن میں عام طور سے پائے جاتے ہیں ان کے علاوہ سندھ اور بلوچستان میں بغیر کوہان اور چھوٹی سینگوں والے بیل بھی ہوتے تھے۔

اس سلسلے کی سب سے دلچسپ دریافت ایک ایسی پختہ اینٹ ہے جس پر ایک کتے اور بلی کے پیروں کے نشان بنے ہیں۔ قیاس ہے کہ یہ نشان اسوقت پڑے ہوں گے جب گیلی مٹی کی اینٹیں سوکھنے کے لئے دھوپ میں رکھی گئی ہوں گی کسی کتے نے بلی کا پیچھا کیا ہوگا اور بلی ان اینٹوں کے اوپر سے بھاگی ہوگی کتا بڑی تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا ہوگا۔ یہ نشان کافی گہرے ہیں اور اس طرح سے بنے ہیں کہ تیز دوڑنے کے علاوہ کسی اور طرح نہیں

پڑ سکتے - یہ تیز بھاگنے والی بلی اور اسکا پیچھا کرنے والا کتا تو نہ جانے کب کے خاک ہو چکے لیکن اینٹوں پر پڑے ہوئے نشان زبان حال سے جہد بقا کی مسلسل اور مستقل داستان سنا رہے ہیں -

جنگلی جانور

ان جانوروں سے قطع نظر جنکا ذکر شکار یا پالتو جانوروں کے ضمن میں کیا گیا ہے یہاں ایسے جانوروں کی موجودگی کا سراغ بھی ملتا ہے جو گھروں میں آیا جایا کرتے تھے جسے نیولا اور سیاہ چوہا ان کے علاوہ خرگوش بھی موجود تھا - شیر، ریچھ، ہاتھی اور گینڈے جیسے وحشی جانور عام تھے - ہرن چار قسم کے ہوتے تھے -

- ۱ - کشمیری بارہ سنگھا ۲ - سانبھر ۳ - چیتل اور
- ۴ - پاڑہ ہرن¹ - ان ہرنوں کے صرف سینگ ہی پائے گئے ہیں - ممکن ہے یہ سینگ دواؤں میں استعمال کئے جانے کیلئے دور دور سے منگائے گئے ہوں، کشمیری بارہ سنگھا آجکل صرف کشمیر اور ہمالیہ کے نواح میں ملتا ہے - چیتل آجکل نہ سندھ میں پایا جاتا ہے اور نہ پنجاب میں - اسی طرح

1 Hog Deer.

سانبھر بھی سندھ راجپوتانہ اور پنجاب میں نہیں ملتا پاڑہ ہرن
اب بھی سندھ میں ملتا ہے ۔

رقص و سرود

موہنجودارو کے لوگ رقص و سرود کے بڑے شائق
معلوم ہوتے ہیں اس کا ثبوت رقصہ کا کانسہ کا بنا ہوا
مجسمہ ہے ۔ اسی طرح ہڑپہ سے پتھر کا ایک اور مجسمہ
بھی دریافت ہوا جو عالم رقص میں ہے ۔

رقص قدیم ہندوستان کی مذہبی رسوم میں ایک اہم
مقام رکھتا تھا اور پرستش کا ایک خاص جزو ہوتا تھا ۔ معلوم
نہیں موہنجودارو میں اسکو مذہبی حیثیت حاصل تھی یا
یا محض تفریح اور دل بہلانے کا ذریعہ تھا ۔ ناچ کے ساتھ
گانے بجانے کا انتظام ایک فطری امر ہے اور اس کا
وجود ڈھولک کی اس تصویر سے ثابت ہوتا ہے جو ایک
مہر پر کندہ ملی ہے اسی طرح ایک اور مہر پر ایک
مردانی شبیہ کی گردن میں ڈھولک یا مردنگ لٹکا ہوا دکھایا
گیا ہے (پلیٹ نمبر ۱۹ - ۳) ۔ ناچنے والے کو تھاپ دینے کے لئے
کھڑتال بھی مستعمل تھی جس کے چند نشانات پائے گئے ہیں ۔
اس کے علاوہ وادی سندھ کی تصویری تحریر میں ایسے بہت
سے نقوش ملے ہیں جن کو بربط اور چنگ کہا جا سکتا ہے ۔
اس قسم کے ساز سمیر میں بھی مستعمل تھے ۔

حکمت

اس قسم کے شواہد بہت کم دریافت ہوئے ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ وادی سندھ کے لوگ طب، نجوم اور علم الحساب سے بھی واقف تھے۔ البتہ یہاں سمندری جھاگ اور بارہ سنگھے کے سینگ کے ٹکڑے دریافت ہوئے ہیں۔ جن کی موجودگی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ چیزیں ضرور یہاں کے ویدوں کے نسخوں کا جزو ہونگی۔ ایک ایسا سیاہ مادہ بھی ملا ہے جس کو سلاجیت تجویز کیا گیا ہے۔ سلاجیت ذیابیطس اور جگر کے امراض اور گھٹیا وغیرہ کیلئے اکثر ہے اسی طرح مٹی کی ہانڈیوں میں دہ شاخہ یا استخوان ماہی رکھی ہوئی ملی ہے یہ بھوک بڑھانے کیلئے استعمال کی جاتی ہوگی اور بیرونی طور پر کان آنکھ گلا اور جلدی امراض میں استعمال کی جاتی ہوگی¹۔ سونگے اور نیم کی درخت کی پتیاں بھی احتیاط سے رکھی ہوئی پائی گئی تھیں اور ادویات کے طور پر کام آتی ہونگی ان تمام چیزوں سے یہ عام اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس تہذیب میں 'ایورویڈک' طریق علاج ابتدائی دور میں تھا²۔

1 Vedic Age—P, 178.

2 Dikshit—Prehistoric Civilization of Indus Valley; P, 31.

صحیح سمتوں میں باقاعدہ ترتیب سے بنے ہوئے مکانات اور سڑکوں سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ لوگ سماوی اثرات کے قائل تھے اور علم نجوم سے بھن شغف رکھتے تھے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ یہاں کے لوگوں کا سال شمسی حساب سے تھا۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا گیا ہے کہ دریائے سندھ میں برسات کے خاص مہینوں میں طغیانی اور اسی طرح مقررہ مہینوں میں جاڑے اور گرمی کے موسم آتے ہوں گے اور موسموں کی یہ تبدیلی سورج کے عمل کے تابع ہے۔ چنانچہ قیاس کیا گیا ہے کہ یہ لوگ چاند کی بہ نسبت سورج سے زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا مزید ثبوت سوامتکا کے بہت سے نشانات کا پایا جانا بھی ہے جنکو سورج کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔

پیشہ

جو باقیات اب تک دریافت ہوئی ہیں۔ ان سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہاں کے ارباب علم پروخت، وید، جوتشی اور ساحروں پر مشتمل تھے۔ حکام میں حکومت کے عمال اور بلدیہ کے ملازمین تھے۔ یہاں ایک تجارت پیشہ قوم آباد تھی بیشتر لوگ صنعت کار اور اہل حرفہ میں سے تھے اور کاشتکار مچھیرے، ملاح بھیڑوں اور گایوں کے چرواہے، گاڑی بان، گھریلو نوکر، زرگر، عقیق اور ہاتھی دانت کے کاریگر، کمہار کھلونے ساز، ٹھٹھیرے، راج، معمار، مکان بنانے والے

بزدور، لکڑھارے، سنگ تراش اور مہر تراش تھے اور ان
تمام پیشہ وروں کی موجودگی کے کچھ نہ کچھ شواہد ضرور
دلتے ہیں¹۔

1 Dikshit—Prehistoric Civilization of Indus Valley; P, 32.

منذہب

اصنام پرستی
اشجار پرستی
حیوان پرستی
دوسرے عقائد

وادیٰ سندھ کے باشندوں کے مذہبی عقاید کے بارے
 میں کچھ کہنے سے پہلے دو باتوں کو پیش نظر رکھنا
 ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ وادیٰ سندھ کی کسی بستی سے
 اس قسم کی کوئی دستاویز، کتبہ یا تحریر دریافت نہیں ہوئی
 ہے جس سے ان لوگوں کے عقاید کے بارے میں حتمی طور پر کوئی
 فیصلہ کیا جاسکے چنانچہ ان بستیوں سے دریافت شدہ مجسمے
 سہریں، پتھر اور نقوش ہی ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور
 ہمارے قیاسات کا سرچشمہ ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ
 وادیٰ سندھ کی تہذیب برصغیر ہند و پاکستان میں آریوں
 کے آنے سے قبل کی تہذیب ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ دریافت
 شدہ باقیات برصغیر ہند و پاکستان کے قدیم ترین مذہب و

معتقدات کے بارے میں جو ثبوت اور شہادت بہم پہنچاتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان معتقدات کا بڑا حصہ ویدک لٹریچر اور وید کے زمانہ مابعد کے لٹریچر میں بھی موجود ہے آریاؤں کے ابتدائی اعتقادات کا حال ان کے سب سے قدیم صحیفے رگ وید سے معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں مغربی ماہرین لسانیات کا خیال کہ یہ ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ قبل مسیح کے درمیان تصنیف کئے گئے ہوں گے۔ ان صحائف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا طریقہ پرستش محض حمد و ثنا (بھجن) اور قربانیوں (یگہ اور بھینٹ) تک محدود تھا۔ ان کا خیال تھا کہ فطری قوتیں روح کی حامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فطری قوتوں کو انسانی شخصیت اور شکل سے بھی متصف کیا۔ جس سے ان کی کثرت پرستی¹ کے رحجان کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے مذہبی تصورات میں تجسیمیت² پائی جاتی ہے چنانچہ ان کے یہاں آسمان (دیوس) انسانی شخصیت رکھتا ہے اسی طرح سورج کی کرنوں کو ہاتھ اور آگ (اگنی) کے شعلوں کو زبان قرار دیا گیا ہے پارش کا دیوتا (اندر) تو پورے طور پر انسانی شخصیت کا حامل تھا۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ آریا غیر مہذب لیکن اعلیٰ جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جب انہوں نے

1 Polytheism.

2 Anthropomorphism.

بر صغیر ہند و پاکستان پر حملہ کیا تو انہیں یہاں ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جو بڑی مہذب اور امن پسند تھی اور جو ان کی یورشوں کی تاب نہ لاسکی۔ لڑائیوں کے بعد جب امن و امان کا دور شروع ہوا اور فاتح اور مفتوح کے درمیان مراسم قائم ہوئے تو رفتہ رفتہ غیر آریائی تہذیب اور تمدن نے اپنا رنگ لانا شروع کیا اور فاتح آریا اس تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ان دونوں قوموں کے اشتراک سے ہندو مت کی تخلیق ہوئی جس کے اکثر معتقدات ان قدیم باشندوں کے معتقدات کا پر تو ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ قیاس درست ہو مگر اب تک ایسے آثاری شواہد دریافت نہیں ہوئے جنکی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ آریے اور غیر آریے یا مقامی باشندے کسی مقام پر ایک ساتھ رہے اور بسے ہوں یا ان میں ایسے ثقافتی تعلقات قائم ہوئے ہوں جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے ہوں۔ دراصل ابھی وادی سندھ کی بربادی اور آریوں کی آمد کے عہد میں ایک خلا ہے جس کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔

وادی سندھ کی کسی بستی میں ابھی تک کوئی مندر یا معبد دریافت نہیں ہوا۔ موہنجودارو کا اسٹوپہ یقینی مذہبی عمارت ہے لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے یہ بہت بعد یعنی تقریباً ۲۰۰۰ بعد مسیح کی تعمیر ہے۔ اور اس کا وادی سندھ کی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض

محققین نے یہ بھی قیاس کیا ہے کہ اگر ان لوگوں کی کوئی مذہبی عمارت تھی بھی تو وہ اسٹوپہ کے نیچے دفن ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر فاتح قوم نے اپنے اثر و اقتدار کے سہارے اپنے مذہب کی برتری ظاہر کرنے کیلئے اکثر و بیشتر مفتوح اقوام کی مذہبی عمارتوں کی بنیاد پر ہی اپنی مذہبی تعمیروں کی اساس رکھی ہے۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ جب اسٹوپہ تباہ ہو جائے تو ہمیں وادی سندھ کے عہد کے لوگوں کی مذہبی عمارت کے بارے میں معلومات بہم پہنچ سکیں۔

اصنام پرستی

وادی سندھ کے لوگوں کے عقاید میں اصنام پرستی کے کافی شواہد ملتے ہیں۔ یہاں ایک ایسی دیوی کا مجسمہ عام طور پر پایا گیا ہے جو ستر پوشی کیلئے کمر کے گرد کپڑے کی ایک لپٹی ہوئی پیٹی کے علاوہ تقریباً بالکل عریاں دکھائی جاتی ہے ان مجسموں کے گلوں میں زیورات کی بھر مار ہے ان کے سروں پر پنکھے کی طرز کا ایک انوکھا پہناوا ہے اور کانوں کے دونوں جانب کٹوریوں کی شکل کے سے دو حصے الگ سے جوڑے گئے ہیں۔ چند مجسموں میں ان کٹوریوں میں دھویں کے نشان بھی پائے گئے ہیں جن سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان میں لوبان یا

دوسری خوشبودار اشیا اس غرض سے جلائی یا سلگائی گئی ہوں گی کہ شاید دیوی خوش ہو کر منت ماننے والے پجاری کی دعا کو شرف قبولیت بخشے۔ ان مجسموں کی پشت ناہموار ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مکانوں میں طاق میں گیلی مٹی کے ذریعہ نصب کردی جاتی ہونگی ان مجسموں کو مادر ارض، دھرتی ماتا یا ماتا دیوی کے مجسمے کہا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۱۸-الف)۔

بلوچستان میں دو قسم کی سورتیاں پائی گئی ہیں جو وادی سندھ کی سورتیوں سے قدرے مختلف ہیں۔ یہ سورتیاں سر اور دھڑ پر مشتمل ہیں۔ ان کے پیر غائب اور نچلا حصہ ہموار ہے۔ اسی قسم کی سورتیاں مائی نان میں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ سر آر یول اسٹائن نے کلی اور ماہی میں جو سورتیاں تلاش کی ہیں ان کے چہرے چڑیوں کی طرح پتلے اور نوکیلے ہیں وہ لاتعداد ہار پہنے ہیں ان کے ہاتھ کمر یا سینوں پر رکھے ہوئے ہیں اور زیادہ نمایاں نہیں ہیں۔ دوسری قسم کی سورتیاں ژوب میں مغل غنڈائی اور پیریانو غنڈائی وغیرہ میں پائی گئی ہیں انکے سر پر ایک پوشش ہے اور گلے میں بہت سے ہار پڑے ہیں۔ انکی شکل چڑیوں کی طرح نوکیلی ہونے کے بجائے چمٹی بے انتہا بھدی اور بے ڈھنگی ہے۔ انکا ماتھا ابھرا ہوا آنکھیں دھنسی ہوئی اور دھن بگڑا ہوا ہے۔ ان کے پیر

نہیں بنائے گئے ہیں۔ پیروں کی یہ غیر موجودگی اس تصور کا مظہر ہے کہ گویا مادر ارض شکم گیتی سے نمودار ہو رہی ہے۔ چند سورتیں ایسی ہیں گویا کوئی عورت آٹا گوندہ رہی ہے یا روٹیوں کی ٹوکری بغل میں لٹے ہے ممکن ہے کہ مجسموں کی یہ قسم بچوں کے کھلونے ہوں اور انہیں کوئی مذہبی مفہوم پنہاں نہ ہو۔ چند سورتیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوئی عورت گود میں بچہ لٹے ہے یا حمل کی حالت میں ہے ہوسکتا ہے ایسی سورتیاں زمانہ حمل میں دیوتاؤں پر نظر کی غرض سے تیار کی جاتی ہوں کیونکہ آج بھی برصغیر ہند و پاکستان کے بعض علاقوں میں حاملہ عورت اور نوزائیدہ بچہ کی حفاظت کے لئے خاص مذہبی احتیاط برتی جاتی ہے اور خراب اور ناپاک روحوں سے انکو بچانے کے لئے طرح طرح کے ٹوٹکے کئے جاتے ہیں۔

برصغیر ہند و پاکستان میں ماتا کا قصور عہد عقیق سے بنیادی عقیدہ رہا ہے جس زمین پر انسان رہتا ہے وہ ایک شفیق ماں کی طرح اسکی ضروریات زندگی فراہم کرتی ہے اسی لئے قدیم زمانہ میں زمین کی پرستش شروع ہوئی اور بعد میں اسے دھرتی ماتا، ماتا، مادر فطرت، مادر ارض، اور دوسرے مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا۔ اسکا اعتقاد ایک عام تصور ہے جسکی نوعیت میں تو اختلاف رہا ہے لیکن ہمہ گیری

کوئی شک نہیں چنانچہ ماتا کی مورتیاں ایران، ایجین، ایلم، مسوپٹامیہ، فرانس، کاشیا، ایشائے کوچک، شام، فلسطین، سائپرس، کریٹ، بلقان، مصر، وادی سندھ اور بلوچستان میں پائی گئی ہیں۔

برصغیر ہند و پاکستان میں آج بھی ماتا کے مندر اور معبد تقریباً ہر گاؤں اور ہر شہر میں پائے جاتے ہیں۔ ہر گاؤں میں کچھ مخصوص دیویاں ہوتی ہیں جنکی پوجا کی جاتی ہے۔ ماتا 'پراکرتی' کے مترادف سمجھی جاتی ہے جس کی مزید ترقی یافتہ صورت 'شکتی' کہلاتی ہے۔ اور اسکے نمائندے 'گداما دیوتا' کہلاتے ہیں۔ یہ متفرق دیویاں دراصل ایک ہی طاقت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یہ بربادیاں لاتنی ہیں لیکن بھوت پریت سے نجات دلانے والی قوت بھی یہی ہیں یہی افزائش نسل کا مظہر ہیں زندگی بخشتی ہیں اور زندگی کی ہر چیز عطا کرتی ہیں۔ ماتا کا تصور آریائی تصورات سے ماقبل کا تصور ہے۔ دراصل برصغیر ہند و پاکستان یا کسی دوسرے مقام پر آریوں نے ماتا دیوی یا کسی بھی نسوانی معبود کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی۔ ویدک دیو مالا (علم الاصنام) میں نسوانی معبود جزوی اہمیت کے حامل ہیں اولیت اور الوہیت ہمیشہ دیوتاؤں کو ہی حاصل رہی ہے دیویوں کی پرستش صرف اس لئے کی گئی ہے کہ وہ کسی نہ کسی دیوتا کی

زوج اور چہیتی رہی ہیں۔ پرتھوی جو آریوں کی ماتا ہے وادی سندھ کی ماتا یا قدیم 'مادر ارض' سے بالکل جدا قوتوں کی مالک ہے یہ بات بھی خاص طور پر توجہ کے لائق ہے کہ ماتا کی پوجا کی سربراہی برہمنوں کے بجائے عام طور پر نیچی ذات کے لوگوں کے سپرد کیجاتی ہے۔

ماتادیوی کے عقیدے کا پتہ ہڑپہ کی ایک چوکور مسہر سے بھی ملتا ہے (پلیٹ نمبر ۲۱-۱) جس میں ایک نسوانی شبیہ سر کے بل کھڑی دکھائی گئی ہے۔ اس کے دونوں پیر الگ ہیں اور اسکے رحم سے ایک درخت نکلا دیکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر مسہر کے الٹی جانب داہنے کنارے پر بنائی گئی ہے۔ اسکے بائیں جانب ایک تصویری تحریر کے چار حروف کے بعد دو راکھشش بنائے گئے ہیں۔ دوسری طرف بھی ویسی ہی تصویری تحریر ہے اسکے بائیں جانب ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر ہے آدمی کھڑا ہے اور اسکے ہاتھ میں درانتی جیسی شکل کا ایک چاقو ہے۔ عورت اسکے سامنے اوپر کو ہاتھ اٹھائے بیٹھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ پناہ مانگ رہی ہے اور آدمی اس عورت کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس مسہر سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس منظر میں انسانی قربانی دکھائی گئی ہے اور وہ عورت مادر ارض پر بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے^۱۔


1 Marshall—Mohenjodaro; Vol. I; P, 52.

مادراض کے ساتھ ساتھ وادی سندھ میں ایک دیوتا بھی ملتا ہے جسکو سر جان مارشل نے شیو کا مماثل کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وادی سندھ والے اسے کسی اور نام سے پکارتے ہوں۔ لیکن ہندو دیو مالامیں شیوکا ایک خاص مقام ہے اور وہ اہم خصوصیات کا حامل ہے۔ ایک مہر پر اسکی شبیہ بہت واضح شکل میں ملتی ہے (بلیٹ نمبر ۱۹ - ۴) اسکے تین چہرے ہیں۔ وہ ایک نیچی چوکی پر یوگ کے آسن سے بیٹھا ہے۔ اسکی رانیں اور پنڈلیاں ملی ہوئی ہیں گھٹنے مڑے ہرے ایڑیاں ملی ہوئی اور پیروں کے انگوٹھے باہر نیچے کی طرف نکلے ہوئے ہیں۔ وہ کلائی سے بازو تک آٹھ چھوٹی اور تین بڑی چوڑیاں پہنے ہے۔ دو بڑی چوڑیاں اوپر نیچے اور ایک بیچ میں ہیں دو بڑی چوڑیوں کے درمیان چار چھوٹی چوڑیاں ہیں۔ شانے پھیلے ہوئے ہیں اور ہاتھ اور انگوٹھے آگے کی جانب گھٹنوں پر ٹکے ہوئے ہیں۔ گلے میں لاتعداد ہار ہیں جو سینے پر پڑے ہوئے ہیں۔ کمر کے گرد ایک دھرا پٹکا ہے۔ سر پر دو سینگ ہیں جنکے درمیان ایک لمبا سر بند ہے۔ اسکے داہنی جانب ایک ہاتھی اور ایک چیتا دوسری جانب ایک بھینسا اور گینڈا اسکو گھیرے کھڑے ہیں۔ چوکی کے نیچے دو ہرن کھڑے ہیں جن کے منہ باہر کی طرف مڑے ہونے کی وجہ سے سینگ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں۔ مہر کے اوپر سات حروف پر

مشمول ایک تحریر ہے جس کا آخری حرف داہنی جانب کے سرے پر جگہ کی کمی کے باعث ہاتھی اور چیتے کے درمیان لکھا گیا ہے

اس مہر سے دیوتا کی کئی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے تین چہرے ہیں یعنی وہ 'ترسکھا' ہے۔ تاریخی دور میں شیوا ایک - دو - تین - چار اور بعض اوقات پانچ منہ والا دیوتا دکھا گیا ہے۔ لیکن ہمیشہ اس کی تین آنکھیں رہی ہیں۔ تیسری آنکھ 'تری لوجن' پیشانی پر بنائی جاتی ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ تیسری آنکھ کھول دیتا ہے تو اس سے آگ نکلنے لگتی ہے اور ہر چیز جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کام دیو (عشق کا دیوتا) ان کی نگاہ غضب کا شکار ہو کر بھسم ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے 'ان انگ' (بلا جسم کا) کہلاتا ہے۔ شیو، وشنو اور برہما کی تری مورتی ماونٹ ابو کے قریب دیوانگنا، ارکان، بلگام، چتور گڈہ اور بہت سے مقامات پر پائی گئی ہے۔ یہ تثلیث برصغیر ہند و پاکستان کا نہایت قدیم عقیدہ ہے البتہ اس کی فلسفیانہ موشگافیاں تاریخی عہد کی اپج ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ اس برصغیر تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی نہ کسی شکل میں دوسرے ملکوں میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ سمیر میں انو، ابا اور بیل - یونان میں زیوس، پوزیڈان اور 'ہیڈس' روم میں

جوپیٹر، نیپچون اور پلاٹو، مصر میں سیت، ہورس اور شو اور مسوپٹامیہ میں سن، شمن اور اشطر کم و بیش اسی عقیدے کی قدیم صورتیں ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ وادی سندھ والوں نے شیو کے تین منہ یہ ظاہر کرنے کے لئے بنائے ہوں کہ وہ ہر طرف اور ہر چیز دیکھ سکتا ہے

اس مہر کی دوسری اہم خصوصیت شیو کا یوگ آسن ہے۔ عہد تاریخ کے مطابق شیو دراصل یوگیوں کا پیشوا ہے اور تپیشیا اور نفس کشی کا مورث اعلیٰ ہے۔ اسی وجہ سے اسے 'مہا تپا' اور 'مہا یوگی' بھی کہا جاتا ہے یوگ کی مخصوص غرض ذہنی ورزشوں اور یکسوئی قلب کے ذریعہ خدا رسائی حاصل کرتا ہے قیاس ہے کہ یوگ بھی آریوں سے قبل کا تصور ہے چنانچہ پروہت کے مجسمے کی نیم باز پتلیاں بھی ناک کی نوک کو دیکھتی ہوئی دکھائی گئی ہیں جو یوگ کا ایک مرحلہ ہے اس مجسمے کی مذہبی نوعیت کی نشاندہی اسکی شال پر بنی ہوئی تپتیا ڈیزائن  کرتی ہے مصر اور سمیر میں یہ تپتیا ڈیزائن خالص مذہبی نوعیت کی چیزوں پر پائی گئی ہے۔ زیر بحث مہر کے علاوہ تین اور مہروں پر جو نقش مرتسم ہیں انمیں دیوتا کی نشست اور انکے انداز سے بھی یوگ کا اندازہ ہوتا ہے۔ الغرض وادی سندھ کے شیو کے بیٹھنے کا آسن اس کے یوگی ہونے کا اہم ثبوت ہے۔

شیو جانوروں کا بھی پالن ہا رہے۔ چنانچہ اسکو 'پسو پتی' بھی کہا جاتا ہے اور زیر بحث مہر پر بنی ہوئی ہاتھی، گینڈے اور چیتے کی تصویریں اسکے پسو پتی روپ کی غمازی کرتی ہیں۔ تاریخی دور میں پسو پتی کے لقب کے معنی سویشیوں کے آقا کے تھے اور مشابہت کی بنا پر پسوسے مراد انسانی گروہ سے لی گئی ہے جسکے آقا اور چرواہے شیو ہیں۔ البتہ وید جنٹرون میں پسو کے معنی جنگلی جانوروں کے لئے گئے ہیں اسلئے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اس وقت اس دیوتا کو پالتو جانوروں کے بجائے جنگلی جانوروں کا آقا سمجھا جاتا رہا ہوگا۔

شیو کے سینگ بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اس قسم کی سینگ دوسری شبیہوں کے سر پر بھی دکھائے گئے ہیں۔ سینگ عہد عقیق میں بڑے متبرک مانے جاتے اور دیوی دیوتاؤں کی خاص علامات و نشانات گردانے جاتے تھے۔ سمیر اور بابل کے دیوی دیوتاؤں کے بھی سینگ نکلے دکھائے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک خاص دور میں وہاں کے بادشاہ اور وزیر اس خیال سے سروں پر سینگ پہنتے تھے کہ وہ خود کو دیوتاؤں کی اولاد اور اوتار کہتے تھے۔ یہ تصور بھی غیر آریائی تصور ہے لیکن آریوں سے قبل کا یہ نشان الوہیت گو عام طور پر ویدک آریوں میں مقبول نہ تھا لیکن مطلقاً ختم بھی نہ ہوا اور بعد کے عہد میں شیو کے

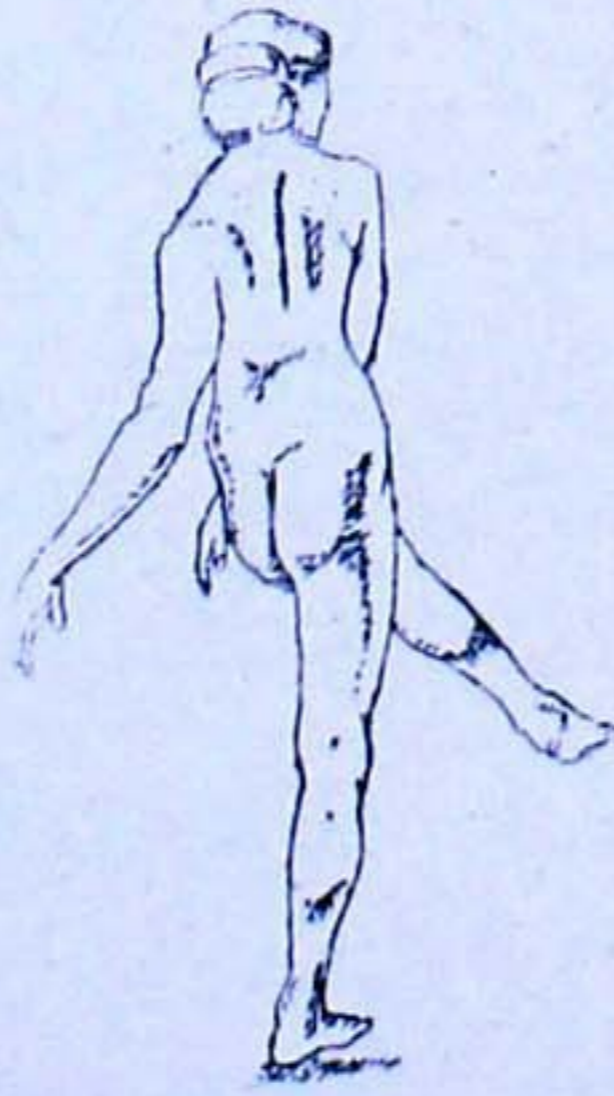
ساتھ اسکے ترسول کی صورت میں ظاہر ہوا اسپر دوسرے مت والوں نے بھی تصرف کیا اور بدھوں کے یہاں 'تری رتنا' کی تثلیث بنا۔ یہ نشان بجائے خود توضع اور تشریح کے قابل ہے لیکن یقیناً اس زنجیر کی ایک کڑی ہے جو اس دیوتا کو شیو سے ملاتی ہے۔

اسکی چوکی کے نیچے دو ہرن دکھائے گئے ہیں تاریخی عہد میں شیو کے ہمراہ عام طور پر ایک ہرن (سریگا) دکھایا جاتا ہے۔ بالخصوص جب اس کو 'دکشنا سورتی' یا 'یوگا دکشنا سورتی' کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مہاتما بدھ کے پہلے وعظ کے مجسمے میں انکے تخت کے نیچے ہرن دیکھائے گئے ہیں۔ معلوم نہیں یہ تصور وادی سندھ سے بدھ مت کے ماننے والوں میں کب اور کس طرح پہنچا؟

شیو کے نقوش کئی سہروں پر کندہ ہیں۔ دو سہروں پر یہ دیوتا سنگھاسن پر بیٹھا دکھایا گیا ہے۔ ایک مہر پر زمین پر بیٹھا ہے۔ مگر ان تینوں صورتوں میں کمر کے گرد لپٹے ہوئے پٹکے کے علاوہ اسکو بالکل برہنہ دکھایا گیا ہے۔ دو سہروں پر اسکے تین چہرے ہیں تیسری میں ایک۔ تینوں سہروں میں اسکے سر پر سینگ ہیں۔ دو سہروں میں ان سینگوں کے درمیان پتیاں اور پھول نکلے ہوئے ہیں

جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قوت نمو یا نباتات کا دیوتا بھی ہے۔

اسکا رقص سے بھی تعلق ہے۔ ہندؤں کے بیشتر مجسموں میں اس کو دلکش انداز میں رقص کرتا دکھا جاتا ہے۔ اسکو 'نٹ راج' بھی کہا جاتا ہے دراصل اس رقص سے نظام کائنات کی باقاعدہ حرکت¹ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ ہڑپہ سے دریافت شدہ ایک مجسمے کے بارے میں بھی یہ قیاس کیا گیا ہے کہ وہ شیو کے نٹ راج روپ کا مظہر² ہے۔



پلیٹ نمبر ۱۸ ب ۳ کا تکمیل شدہ خاکہ

1 Cosmic Rythem.

2 Vedic Age; P, 181.

لیکن ہڑپہ کے اس مجسمے کو شیو کا مجسمہ کہنا زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

اشجار پرستی

ہر ملک میں درختوں کا احترام کسی نہ کسی صورت میں کیا جاتا ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں درخت بھوتوں، جنوں اور شہیدوں کے مسکن مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر رات کو پھول یا پتے توڑنا، یا بعض ہرے درختوں کو کاٹنا، اور دوپہر کو پھل کے درخت پر چڑھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ مقدس درخت کا تصور بہت عام اور قدیم ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کا سوم، نارڈک قوم کا ڈرازل، ایرانیوں کا ہوم، یہودیوں کا 'شجرۃ الحیات' یا 'شجرۃ العلم'، بودھوں کا بودھی درخت، مسلمانوں کا طوبیٰ سب اسی تصور کے مظہر ہیں۔ بابل کے لوگ بہشتی درخت کی جسے وہ 'اشیرا' کہتے ہیں نقل بنا کر پوجتے تھے۔ عیسائیوں میں 'کرسمس ٹری' اب بھی عقیدت کا مرکز ہے۔

وادی سندھ میں اس قسم کے کافی ثبوت ملتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ درختوں کو متبرک خیال کرتے تھے اور ممکن ہے کہ انکی پرستش بھی کرتے ہوں اسکا اندازہ سہروں پر بنے ہوئے نقوش سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سہر کے دائیں طرف اوپر کے گوشے میں زمین پر ایک تھالے سے پھل کی دو شاخیں نکلی ہوئی دکھائی گئی ہیں ان

دونوں شاخوں کے درمیان ایک دیوی کی تصویر ہے جسکے سر پر سینگ ہیں۔ اسکے سامنے ایک دوسری عورت سر بسجود دکھائی گئی ہے۔ دیوی اور پجاری کے بال لمبے ہیں ہاتھوں میں بہت سی چوڑیاں اور سروں پر سینگوں کے درمیان گھاس یا پتیاں نکلی ہوئی ہیں پجارن کے پیچھے ایک مرکب جانور ہے جسکا نصف جسم بیل کا نصف بکری کا اور چہرہ انسانوں جیسا ہے وہ نہایت عقیدت سے یہ منظر دیکھ رہی ہے۔ ان نقوش کے نیچے نسوانی شکلوں کی ایک قطار مخالف سمت منہ کئے کھڑی ہے ہر شکل کے سر پر کلمی سی نکلی ہوئی ہے۔ لیکن سر پر سینگ نہیں ہیں یہ شکلیں سات کے طلسمی اعداد پر مشتمل ہیں اور محققین کا خیال ہے کہ یہ شاید چیچک کی دیوی 'شیتلا' اور اسکی چھ بہنیں ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۲۱-۲)۔

اس منظر میں پیپل کا درخت خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ آج بھی پیپل سے اہل ہنود کے بہت سے عقائد وابستہ ہیں۔ مثلاً چند مخصوص ایام میں لکشمی (دولت کی دیوی) اس میں اقامت پزیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل ہنود اسکے گرد طواف کرتے ہیں اسکے تنے پر دھاگا لپیٹا اور سیندور لگایا جاتا ہے عورتیں اولاد نرینہ کے حصول کے لئے اسپر چڑھاوے چڑھاتی ہیں بعض اوقات مردہ روحوں کی پیاس بجھانے کیلئے اسپر پانی کی ہانڈیاں ڈانگی جاتی ہیں۔ چونکہ اس درخت کے پتے معمولی ہوا میں ہلنے لگتے ہیں اسلئے سلف سے یہ

عقیدہ چلا آرہا ہے کہ یہ دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہے
اسی درخت کے نیچے مہاتما بدھ کو گیان حاصل ہوا تھا
جس کے سبب سے اسکی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

ایک دوسری مہر پر ایک درخت کی شاخ مہراب کی
صورت میں دکھائی گئی ہے جس میں پتیاں نکلی ہوئی
ہیں۔ اسکے اندر ایک دیوی کھڑی ہے۔ یہ نقش کچھ
اس طرح تراشے گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بت
کو پتوں والے فریم میں رکھ دیا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۱۹ - ۵)۔
چند دوسری مہروں پر بھی درخت اور دیوی دکھائے
گئے ہیں۔

پانچ مہروں پر درخت بڑی احتیاط سے بنائے گئے
ہیں اور فنکاروں نے ان پر کافی محنت کی ہے۔ ان میں
سے بعض درختوں کی جڑوں کے گرد تھالے بنائے گئے ہیں
ایسے تھالے ابتدائی تاریخی عہد میں متبرک درختوں کی
جڑوں کے گرد ہی بنائے جاتے تھے۔ مٹی کے برتنوں پر بھی
پپل کے پتوں کی طرز کی نقاشی کی گئی ہے۔ کئی مہروں پر
نیم کا درخت بھی بنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے درخت
بھی متبرک خیال کئے جاتے ہوں۔

ایک مہر پر دو آدمی دکھائے گئے ہیں جن کے
ہاتوں میں نیم کے درخت ہیں ان درختوں کے درمیان درختوں

کی دیوی کی تصویر ہے جسکے ہاتھ پھیلے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ ان دونوں درختوں کی جڑیں الگ الگ ہیں اور یہ قیاس کیا گیا ہے کہ یہ درخت اسی دیوی کے احترام میں لگائے جا رہے ہیں کیونکہ متبرک درختوں کا لگانا بھی عہد قدیم میں مذہبی فریضہ تھا جس سے درخت لگانے والے کو ثواب حاصل ہوتا تھا اسی مہر کے دوسرے سرے پر ایک نیم کے درخت کے سامنے ایک آدمی کو سجدہ کرتے دکھایا گیا ہے۔ (پلیٹ نمبر ۲۱-۳)

قیاس ہے کہ وادی سندھ میں اشجار پرستی کے دو طریقے رائج تھے ایک تو یہ کہ درخت اپنی فطری حالت میں پوجے جاتے تھے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ درخت کی روح کو انسانی شکل اور انسانی صفات دیکر اسکی پرستش کی جاتی تھی۔ ہندوستان میں درختوں یا کسی اور چیز کو انسانی شکل و صورت دے دینا بہت عام ہے۔ کیونکہ تصور یہ ہے کہ درخت اور پودا ایک شخصیت رکھتا ہے اور اس میں روح ہوتی ہے اسلئے اسکے ساتھ انسانوں جیسا برتاؤ بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ درخت کاٹنے سے پہلے اسکی روح سے معافی مانگی جاتی ہے۔ گونڈ قوم کے افراد جو غیر آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں رات کو نہ تو درخت ہلاتے ہیں نہ پھل توڑتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے درخت کی روح کے سونے میں خلل پڑتا ہے۔ جنوبی

ہندوستان میں بعض غیر آریائی فرقوں میں عورتیں اپنے خاوندوں سے بیاہنے سے پہلے کسی درخت سے بیاہ دیجاتی ہیں تاکہ زندگی بھر ہری بھری رہیں۔ درختوں کا آپس میں بھی بیاہ کیا جاتا ہے چنانچہ تلسی کے مقدس پودے کا ہر سال بیاہ کیا جاتا ہے۔ ایسے موقع پر پوجا ہوتی ہے اور سالگرام پتھر کو بھوگ دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں درخت خود ایک دیوتا مانا جاتا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ معتقدات وادی سندھ کے لوگوں کے عقاید سے کس حد تک مماثل ہیں۔

حیوان پرستی

اشجار پرستی کی طرح حیوان پرستی بھی ایک دیرینہ رسم بندگی ہے۔ جس کا تقریباً ہر ملک میں رواج تھا وادی سندھ میں اشجار پرستی سے زیادہ حیوان پرستی کا رواج تھا جسکا پتہ سہروں پر جانوروں کی نقاشی اور مٹی اور پتھر کے مجسموں سے چلتا ہے۔ سر جان مارشل نے ان جانوروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۱۔ خیالی یا اسطوری جانور ۲۔ وہ جانور جنکی اسطوری حیثیت مشتبہ ہے ۳۔ فطری جانور۔

پہلی قسم کے جانور تشبیہی اور مرکب جانور ہیں مثلاً ایسے جانور جنکا ایک حصہ بکری یا دنبے کا ایک حصہ

بیل کا اور سر انسان کا - سمیر میں شیر کا جسم اور انسانی شکل والے جانور مصر میں انسانی جسم اور چڑیا یا بھیڑیے کے سر والے جانور مذہبی نوعیت کے جانور تھے - موہنجودارو کی ایک مہر پر ایک عجیب الخلق جانور بنایا گیا ہے جسکے تین سر ہیں - ایک سر پر بھینسے کے سینگ دوسرے سر پر ہرن کے سینگ تیسرے سر کے سینگ اندر مڑنے کے بجائے باہر مڑے ہوئے ہیں انکا جسم اور کھر بیل کے ہیں - (پلیٹ نمبر ۲۲ - ۵) اسی قسم کے تین سر ایک دوسری مہر پر بھی بنے ہیں - ایک مہر پر شیر کے تین سر بنے ہیں - یہ تین سر اور شیر کے تین سر شاید اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ انکا ایک دوسرے سے کوئی ربط ہو - دو مہروں پر نصف انسان، نصف بیل جیسا جانور ایک شیر پر حملہ کرتے دکھایا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۲۰ - ۵) - اس قسم کے جانور سمیر میں بھی ملتے ہیں -

ایک مہر پر ایسے راکشش کی تصویر ہے جس کا چہرا انسانوں کا سونڈ اور دانت ہاتھی کے سینگ بیلوں کے جسم کا اگلا حصہ سینڈھے کا اور پچھلا حصہ شیر کا ہے (پلیٹ نمبر ۱۹ - ۱) ایک مہر پر پپیل کے درخت کی دو شاخوں پر ایک سینگ والے بیل کے سر نکلے دکھائے گئے ہیں (پلیٹ نمبر ۲۲ - ۵)

دوسرے قسم کے جانوروں میں ایک سینگ والے بیل¹ ہیں۔ انکے نقوش لاتعداد سہروں پر ملے ہیں لیکن اس قسم کا جانور کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ اسکا تصور گینڈے سے لیا گیا ہو۔ اسکے شانے پر ایک زین دکھائی جاتی ہے۔ بعض بعض سہروں پر اسکے گلے میں چھلے یا جھریاں سی پڑی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔ اسکے منہ کے نیچے ایک عجیب برتن رکھا ہوا ہوتا ہے (پلیٹ نمبر ۲۰ - ۴) جس کے نقش دیکھنے سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ ایک ڈنڈے کے اوپر دو برتن اوپر نیچے لگائے گئے ہیں۔ جنکے نیچے کے خانے میں آگ سلگائی جاتی تھی جسکا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بعض سہروں میں اس سے آگ کی لپٹیں سی نکلتی دکھائی گئی ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ لوبان دان ہے۔ اور ان لوبان دانوں کی موجودگی ان جانوروں کی تقدیس کی ضمانت ہے یہ لوبان دان ہاتھ میں لیجائے جاتے ہونگے کیونکہ نہ تو ان کے ڈنڈے کے نیچے پیندے لگے ہیں اور نہ ہی انہیں زمین میں گڑا ہوا دکھایا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوبان دان خاصی اہمیت رکھتے تھے اور رفتہ رفتہ بذات خود تقدیس کا مظہر بن گئے تھے اور انکو بھی

۱ چند سہروں پر ان جانوروں کے دو سینگ دکھائے گئے ہیں۔ یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ نقوش ایک رخ بنائے گئے ہیں اسلئے ممکن ہے دوسرا سینگ پہلے سینگ کی آڑ میں ہو جانے کی وجہ سے نمایاں نہ کیا گیا ہو۔

پوجا جانے لگا تھا۔ ایک تصویر میں ایک ایسا لوہان دان بنایا گیا ہے جو لمبائی میں اس کے سامنے کھڑے ہوئے انسان سے بہت بڑا ہے جس سے لوہان دان کی اہمیت کا اندازہ دلانا مقصود ہے۔

فطری جانوروں میں کوہان والا بیل، گینڈا، چھوٹے سینگوں والا بغیر کوہان کا بیل، شیر اور ہاتھی بکثرت بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے بھینسے، گینڈے اور شیر کے سامنے ناند رکھے ہوئے ہیں۔ ہاتھی کے سامنے بعض مہروں میں ناند رکھی ہے بعض میں نہیں ہے۔ چھوٹے سینگ اور بغیر کوہان والے بیل کے سامنے ناند نہیں ہے۔ یہ ناندیں غالباً ان متبرک جانوروں پر خوراک کا چڑھاوا چڑھانے کی مظہر ہیں۔ ان کے علاوہ مینڈھا، سور، کتا، بندر، ریچھ، خرگوش، گلہری اور طوطے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن انکی تصویریں مہروں پر بنانے کے بجائے انکے مجسمے یا تو تانبے کے پتروں پر کندہ کی گئی ہیں یا پختہ سٹی سے بنائے گئے ہیں اور خیال ہے کہ بچوں کے کھلونے رہے ہونگے۔ اوپر بیان کئے ہوئے بقیہ جانوروں کی حیثیت کچھ طلسماتی سی ہے مہروں پر بنے ہوئے ایسے نقوش تمام مکانوں سے پائے گئے ہیں اور ان کے مقصد کے بارے میں کوئی آخری بات کہنا بہت دشوار ہے لیکن اسی قسم کی دوسری مہروں پر عجیب و غریب دیوی اور دیوتاؤں کے نقوش اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حقیقی

غیر حقیقی یا نیم حقیقی جتنے جانور بھی ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مذہبی مفہوم ضرور ہے۔ البتہ انکی مذہبی اہمیت کے مدراج کا اندازہ لگانا ممکن نہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ کون سا جانور زیادہ مقدس سمجھا جاتا تھا اور کون سا کم۔ کیونکہ اس تصریح کے لئے ہمارے پاس ٹھوس دلائل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں کسی چیز کو مذہبی تقدیس یا اہمیت دینا اور اسکی پریش کرنا لازم و ملزوم نہیں ہیں کیونکہ کسی جانور کو سعد یا نحس سمجھا جاسکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکی پریش بھی کی جائے۔

بہر حال یہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا کہ مرکب جانوروں کی سورتیاں (جنکے چہرے انسانوں کے دکھائے گئے ہیں) تین چہروں کی سورتیاں اور درخت کی دیویاں پوجی جاتی تھیں اور اسی طرح بڑے جانور مثلاً ایک سینگ کے بیل، بھینسے، چیتے، ہاتھی، گینڈے اور گھڑیاں وغیرہ بھی دیوتا سمجھے جاتے تھے۔ بقیہ جانور کسی نہ کسی توہم کے ماتحت مذہبی اہمیت کے حامل تھے۔ مثال کے طور پر ہندوں کے یہاں شیر یا چیتا ماتا کی سواری سمجھا جاتا تھا لیکن یہ ماتا سے علحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ ماتا جب غصہ اور جلال کی حالت میں ہوتی ہے تو چیتے کا روپ اختیار کر لیتی ہے بہار کے گونڈ اس کو ”وگھئی دیوی“ یعنی شیر دیوی کہتے ہیں۔ بھیل قوم کے افراد اسی قبیل کی ایک دیوی کے

معتقد ہیں جسے 'واگھیا کنور' یعنی شاہزادہ شیر کہتے ہیں۔ کھانڈوں کے یہاں یہ دیوی زمین کی دیوی یا مادر ارض چیتے کی بجائے ہاتھی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بر صغیر ہندو پاکستان کے ویدک عہد میں ہاتھی کو 'ایرادت' یعنی اندر کی سواری کہا جاتا ہے۔ لیکن اسے گنیش یا گنپت (عقل کا دیوتا اور مجسہ خوشبختی) سمجھ کر پوجا کی جاتی ہے۔ گنیش شیو کا بڑا لڑکا ہے جو پاورتی کے بطن سے پیدا ہوا اور جنوبی ہندوستان میں جہاں غیر آریائی قوموں کی آج بھی کثرت ہے اسکی پرستش بڑی عقیدت سے کی جاتی ہے۔

ایک سہر پر ایک بھینسے کو دکھایا گیا ہے جسنے کچھ انسانوں پر حملہ کیا ہے اور انکو زیر کر کے انکے درمیان نہایت فتحمندانہ طریقہ پر کھڑا ہے (پلیٹ نمبر ۱۹ - ۲) ہوسکتا ہے کہ یہ کسی دیوتا کا اپنے دشمنوں پر فتح پانے کا مظہر ہو۔ ایک جگہ ایک ایسا بھینسا دکھایا گیا ہے جس نے ایک آدمی کو اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ جنگلی بھینسا ہندوستان اور افریقہ میں بہت خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ اسکو 'یم' یعنی موت کے دیوتا کی سواری بھی مانا جاتا ہے۔ وہ پانی کا سیاہ دیوتا بھی سمجھا جاتا ہے اور 'بھینسا سر' کے نام سے بھی اسکی پرستش ہوتی ہے۔ یہ بھینسے کئی مہروں پر بنے ہوئے پائے گئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ



۱



۲



۳



۵



۶



۷



۸



پلیٹ نمبر ۱۹ - مہرین



۱



۲



۳



۴



۵

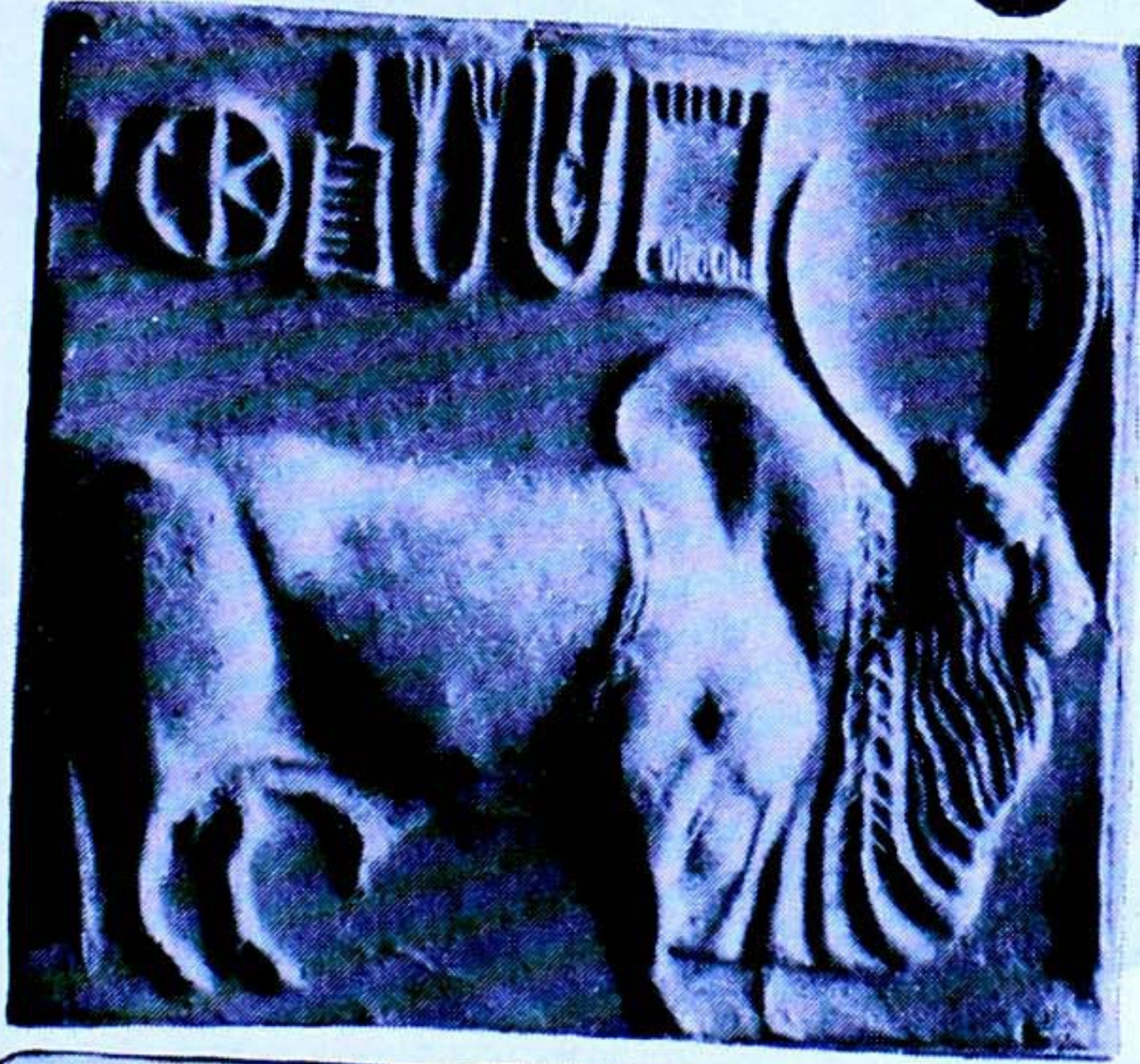
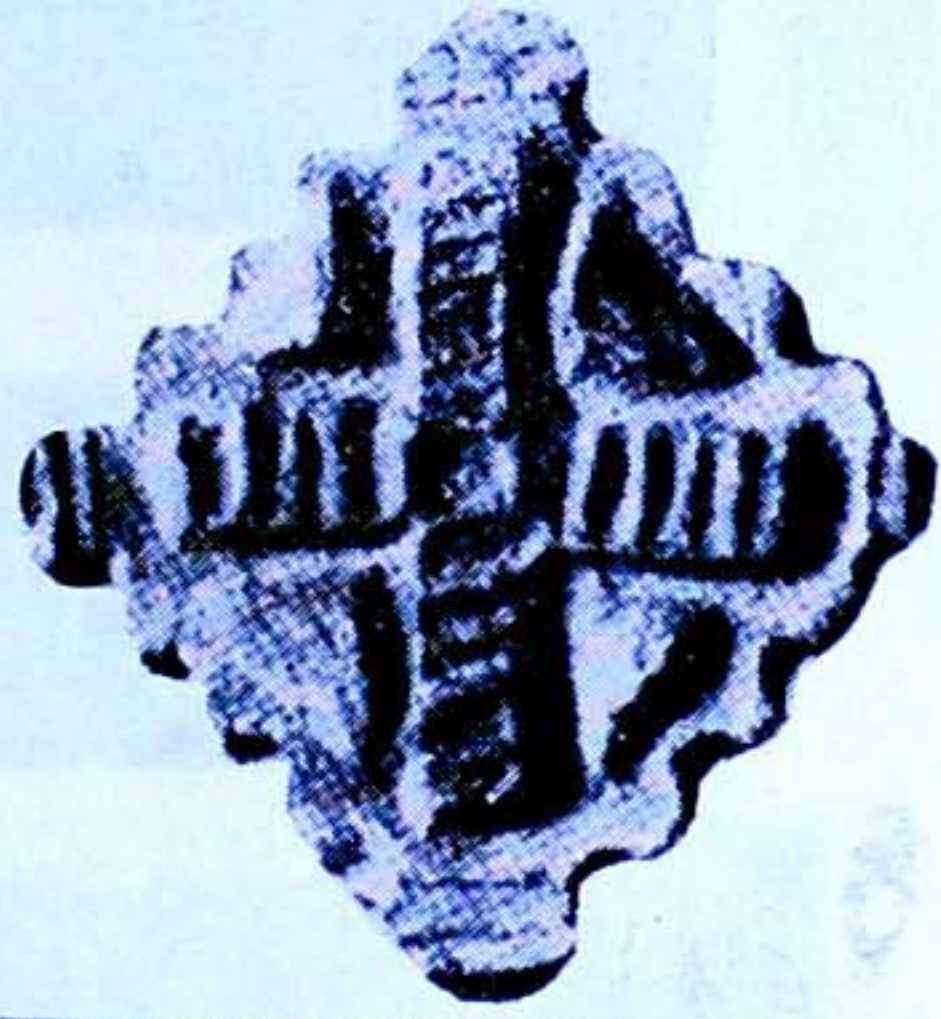
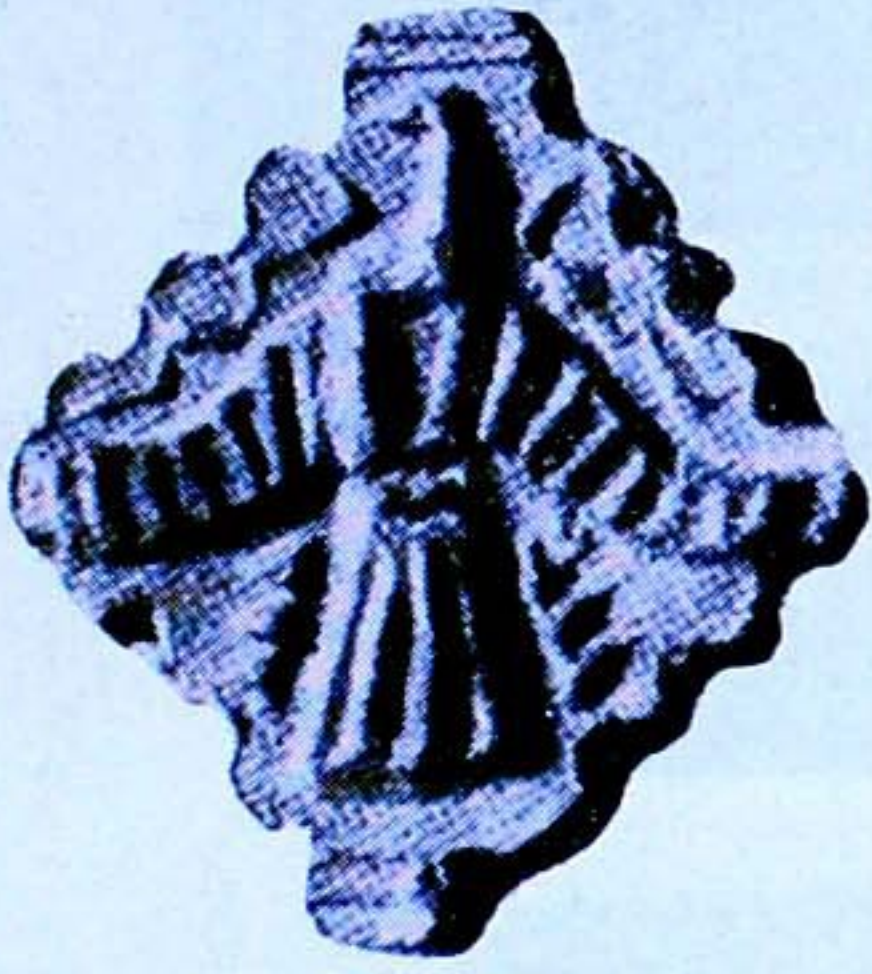


۶

پلیٹ نمبر ۲۰ - مہرین



پلیٹ نمبر ۲۱ - سہریں (۱، ۳ سہروں کے ہر دو رخ)



پلیٹ نمبر ۲۲ - سہریں (نمبر ۱ سہرے کے دو رخ)

وادی 'سندھ' کے لوگوں کے کسی خاص عقیدے سے متعلق ہوں۔

سانڈ، کوہان والے اور بغیر کوہان کے بیل ہندو مذہب میں شیو سے متعلق ہیں۔ شیو مت کے لوگ اسکی پرستش کرتے ہیں اور سال میں کم از کم ایک مرتبہ تہوار کے موقع پر اسکی پوجا کر لیتے ہیں۔ سانڈ کو داغ کر شیو کے نام پر آزاد کر دینا کارثواب سمجھا جاتا ہے اور یہ عقیدہ بھی عام ہے کہ مرنے کے بعد دوسرے عالم میں یہ سواری کا کام دیگا۔ ویدک عہد اور بالخصوص آریا 'دیومالا' میں اسکا یہ مقام نہیں ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ وادی 'سندھ' کے لوگ اس سے کیا عقائد وابستہ رکھتے تھے۔

بہت سی مہروں پر گینڈوں کی تصویریں کندہ ہیں۔ (پلیٹ نمبر ۲۰-۱) آجکل گینڈا بر صغیر ہندو پاکستان میں کم و بیش معدوم ہو چکا ہے اور اسکی قدیم تقدیس کی بھی کوئی خاص شہادت موجود نہیں لیکن اب تک لہوٹا ناگا قوم کے لوگ گینڈے کی ہڈی اپنے کھیتوں کے قریب اس غرض سے دفن کیا کرتے ہیں کہ انکے عقیدے کے مطابق ایسا کرنے سے کھیت کی پیداوار بڑھتی ہے۔

اس بات کے شواہد بھی ملے ہیں کہ یہ لوگ سانپ یعنی ناگ دیوتا کو بھی متبرک مانتے تھے۔ ہڑپہ میں سانپ

کی ایک بہت واضح تصویر ملی ہے۔ اس کے علاوہ مہروں پر بھی سانپ کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ایک مہر پر ایک دیوی کے سامنے دو آدمی سجدہ کرتے دکھائے گئے ہیں ان کے پیچھے ایک سانپ پھن پھیلائے لیکن گردن جھکائے دکھایا گیا ہے (پلیٹ نمبر ۱۹-۸) ایک مہر پر ایک چھوٹی سی چوکی کے سامنے ایک سانپ کی تصویر ہے۔ اس چوکی پر ایک برتن رکھا ہے جس سے شاید یہ ظاہر کرنا مقصود ہے گویا سانپ کے لئے دودھ رکھا گیا ہے۔ ویدک عہد میں سانپ کا عقیدہ نہیں پایا جاتا لیکن بعد کے دور میں ناگ کی تصویر یا مجسمے کو کسی دیوی یا دیوتا کے سامنے اظہار عقیدت کرتا ہوا دکھانا فنکاری کا محبوب ترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات بھی لطف سے خالی نہیں کہ فنکاری اور حکایات میں ناگ کا پانی سے بڑا گہرا تعلق ہے چنانچہ سانپ کی پرستش کے بارے میں ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ پانی کی روح تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے زہریلے ہونے کے خوف کے باعث ان کا مقدس ہونا تسلیم کیا گیا ہو۔ سانپوں کے بارے میں ہزاروں معتقدات ہیں لیکن اس کا فیصلہ مزید تحقیق کا محتاج ہے ان میں سے کونسا عقیدہ وادی سندھ سے بالخصوص متعلق تھا۔

ہڑپہ سے دریافت شدہ ایک معین نما دو رخی مہر پر ایک طرف تو ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دو خطوط بنائے گئے ہیں دوسری طرف ایک عقاب بنا ہے جس کا سر بائیں جانب

مڑا ہوا ہے۔ اسکے دونوں بازؤں پر ایک ایک سانپ بھی نظر آتا ہے (پلیٹ نمبر ۲۲ - ۱) یہ نشان مسوپٹامیہ میں بھی پایا جاتا ہے سوس، شام اور تل بارک میں بھی ایسے ہی نشانات ملتے ہیں سوس میں یہ 'نن گرسون' ہے جو 'نم امپ' کا آسمانی شکاری روپ ہے۔ ہندوستان میں یہ 'گرودا' کا ہم اصل ہوگا۔ گرودا وشنو کی سواری ہے اور ہمیشہ اپنے منہ میں سانپ لئے اڑتا دکھایا جاتا ہے۔

یہ لوگ فاختہ کو بھی متبرک مانتے تھے۔ اسکے مجسمے عام طور پر سنگھاسن پر رکھے ہوئے ملتے ہیں۔ فاختہ مسوپٹامیہ اور کریٹ میں بھی متبرک خیال کی جاتی تھی۔

ہندو اور دوسرے قدیم مذاہب میں ہر دیوتا کی سواری کے لئے ایک خاص جانور مخصوص ہے۔ مثلاً برہما راج ہنس پر سوار ہوتے ہیں، شیو بیل پر، شیو کی زوجہ درگا شیر پر، شیو کا بیٹا گنیش چوھے پر اسی طرح بعض جانور دیوی دیوتاؤں سے منسوب کئے گئے ہیں یا انکی علامت قرار دئے گئے ہیں۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ کبھی کبھی دیوتا جانوروں کے بھیس میں آتے ہیں چنانچہ یونان میں سانپ استھر کی، بیل زیوس کی، گائے ہیرا کی، سور ڈیمبر کی، چوہا اپالو کی، گھوڑا پوزیڈان کی، ہرن ارسمیٹس کی اور فاختہ آیفروڈائٹ کی شبیہ مانے جاتے تھے۔ مگر معلوم نہیں وادی سندھ کے دیوتا بغیر سواری سفر کرتے تھے یا انکی اپنی

سواریاں بھی تھیں اور یہ بھی ٹھیک سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان دیوتاؤں سے کون کون سے جانور منسوب تھے۔

دوسرے عقائد

وادی سندھ کے لوگوں کے اعتقادات میں پانی کو مقدس تصور کیا جاتا تھا یا نہیں، اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ موہنجودارو کے لوگوں کے یہاں اس کی خاص اہمیت تھی اس کا اندازہ غسلخانوں اور نہانے دھونے کے اس عام انتظام سے کیا جاسکتا ہے جو تمام مکانوں اور پبلک مقامات پر کیا جاتا تھا۔ موہنجودارو سے زیادہ کسی دوسرے پرانے شہر میں نہانے دھونے کا ایسا انتظام نظر نہیں آتا۔ یہ بہت ہی اہم اہتمام و انتظام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس یقیناً مذہبی نقطہ خیال سے ضروری سمجھا جاتا ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ اس انتظام کا موجب مذہبی نقطہ نگاہ تھا کچھ غلط بھی نہیں کیونکہ مدت دراز سے برصغیر ہندو پاکستان میں تالاب چشمے اور دریاؤں کا غسل مذہبی تخیل اور معتقدات کی بنا پر رائج رہا ہے چنانچہ کٹر ہندو آج بھی علی الصبح کسی دریا اور اگر دریا نہ ملے تو تالاب یا کنویں یا مکان ہی کے پانی سے غسل کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ اس سے ایک دن کے گناہ دھل جاتے ہیں اور گنگا اشنان سے تو ساری زندگی کے گناہ

تک دھل جاتے ہیں - پانی ہندوں میں پاک اور پوتر سمجھا جاتا ہے لیکن اسکے معنی پانی کی پرستش نہیں ہیں - دریاؤں کی پرستش بالکل جدا عقیدہ ہے -

گنگا اور جمنا کو دیوی سمجھ کر اہل ہنود انکی پرستش کرتے ہیں لیکن آزادی سے قبل دریا پنتھیوں کا سب سے بڑا مقدس مقام سندھ میں تھا اور ہوسکتا ہے کہ دریائے سندھ کی پرستش کی یہ رسم بہت قدیم ہو کیونکہ دریاؤں کی پرستش عالمگیر اعتقاد رہا ہے اور یہ بعید از قیاس نہیں کہ وادی سندھ کے لوگ دریائے سندھ کو قابل پرستش سمجھتے ہوں -

بہت سی مہروں پر گھڑیال کی تصویریں بھی بنائی گئی ہیں (پلیٹ نمبر ۱۹-۶) - بعض کے دانتوں کے درمیان مچھلی بھی دبئی ہوئی دکھائی گئی ہے - ہوسکتا ہے کہ انکو دریائی دیوتا سمجھا جاتا ہو کیونکہ عہد قدیم میں بہت سی قومیں گھڑیال کو متبرک مانتی اور اسکی پوجا کرتی تھیں - مدہ پردیش کے سونجھر لوگ اب بھی گھڑیال کو زندہ پکڑ کر اسکی پوجا کرتے ہیں اور پوجا کے بعد اسکو پھر دریا میں چھوڑ دیتے ہیں - بعض جنگلی قومیں لکڑی کے گھڑیال بنا کر دو کھمبوں سے لٹکا دیتے ہیں اور اسکی پوجا کرتے رہتے ہیں گھڑیال کی دو قسمیں ہیں ایک گھڑیال دوسرا مگر اور ان دونوں کی پوجا کیجاتی ہے -

کئی مہروں پر سواستکا کا نشان بھی ملا ہے (پلیٹ نمبر ۲۰-۲)۔
یہ نشان ایلام کے ابتدائی عہد میں بھی عام تھا اور متبرک
تصور کیا جاتا تھا۔ سواستکا سے آریاؤں کا تعلق بعد کا عقیدہ
ہے۔

دیوتاؤں اور روحوں کو خوش کرنے کیلئے رقص و
سرود خاص مذہبی اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ وادی سندھ
میں بھی ایسی مہرین ملی ہیں جن میں ایک آدمی ڈھول بجاتا
اور کچھ لوگ ناچتے دکھائے گئے ہیں۔ ایک مہر پر ایک
آدمی ایک شیر کے سامنے ڈھول یا مردنگ بجاتا دکھا گیا ہے
(پلیٹ نمبر ۱۹-۴) ایک مہر پر ایک ارنے بھینسے کے سامنے
ایک عورت ناچتی دکھائی گئی ہے۔ یہ بات یقین سے نہیں
کہی جاسکتی کہ وادی سندھ میں دیوداسیوں کا رواج
بھی تھا۔ لیکن دوسری قدیم تہذیبوں میں اسکا وجود اور
وادی سندھ میں کانسرے کی بنی ہوئی رقصہ کا مجسمہ،
مردنگ اور تھاپ دینے کی کھڑتال وغیرہ کی موجودگی
اس خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں کہ رقص یہاں کی عبادات
کا ایک اہم جزو رہا ہوگا اور دیوداسیاں بھی ہوتی ہونگی۔

تذکرہ

وادی سندھ کے باشندوں کے طریق تدفین کے بارے میں
موہنجودارو کی بہ نسبت ہڑپہ سے زیادہ شواہد دریافت ہوئے
ہیں۔ ہڑپہ کے یہ آثار وادی سندھ کے آخری دور سے متعلق
ہیں اور خیال کیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض کا تعلق اس
دور سے ہے جب موہنجودارو زوال پذیر ہو چکا تھا اور ہڑپہ کی
آبادی میں بھی کافی نسلی تبدیلی آچکی تھی۔ موہنجودارو میں
ابھی کوئی باقاعدہ قبرستان دریافت نہیں ہوا ہے۔ مختلف مقامات
پر انسانی ڈھانچے ملے ہیں جنکے بارے میں یہ کہنا
کہ انہیں دفن کیا گیا تھا شاید زیادہ درست نہ ہوگا
ہوسکتا ہے کہ موہنجودارو میں جب مزید کھدائی کی

جائے تو کوئی قبرستان برآمد ہو جائے اور یہ مسئلہ حل ہو سکے
 ہڑپہ میں کئی قبرستان ملے ہیں جن میں سے ایک قبرستان کو
 مدفن آر۔ ۳^۱ کہا گیا ہے۔ ایک دوسرا مدفن ایریا جی میں تھا
 اسی طرح 'مدفن آر ۳'، اور ہڑپہ کی فصیل کے درمیان
 ایک اور مدفن دریافت ہوا جسے مدفن ایچ^۲ کہا گیا ہے۔ ان
 مدفنوں سے جو باقیات دریافت ہوئی ہیں ان کا مطالعہ ہمیں بتاتا
 ہے کہ وادی سندھ میں تدفین کے تین طریقے رائج تھے۔ یعنی۔
 مکمل تدفین^۳ ۲۔ جزوی تدفین^۴ اور ۳۔ خاکستری تدفین^۵۔

مکمل تدفین

مکمل تدفین سے مراد یہ ہے کہ پوری لاش کو
 دفن کر دیا جاتا تھا۔ ان لاشوں کے ہمراہ ظروف گلی، منکے
 سیپ کے چمچ، ہاتھی دانت کے ٹکڑے اور چھوٹے چھوٹے
 برتن زاد راہ آخرت کے طور پر دفن کئے جاتے تھے۔

ہڑپہ میں جب ۱۹۳۷ اور ۱۹۴۶ کے درمیان
 کھدائی کی گئی تھی تو فصیل کے جنوب میں ایک نسبتاً بلند
 مقام سے ستاون قبریں برآمد ہوئی تھیں۔ اس علاقہ کو

-
- 1 Cemetery R—37.
 - 2 Cemetery—H
 - 3 Complete Burials.
 - 4 Fractional Burials
 - 5 Post Cremation Burial.

مدفن آر۔ ۳۷ کہا جاتا ہے۔ اس قبرستان میں بہ استثنائے چند لاشیں عموماً شمالاً جنوباً رکھی گئی ہیں۔ انکے سر مسلمان مردوں کی طرح شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف ہیں اور ہر قبر میں پندرہ بیس اور بعض بعض جگہ تو چالیس چالیس ظروف گلی بھی دفن ملے ہیں۔ بعض لاشیں زیورات پہنے دفن کی گئی ہیں یہ زیورات سنگ صابوں اور عقیق کے منکوں کے ہار، تانبے کی انگوٹھیوں اور تانبے کے پتلے تار کی بالیوں پر مشتمل ہیں کہیں کہیں آرائش و زیبائش کا سامان مثلاً تانبے کے دستے دار آئینے، کاجل لگانے کی سلائیاں اور میپ کے چمچ بھی دفن پائے گئے ہیں۔ ایک قبر میں پیروں کی طرف مٹی کا دیا اور مرغ کی ہڈیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ عام طور پر یہ اثاثہ لحد نچلے قسم کا ہوتا تھا۔ ان تمام قبروں میں دو قبریں نسبتاً زیادہ اہم ہیں جن میں سے ایک قبر میں اندرونی جانب کچی اینٹیں جڑی ہوئی ہیں جو لاش کے چاروں طرف تابوتی صندوق سا بناتی ہیں۔ تدفین کا یہ طریقہ اسی عہد میں جنوبی بلوچستان میں نال کے مقام پر بھی رائج تھا۔ دوسری قبر میں ایک زنانہ لاش لکڑی کے ایک تابوت میں رکھ کر دفن کی گئی ہے۔ یہ تابوت سات فٹ لمبا پیروں کی طرف دو فٹ اور سرہانے ڈھائی فٹ چوڑا تھا۔ اور ڈیڑھ انچ موٹے دیودار کی لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ ہڈیوں کے اوپر راکھ کے رنگ کی ایک تہ سی جمی ہوئی تھی

جس سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ شاید لاش کو نرکل یا سرکنڈوں کے کفن میں لپٹایا گیا تھا۔ ڈھانچے کے دائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی میں تانبے کی ایک سادی انگوٹھی پڑی ہوئی ملی تھی اور سیپ کا بنا ہوا ایک چھلا کا سہ سر کے بائیں جانب اور دو چھلے بائیں کاندھے کے اوپر پڑے تھے غالباً یہ کان کی بالیاں ہونگی۔ اس قبر میں سینتیس برتن رکھے تھے جن میں صرف ایک برتن تابوت کے اندر اور باقی برتن بے ترتیبی سے سرہانے پڑے تھے۔ یہ قبر بر صغیر ہند و پاکستان میں اپنے طرز کی واحد قبر ہے اور سارگن اور قبل سارگن دور یعنی تقریباً ۲۳۰۰ قبل مسیح کے مسوپٹامیہ کے تابوتی اجدوں سے مماثلت رکھتی ہے۔

بلوچستان میں نال اور شاہی ٹمپ میں بھی مکمل تدفین کے آثار ملے ہیں۔ نال میں مکمل ڈھانچوں کے ساتھ ساتھ اسی عہد کے جزوی تدفین کے آثار پائے گئے ہیں۔ لاشوں کے ہمراہ لاتعداد برتن بھی ملے ہیں جن میں کھانے اور دوسری دنیا یا سفر آخرت میں کام آنے والی بہت سی چیزیں دفن کی گئی ہیں شاہی ٹمپ میں لاشوں کو پشت یا بغل کے بل پر دفن کیا گیا ہے اور ان کے سرہانے یا پیروں کی طرف بھی ایسے برتن دفن کئے گئے ہیں جن میں دنبے یا بکریوں کی ہڈیاں دفن کی گئی ہیں ان کے علاوہ پتھر کے سنکے، تانبے کی بسولیاں، نیزوں کے سر اور دوسری اشیا بھی پائی گئی ہیں۔

جزوی تدفین

جزوی تدفین سے مراد وہ طریق تدفین ہے جس میں لاش کو کھلی فضا میں چھوڑ دیا جائے اور اس کا گوشت و پوست سڑنے کے بعد کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن جائے اور صرف ہڈیاں بچ رہیں اور ان بچی کھچی ہڈیوں کو دفن کر دیا جائے۔ موہنجودارو میں اس کی مثال ایچ۔ آر رقبہ کے ایک مکان سے دریافت شدہ ڈھانچے کے اجزا ہیں۔ یہاں ایک ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن میں ایک کاسہ سر رکھا ہوا ملا تھا۔ قریب ہی ہڈیوں کے چند ٹکڑے پڑے تھے مٹی کے برتن، چقماقی اوزار، سیپ کا چمچ، ہاتھی دانت کے ٹکڑے اور چند چھوٹے برتن بھی پائے گئے تھے یہ کاسہ سر موہنجودارو کے وسطی عہد کے مکان کے فرش کے نیچے سے دریافت ہوا تھا۔ اس برتن پر بارہ سنگے، پپیل کے پتوں والی شاخوں اور دوسری قسم کے نقوش بنائے گئے ہیں۔ ایسے نقوش نال، جمدت نصر اور دوسری جگہوں پر بھی دریافت ہوئے ہیں۔ وی۔ ایس۔ ایریا میں ایسے مدفن دریافت ہوئے ہیں۔ ایک جگہ بہت سی انسانی ہڈیاں کئی شکلوں کے ظروف گلی۔ پکائی ہوئی مٹی کے جانوروں کے جسمے منکے، چقماقی اوزار اور دوسری اشیاء کے ہمراہ ملی ہیں۔ چند برتنوں میں جلی ہوئی ہڈیاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔

ہڑپہ میں سو سے زیادہ جزوی تدفین کے آثار دریافت ہوئے ہیں جن میں سے ٹیلہ اے۔ بی کی دوسری تہ کی باقیات سوہنجودارو کی ہم عصر ہیں یہاں دو کاسہ سر، ایک نچلا جبرّاء، چند دوسری ہڈیاں اور ایک ٹوٹا ہوا آرتی تھالا ایک مکان کے کونے میں دفن ملا تھا۔ اس کے دو طرف اینٹوں کا بنا ہوا حاشیہ ہے جو شاید قبر بنائے جانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایریا جی میں مدفن ایچ کی نچلی تہوں میں ۱۰ کاسہ سر جانوروں کی ہڈیاں اور مختلف قسم کے مٹی کے برتن دریافت ہوئے ہیں۔

ہڑپہ کا سب سے اہم قبرستان مدفن۔ ایچ ہے۔ یہ مدفن آر ۳ اور فصیل کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دو تہیں ہیں نچلی تہ موجودہ اوپری سطح سے چھ فٹ نیچے ہے اور بالائی تہ سطح زمین سے دو یا تین فٹ نیچے ہے۔ نچلی تہ میں تقریباً دو درجن ڈھانچے ملے ہیں ان کے گھٹنے مڑے ہوئے اور سر مشرق یا شمال مشرق کی جانب ہیں۔ ان میں سے چند لاشیں جزوی طور پر دفن کی گئی ہیں۔ بالائی سطح پر کھوپڑیاں اور لمبی ہڈیاں بڑے خاکدانوں میں رکھ کر دفن کی گئی ہیں بچوں کی پوری کی پوری لاشیں خاکدان^۱ میں رکھ کر دفن کی گئی ہیں۔

۱ مٹی کے وہ بڑے مٹکے جن میں لاشیں ہڈیاں یا کاسہ سر رکھ کر دفن کئے جاتے تھے

ان برتنوں کے منہ ڈھکن سے بند کر دئے جاتے تھے۔ ان خاکدانوں کی نقاشی وادی سندھ کے دوسرے ظروف سے مختلف ہے۔ ان کے اوپری حصوں میں پٹیاں بنائی گئی ہیں۔ ان کے نیچے دلچسپ نقش پر مشتمل چوڑی پٹیاں ہیں۔ ایک ایسے انسان کی شکل بنائی گئی ہے جسکی شکل چڑیوں کی چونچ کی طرح ہے یہ انسان یا دیوتا دو بیل پکڑے ہوئے ہے ان بیلوں کے پیچھے کتا، اڑتا ہوا مور اور ایک کافی بڑی بکری کی تصویر بنائی گئی ہے بکریوں کے سینگوں پر آٹھ ترسول بنے ہیں۔ بعض تصویروں میں مور کے پیٹ میں لیٹے ہوئے انسان کا خاکہ بنایا گیا ہے ان نقوش میں ویدک عہد کے ان تصورات کی جھلک ملتی ہے جنکی رو سے انسانی روح کو آسمان پر لے جانے کے لئے اس قسم کی سواریوں کی اعانت کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی¹۔

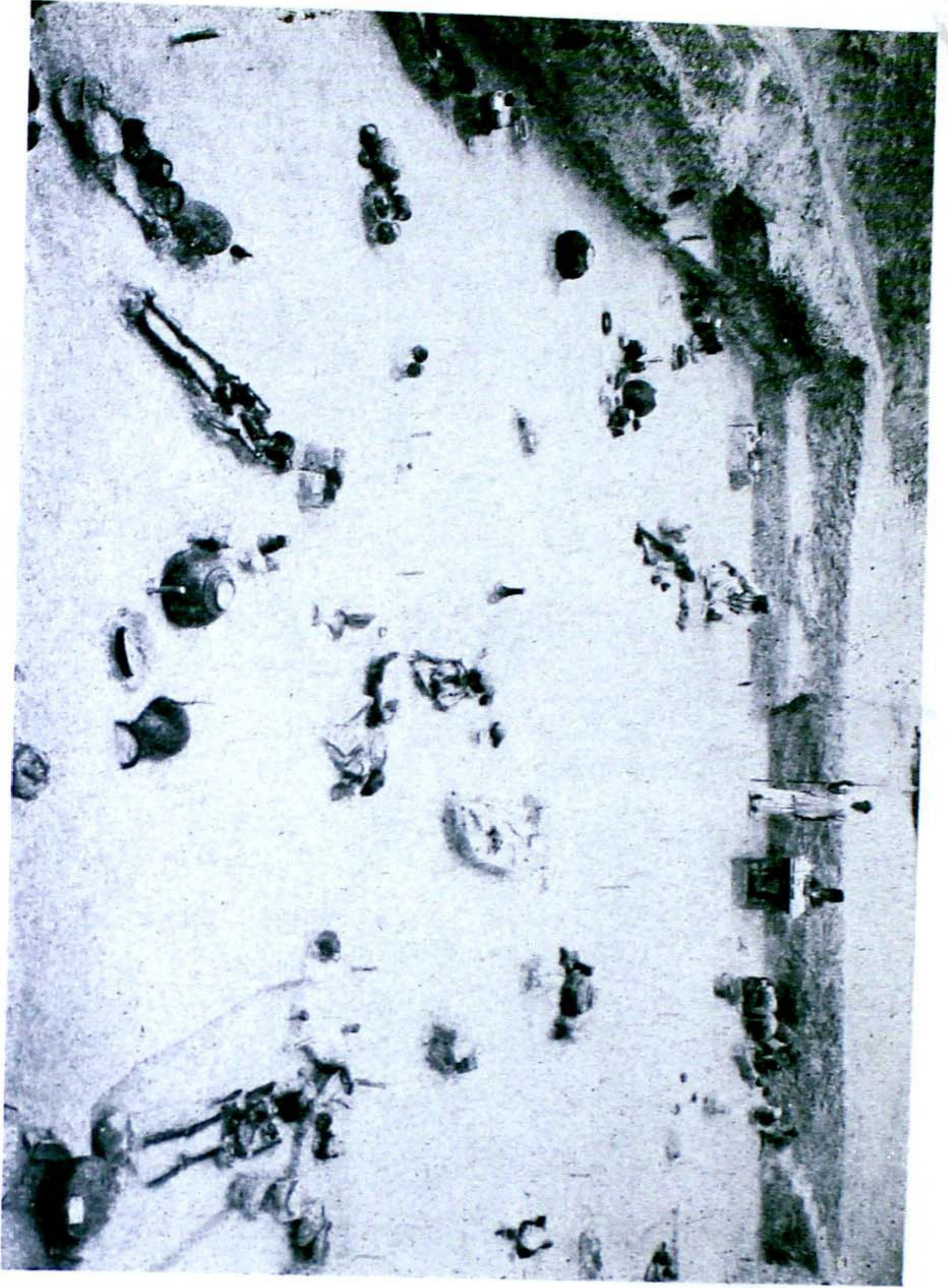
خاکتری مدفن

لاشوں کو جلا کر انکی راکھ کسی برتن میں رکھ کر دفن کرنے کو خاکستری مدفن کہا گیا ہے۔ یہ راکھ چوڑے منہ والے ایسے برتنوں میں رکھی جاتی تھی جو گھریلو استعمال کے برتنوں سے مختلف ہوتے تھے۔ ان میں انسانی ہڈیاں خال خال ہی ملی ہیں اور ہڈیوں کی موجودگی اہم بھی نہیں کیونکہ مقصد تو راکھ دفن کرنا تھا۔ ان خاکدانوں

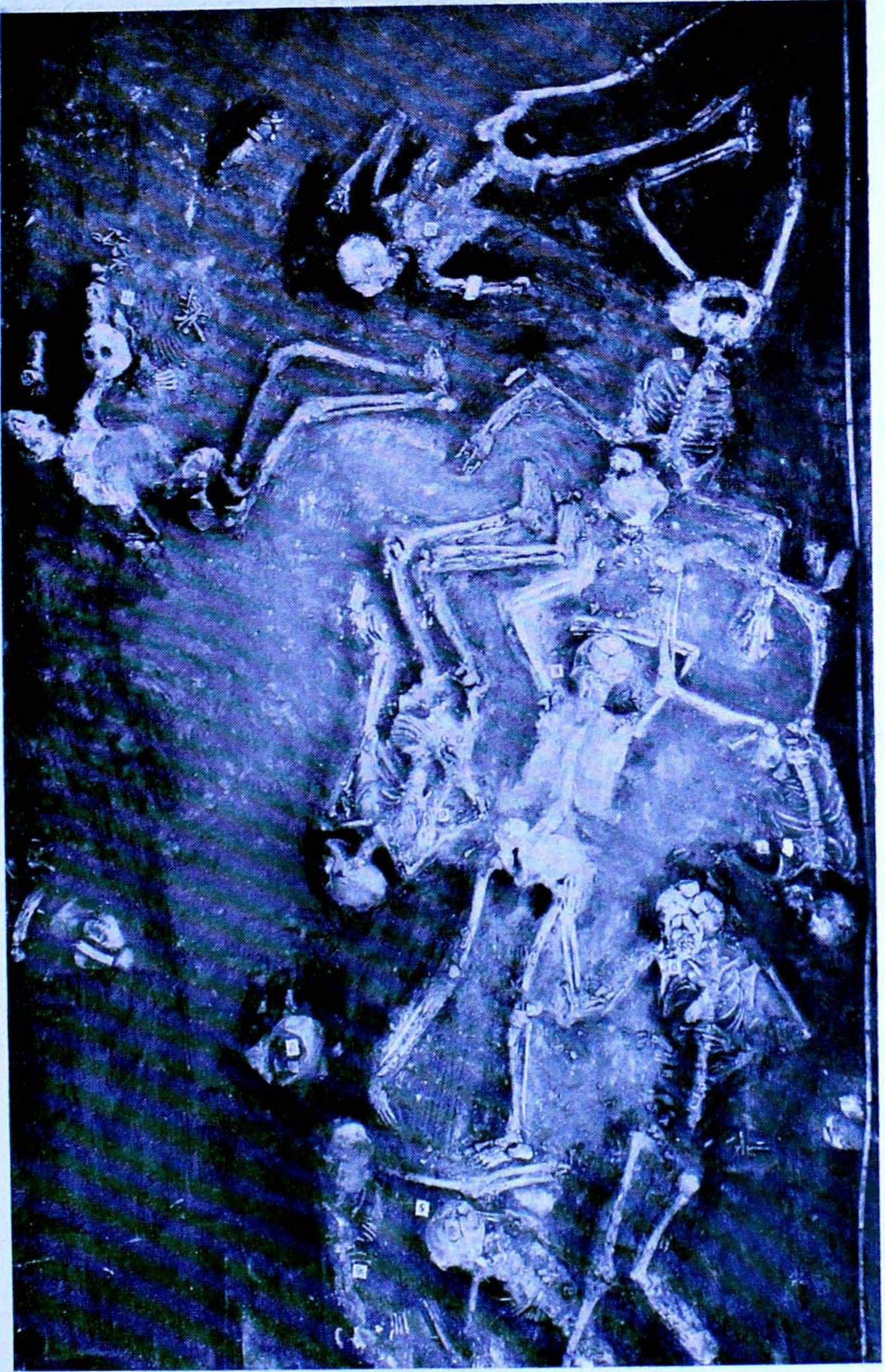
1 Wheeler — The Indus Civilization: P.p. 49-50

میں مختلف چھوٹے چھوٹے برتن مثلاً پیالیاں، تشتیریاں، نوکیلے پیندوں والی صراحیاں، پکائی ہوئی مٹی کے جانور، سہریں بکری، بھیڑوں اور مچھلیوں کی ہڈیاں چقماقی اوزار اور کوئلہ وغیرہ پائے گئے ہیں۔ ایک مکان سے دریافت شدہ خاکدان میں چند جھلسی ہوئی انسانی ہڈیاں جس میں ایک کاسہ سر اور ہاتھ کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں اور چند صراحیاں ملی ہیں۔ ہڑپہ میں موہنجودارو سے زیادہ خاکدان ملے ہیں موہنجودارو میں ایسے خاکدان صرف چھ مقامات پر دریافت ہوئے ہیں۔

موہنجودارو میں مختلف مقامات پر بہت سے ڈھانچے دریافت ہوئے ہیں جن کے بارے میں یہ قیاس کیا گیا ہے کہ وہ کم و بیش کسی نہ کسی حادثہ کا شکار ہوئے تھے۔ ایچ۔ آر۔ ایریا میں ایک مکان کے فرش کے نیچے سے ۴۱ ڈھانچے دریافت ہوئے تھے۔ ان میں سے ۴ ڈھانچے مردوں اور عورتوں کے اور ایک ڈھانچہ بچے کا تھا۔ ان کے ہمراہ سیپ کے بنے ہوئے زیورات، تانبے کے کڑے اور اٹوٹھیاں اور منکے بھی ملے تھے چند ہڈیوں میں زیورات پروئے ہوئے پائے گئے تھے جن سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ مرتے وقت یہ لوگ یہ زیورات پہنے ہوئے تھے۔ چھ ڈھانچے وی۔ ایس۔ ایریا میں ملے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈھانچہ بچہ کا ہے۔ ایک ڈھانچہ مردوں والی گلی میں پایا گیا تھا۔ لیکن شاید ان میں سے ایک لاش بھی دفن نہیں کی گئی تھی بلکہ یہ کسی



پلیٹ نمبر ۲۳ - الف - ہڑپہ - مدافن آر - ۳۷



پلیٹ نمبر ۲۳ - ب - موہنجودادارو - چند لاشیں

نہ کسی بلائے ناگہانی کا شکار ہوئے اور انسانی ہاتھوں سے دفنائے جانے کے بجائے دست قدرت نے انہیں دفن کیا چنانچہ ان لاشوں سے وادی سندھ کے لوگوں کے طریق تدفین کے بارے میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔

ہڑپہ اور موہنجودارو بین الاقوامی نوعیت کے شہر تھے ظاہر ہے کہ یہاں مختلف نسلوں اور مختلف اقوام کے لوگ آباد رہے ہوں گے ان لوگوں کی رسموں، اعتقادات اور زمانہ میں تفاوت ہوگا اسلئے انکے رسوم تدفین میں بھی لازماً فرق رہا ہوگا۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ وادی سندھ کے باشندوں میں سے کچھ لوگ اپنے مردوں کو دفن کرتے اور انکے ہمراہ اثاثہ لحد بھی رکھ دیتے تھے۔ کچھ لوگ اپنے مردوں کو کھلی فضا میں رکھ دیتے تھے اور گوشت پوست الگ ہر جانے کے بعد ہڈیوں کو اکٹھا کر کے گھڑوں میں رکھ کر دفن کر دیتے تھے۔ اور کچھ لوگ ان کو جلا کر راکھ اور ہڈیاں خاکدانوں میں رکھ کر دفن کرتے تھے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ مردوں کو دریا میں بہانے کا رواج بھی تھا۔

سنلی جائزہ

وادیٰ سندھ کے لوگوں کے نسلی جائزہ اور انکی
 جسمانی ساخت کا اندازہ ان دو قسم کی باقیات کا تجزیہ کرنے
 سے لگ سکتا ہے جو انکے کا سہ سر اور ڈھانچوں اور کانسے
 یا پتھروں کے بنے ہوئے انسانی مجسموں پر مشتمل ہیں۔
 موہنجودارو، ہڑپہ، چنہودارو میں تقریباً ۵ کا سہ سر اور ڈھانچے
 اور لاتعداد فشرده ہڈیاں مختلف مقامات اور مختلف حالات
 میں پائے گئے ہیں۔ ان میں سے چند تو باقاعدہ دفن کئے گئے
 ہیں اور بیشتر کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔
 باقاعدہ دفن شدہ باقیات اس تہذیب کے سب سے اہم
 مدفنوں یعنی ہڑپہ کے ایریا - جی اور مدفن - آر - ۳۷ سے

دریافت ہوئے تھے لیکن افسوس ہے کہ ان ڈھانچوں کا نہ تو اب تک کوئی تفصیلی جائزہ ہی لیا گیا ہے اور نہ کوئی تفصیلی رپورٹ ہی شائع ہوئی ہے۔ چنانچہ لے دے کر ہمیں سوہنجودارو کی گلیوں اور مکانوں سے دریافت شدہ ڈھانچوں کی تحقیق کی رپورٹ پر تکیہ کرنا پڑے گا۔ یہ تحقیقات مارشل، میکے، کرنل سیول اور مسٹر گوہا نے شائع کی ہیں اور ان کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ سوہنجودارو میں آسٹریلوی، بحرروسی، الپائینی اور منگولی گویا چار مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ دریافت شدہ کھوپڑیوں میں آدھے سے زیادہ کم و بیش ایک ہی نسل کے لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں اور انکو بحرروسی نسل سے متعلق کیا گیا ہے۔ پروفیسر اسٹورٹ پگٹ نے بحر روسی لوگوں کے بارے میں لکھا ہے¹۔

”موجودہ زمانہ میں یہ لوگ آیبیریا سے ہند تک بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اس جنس کے خصوصی نمونے فلسطین کے اندر نطونی دور میں ملتے ہیں۔ یہ گروہ شمالی افریقہ کے جنوبی ڈھلوان اور ایشیا کے اندر ایک دوسرے سے ممتاز ہوا ہوگا۔ قبل فراعنہ کے لوگ اسی جنس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس گروہ کے خالص ترین نمائندے عرب کے

1 Piggott Stuart—Prehistoric India ; P.P. 145—146

جزیرہ نما میں ملتے ہیں یہ لوگ ہندوستان کے اندر شمال کی آبادیوں میں، نیز دوسرے مقامات کی اعلیٰ جاتیوں میں بھی ملتے ہیں۔ یہ میانہ قد بھی ہوتے ہیں بلند و بالا بھی۔ رنگ سانولا بھی زیتونی قسم کا بادامی بھی۔ کھوپڑی اور چہرہ لمبوتر، اٹھے بانسے کی ستواں ناک، بال کالے، آنکھیں بڑی بڑی کشادہ، کالی بھی اور بادامی بھی، بدن کی ساخت نحیف۔ اثری شہادتیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لمبوتری کھوپڑی والے بحر رومی لوگ ممالک سیالک، اناو، العبید علی شہر، وغیرہ مغربی ایشیا کی قدیم ترین کاشتکار آبادیوں میں ہر جگہ موجود تھے۔ العبید کی کھوپڑیاں موہنجودارو کی کھوپڑیوں سے نمایاں قرابت رکھتی ہیں۔“

کرنل سیول کے اندازے کے مطابق وادی سندھ میں اس نسل کے مردوں کی لمبائی پانچ فٹ سوا چار انچ اور عورتیں چار فٹ نو انچ سے لیکر چار فٹ سوا چار انچ تک لمبی ہونگی۔

تین کا سہ سر پروٹو آسٹرالائیڈ¹ یا آسٹریلوی نسل کے ملے ہیں۔ یہ لوگ یہاں کے قدیم یا اصلی باشندے رہے ہوں گے یہ چھوٹے قد کے ہوتے تھے اور کرنل سیول کے اندازے کے مطابق انکی لمبائی اوسطاً پانچ فٹ ایک انچ ہوتی تھی۔ انکا رنگ گہرا سیاہ بال سیاہ لہرے دار اور گھنگریالے سر

1 Proto-Australoids

لمبا ناک چوڑی اور چپٹی ہونٹ موٹے اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ اس نسل کے لوگ آج بھی وسطی اور جنوبی ہندوستان میں پائے جاتے ہیں اور برہمن ان سے اچھوتوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔

سنگول نسل کا صرف ایک کاسہ سر ملا ہے سوہنجودارو سے دریافت شدہ کھوپڑیوں میں ایک کو یقین کے ساتھ اور تین کو شبہ کے ساتھ الپائینی¹ قرار دیا گیا ہے۔

ایریا - جی اور مدفن - آر - ۳ سے دریافت شدہ ڈھانچوں کے سرسری جائزے سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے جنکے سر بڑے اور لمبوترے یا بیضوی ہیں کھوپڑی کی بالائی ہڈی اونچی چہرا لمبوترے اور ناک چوڑی ہے اور یہ سوہنجودارو کے آسٹریلوی نسل کے لوگوں سے مشابہ ہیں۔

اس سلسلے میں رہنمائی کرنے والی دوسری باقیات پتھر اور کانسے کے بنے ہوئے انسانی مجسموں پر مشتمل ہیں لیکن ان سے قابل اعتماد نتائج اخذ کرنا مشکل ہے اور پھر ان نتائج کے پیش نظر کھوپڑیوں اور ڈھانچوں سے انکا تقابل زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ مجسمے نقل مطابق اصل کے اصول پر نہیں بنائے گئے ہیں

1 Alpinoids

ان کے خد و خال زیادہ واضح نہیں ہیں۔ بہرحال موہنجودادو سے دریافت شدہ چار مجسمے قابل غور ہیں۔ پہلا تو کانسے کا بنا ہوا رقاہہ کا مجسمہ جسکی زلفوں کی آرایش اور دوسری سجاوٹ جنوبی بلوچستان کے کلی کلچر کی پختہ سٹی کی بنی ہوئی سورتیوں سے مشابہ ہے۔ بھرے بھرے ہونٹوں والی یہ خاتون آسٹریلوی نسل سے متعلق کی جاسکتی ہے۔ آسٹریلوی نسل کے لوگوں کا سیاہ رنگ اور جنوبی بلوچستان کا قدیم نام 'گیڈروشیا'¹ یعنی 'سیاہ رنگ کے لوگوں کا ملک' کا تعلق بھی خالی از علت نہیں²۔

چونا پتھر کا بنا ہوا ایک آدمی کے سر کا مجسمہ بھی اہم ہے (پلیٹ نمبر ۱۴ - ب) اسکی چھوٹی مگر پوری لمہرے دار داڑھی، سر پر چپکے ہوئے لمہرے دار بال جو جوڑے کی شکل میں کھینچ کر موباف سے باندھے گئے ہیں اس کے بحر رومی نسل سے متعلق ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک اور مجسمے کی آنکھیں اس کے منگول نسل کا فرد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

وادی سندھ کے باشندوں کی نسل کے بارے میں محققین نے کچھ اور نظرئے بھی قائم کئے ہیں۔ چنانچہ ان کو

1 Gedrosia

2 Stuart Piggott — Prehistoric India ; P, 148.

دراوڑ، بروہی، سمیری، پانی، آشور، رواتی، واہیکے، داس ناگے اور آرے وغیرہ بھی کہا گیا ہے¹۔ اکثریت ایسے محققین کی ہے جو انہیں دراوڑ سمجھتے ہیں لیکن دراوڑ کا لفظ برصغیر ہند و پاکستان میں غیر آریائی زبان بولنے والی تمام قوموں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دراوڑ نسلی گروپ سے زیادہ لسانی گروپوں کا نام ہے چنانچہ یہاں کے وہ باشندے بھی جنکو پراچین ہندوستان کے باسی کہا جاتا ہے اور جو آج بھی وسطی اور جنوبی ہندوستان میں نیم وحشی زندگی بسر کرتے ہیں اور پروٹواسٹرالائڈ یا آسٹریلوی نسل سے تعلق رکھتے ہیں دراوڑ کہلاتے ہیں اور وہ باشندے بھی دراوڑ کہلاتے ہیں جنکو بحر روم کی نسل سے متعلق سمجھا جاتا ہے اور جنکے بارے میں یہ قیاس کیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان میں آریوں کی آمد سے کئی ہزار سال پہلے داخل ہو چکے تھے۔ بروہی جو دراوڑی زبان بولتے ہیں ترکی ایرانی نسل کے ہیں² اور نسلی اعتبار سے وسطی اور جنوبی ہندوستان کی دراوڑی زبان بولنے والی دوسری نسلوں سے بالکل مختلف اور برصغیر ہند و پاکستان کی دوسری قوموں سے الگ ہیں چنانچہ یہ خیال کیا جا سکتا ہے

1 Vedic Age; P. 193.

2 Vedic Age; P. 195.

کہ وادیٰ سندھ کے لوگ بروہی نہ تھے۔ سمیری لوگوں کی نسلی کیفیت کے بارے میں ابھی کوئی قطعی بات معلوم نہیں ہے البتہ موہنجودارو کے لوگوں سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے اور یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وادیٰ سندھ میں کافی سمیری آباد تھے۔ پانی اور دوسری قوموں کے بارے میں اب تک ایسی کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کی گئی ہے کہ ہم ان کو کسی معلوم شدہ نسل سے متعلق کر سکیں۔ اس بات پر بھی تقریباً تمام محققین متفق ہیں کہ وادیٰ سندھ کی تہذیب آریوں کے برصغیر ہند و پاکستان میں وارد ہونے سے پہلے کی تہذیب ہے اس لئے ان کا آریہ ہونا یکسر غلط اور نسلی عصبیت کی ایک بھونڈی مثال ہے۔



رسم الخط

قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں زبان اور رسم الخط کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ان کی ترقی و تنزل کے ساتھ ساتھ زبان اور رسم الخط کو بھی عروج و زوال ہوتا رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا اسکی زبان اور رسم الخط نے بھی عروج و ترقی کے منازل طے کئے اسی طرح اس قوم کے زوال کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی روبہ انحطاط ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک مخصوص دائرے میں محدود ہو کر مردہ ہو گئی اور پھر امتداد زمانہ کی بدولت نوبت یہاں تک پہنچی کہ نہ کسی نے اسے سنا اور نہ ہی کوئی صفحہ اسکے حروف سے اثر پذیر

ہوسکا۔ البتہ کہیں پتھر اور اینٹ، کہیں درخت کی چھال اور پتوں کہیں جانوروں کے چرسوں، قبر کے الواح، ظروف گلی، دھات کے ٹکڑوں یا ویران عمارات کی بوسیدہ دیواروں پر آثار قدیمہ کے طور پر انکے نشانات باقی رہ گئے۔

زبان خواہ زندہ ہو یا مردہ مورخ کے نقطہ نظر سے اس کی اہمیت میں فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ مردہ زبانیں جو سلف سے متعلق ہیں نسبتاً زیادہ تاریخی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ یہ اس زمانہ کی نا معلوم تاریخ مدون کرنے میں بڑی معاون ہوتی ہیں۔ البتہ ان زبانوں کو پڑھنے کیلئے بڑی کاوش کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے تقریباً ہر قدیم اور نا معلوم تحریر ابتدا میں غلط سلط پڑھی گئی لیکن علمائے لسانیات کی تحقیق نے اصل حقیقت کا انکشاف کر ہی لیا۔ اس محنت اور جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر، سمیر، ایلام اور یونان کی زبانیں پڑھ لی گئیں جس سے ان قوموں کی تاریخ زیادہ واضح ہو گئی۔

وادی سندھ کے فرزندوں کا بھی اپنا رسم الخط تھا اپنی زبان تھی اور اس میں لکھتے پڑھتے تھے لیکن افسوس کہ یہ زبان آج چند مہروں اور ظروف پر چند نشانات کے علاوہ کہیں محفوظ نہیں۔ ممکن ہے یہ تحریر دوسری چیزوں پر بھی ثبت کی جاتی ہو لیکن وہ سب تلف ہو چکی

ہیں اور انکے آثار آج نہیں ملتے۔ یہ دریافت شدہ تحریریں بہت مختصر ہیں چنانچہ سب سے بڑی تحریر صرف سترہ حروف پر مشتمل ہے۔ یہ تحریریں تصویری نشانات ہیں جن کو آج تک پڑھا نہیں جاسکا کیونکہ ہم کو نہ تو ان لوگوں کی زبان معلوم ہے اور نہ ہی ان کا رسم الخط۔ اسکے علاوہ کسی ایسے کتبے کا پتہ بھی نہیں چل سکا ہے جس میں عبارت دو زبانوں میں لکھی ہو کہ ایک کی مدد سے دوسرا خط پڑھا جاسکے۔

لیکن چونکہ اس تہذیب نے برصغیر ہند و پاکستان کی قدیم تاریخ کے بارے میں ہمارے تصورات کو یکسر بدل ڈالا ہے یہاں کے حالات سے حقیقی واقفیت حاصل کرنے کیلئے اسکا پڑھنا نہایت اہم اور ضروری سمجھا گیا اور بہت سے ماہر لسانیات نے اپنی تحقیق و تلاش اس موضوع پر مرکوز کی ہے۔ ان محققین میں سر فہرست مسٹر ویڈل¹ کا نام لیا جاسکتا ہے جن کا خیال ہے کہ وادی سندھ کے رسم الخط کی سمیری رسم الخط سے بے انتہا مماثلت ہے ان کی رائے ہے کہ موہنجودارو کے لوگ آریا تھے چنانچہ انہوں نے وادی سندھ کی مہروں کے نشانات کا سمیری رسم الخط کے نشانات سے تقابل کرنے کے بعد اسمیں ویدک عہد کے بزرگوں اور دیوتاؤں کے نام تلاش کرنے کی کوشش

1 Waddel, L.A.—The Indo Sumerian Seals Deciphered

کی - لیکن ان کا طریق مطالعہ اور ان کے نتائج غیر مکمل اور
 تشنہ تھے۔ اس کے بعد سر جان مارشل کی کتاب، موہنجودارو
 اینڈ انڈس ویلی سویلائزیشن، شائع ہوئی - اس میں رسم الخط
 پر دو ابواب شامل کئے گئے ہیں - ان میں پروفیسر لینگڈن¹
 نے ایک نیا نظریہ پیش کیا اور اس رسم الخط کو برہمی
 زبان کے مماثل قرار دیا - لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں
 کیونکہ برہمی زبان یقینی طور پر فیونیشی زبان سے مشتق
 ہے اور اس کا سندھی رسم الخط سے کوئی علاقہ نہیں -
 ایک اور محقق مسٹر گیڈ² کا خیال ہے کہ یہ تحریریں رکنی
 ہیں اور ایک قدیم ہند - آریائی زبان سے متعلق ہیں
 اور مہروں میں عام طریقہ پر نام تحریر کئے گئے ہیں - لیکن
 ان کا طرز استدلال سائنٹفک نہیں ہے - سر جان مارشل کی
 کتاب کے شائع ہونے کے بعد ڈاکٹر پران ناتھ نے اس
 رسم الخط پر کام کرنا شروع کیا انہوں نے ایک تشریحی
 تقطیع مرتب کی جس میں ان نشانات کو برہمی زبان کے
 حروف سے مطابقت دی گئی تھی³ اگرچہ ان کا طریق کار صحیح
 تھا لیکن انہوں نے یہ نظر انداز کر دیا کہ اشوک کے
 برہمی زبان کے کتبوں اور موہنجودارو کے درمیان ہزاروں
 سال کے عرصہ کا فرق ہے اور اس عرصہ میں نشانات جو شروع

1 Marshall—Mohenjodaro and the Indus Civilization, II; P. 431

2 ایضاً

3 Nath Dr. Pran—The Script of the Indus Seals, Journal Royal Asiatic Society 1931 Pp. 671—674.

میں ایک لفظ یا جملہ ہوا کرتے تھے حروف بن چکے تھے -
ڈاکٹر پران ناتھ کے بعد مصریات کے عالم سر فلنڈرس پیٹری
نے اس معمعہ کو حل کرنے کی کوشش کی¹ - انہوں نے ان
مہروں کے نشانات میں قدیم مصری زبان کے حروف پڑھنے
کی کوشش کی ان کے نزدیک یہ مہریں اس زمانہ کے سرکاری
افسران کی مہریں ہیں جن پر نام کے بجائے ان کے عہدے
درج ہیں - یہ نظریہ اس لئے بھی غلط ہے کہ موہنجودارو میں
ہزاروں مہریں ملی ہیں اور ہر مہر کی تحریر دوسری تحریر سے
الگ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہاں ہزاروں عہدے دار
تھے جو بالکل قرین قیاس نہیں ہے - سر فلنڈرس کے بعد
ایک اور مستشرق ہوئی نے اس رسم الخط کا سلسلہ جزائر
ایسٹری سے دریافت شدہ لکڑی کے تختوں پر کندہ کتبوں سے
جا ملایا² - لیکن جزائر ایسٹری کے ان کتبوں کی تاریخ بڑی
مشتبہ ہے اور اس قسم کے شواہد بھی موجود نہیں ہیں
جن سے وادی سندھ کی تہذیب کا جزائر ایسٹری سے اس قسم
کا تعلق تسلیم کیا جاسکے جو رسم الخط پر اثر انداز ہوسکے -
مسٹر جی۔ آر۔ ہنٹر کی کوشش بھی قابل قدر ہے³ جنہوں
نے اس رسم الخط کا بڑا گہرا مطالعہ کیا لیکن وہ چند اصول

1 Petrie Sir W. M.—Mohenjodaro, Ancient Egypt, 1932, Pp. 33-40

2 Hovesy, W. Von—Inselchrift Und Indusschrift, Orientalist, Literaturzeitung, 1934, P, 665 ff

3 Hunter, G R—The Script of Harappa & Mohenjodaro and its Connection with other Scripts

جو انہوں نے ابتدائی طور پر مرتب کئے زیادہ صحیح نہیں تھے چنانچہ انکے نتائج غلط نکلے۔ اس رسم الخط کو انہوں نے صوتیاتی قرار دیا ان کے خیال میں ابتدا میں یہ خط تصویری تھا لیکن بعد میں اسکی ہیئت بالکل بدل گئی اور آخر میں انہوں نے لینگڈن کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ وادی سندھ کا رسم الخط برہمی زبان سے مماثل ہے (اس تصور کی تکذیب اوپر کی جاچکی ہے) اسی طرح ایک اطالوی ماہر لسانیات مسٹر مریگی نے کہا کہ یہ سارے نشانات تصویری ہیں اور ہر نشان ایک پورے جملے کی ترجمانی کرتا ہے¹۔ انکے خیال میں یہ زبان سنسکرت بولنے والے لوگوں کی زبان نہیں ہے۔ لیکن وہ ان کتبوں کی زبان نہیں بتاتے البتہ انکی تشریح کرتے اور مطلب بتاتے ہیں۔ ان کی تحقیق بھی خامیوں اور غلطیوں سے مبرا نہیں ہے پروفیسر ہروزنی نے مندرجہ بالا آرا اور نظریات کا نہایت دقیق مطالعہ کیا ہے اور سب نظریوں سے اختلاف کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ وادی سندھ کی زبان سے اگر کوئی زبان مماثل ہو سکتی ہے تو وہ حتیٰ زبان ہے²۔ لیکن یہ نظریہ بھی چند بے بنیاد مفروضوں پر قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے فادر ہراس³

1 Meriggi, Herr. P — Zur Indus Schrift Zeitschrift der Deutschen Morgenlandischen Gesellschaft, XII Pp. 189-241

2 Hrozny Bedrich—Ancient History of Western Asia and India and Crete, Prague.

3 Heras—Rev S.J.—Studies in proto-Indo Medeterranian Culture Bombay- 1953,

نے موہنجودارو کے اس رسم الخط کو قدیم تامل زبان بتایا ہے لیکن یہ نظریہ بھی قرین قیاس نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ موجودہ تامل جس کا فادر ہراس نے وادی سندھ کی زبان سے تقابل کیا ہے تقریباً پانچ سو سال بعد مسیح سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قدیم تامل صوتی اعتبار سے اس دراوڑی زبان کی بہت ہی تبدیل شدہ صورت ہے جو قبل مسیح کے وادی سندھ کے عہد میں بولی جاتی رہی ہوگی اسلئے دونوں کا باہم رابطہ مشکوک ہے۔

چند محققین نے اسے سنسکرت سے جا ملایا ہے جس میں پیش پیش سوامی شنکر انند¹ ہیں جنکو وادی سندھ کی زبان کا راز تانترک میں ملتا ہے اور جن کی زبان سنسکرت ہے انہوں نے اس رسم الخط کے بہت سے نشانات کی قدیم سکوں اور تاریخی دور کی بعض مہروں پر کندہ نشانات سے مطابقت دی ہے انہوں نے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے میں مضحکہ خیز دلائل پیش کئے ہیں اور اس بنیادی بات کو جان بوجھ کر فراموش کرنے کی کوشش کی ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب براعظم ہند و پاکستان میں آریوں کے آنے سے قبل کی تہذیب ہے۔ اس خیال سے کلکتہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر بروا نے بھی جزوی ترمیموں کے ساتھ اتفاق کیا ہے²۔ اسی

1 Sankaranand—The Rigvedic Culture of Prehistoric Indus

2 Barua, Dr. B.M—Indus Script and Tantric code, Indo-Iranica, I Pp 15-21

طرح ڈاکٹر کرمارکر نے بھی وادی سندھ کی زبان گو سنسکرت قرار دیا ہے¹ بلکہ ان کے خیال کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب ویدک عہد یا اس کے بعد کی تہذیب ہے۔ اس کے برعکس مولانا ابو جلال ندوی کی تحقیق کے اعتبار سے یہ رسم الخط عربی رسم الخط سے مشتق ہے²۔ انہوں نے یہاں کی مہروں پر قدیم عربی حروف دریافت کئے ہیں بلکہ ان کے خیال کے مطابق ان مہروں پر نہ صرف عربی رسم الخط میں حروف کندہ ہیں بلکہ ان کے نقاش کو بھی عرب بتاتے ہیں۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ صانعین مہر کا منشا تصویروں کے ذریعہ عربی زبان لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دینا تھا۔ گویا یہ مہریں تعلیمی تاش ہیں اور درسی لوحوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ اور ایسی دوسری آراء اس کثرت سے پیش کی گئی ہیں کہ پڑھنے والا ان نظریات کے گو رکھ دھندے میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان تمام کوششوں اور تحقیقوں کے باوجود آج بھی وہیں ہے جہاں آج سے تیس سال پہلے تھا۔ اور ان تمام کوششوں میں کوئی کوشش ایسی نہیں ہے جس کو بغیر کسی اعتراض کے مان لیا جائے۔

1 Kar markar, Dr. A.P.—The Aryo - Dravidian Character of the Mohenjodaro Inscriptions Pracyavani I Pp 99 - 101

2 مولانا ابو جلال ندوی رسالہ تاریخ و سیاست، انجمن ترقی اردو، پاکستان، نومبر ۱۹۵۳ء

وادیٰ سندھ کے رسم الخط کو تصویری رسم الخط کہا گیا ہے۔ لیکن چڑیوں، مچھلیوں، انسانوں اور چند دوسری شکلوں کے علاوہ بقیہ تمام نشانات کم و بیش رواجی، تقلیدی اور غیر طبعی ہیں۔ اس رسم الخط کی خاص خوبی اسکی تخطیط مستقیم ہے یعنی اسکو خطا لاوتاد اور میخی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چند مخصوص الفاظ اور دوسری علامات سے اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ رسم الخط دائیں جانب سے بائیں جانب لکھا جاتا ہوگا لیکن چند کتبے ایسے بھی ہیں جن سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ جن مہروں پر دو سطروں میں عبارت کندہ ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ اوپر والی سطر تو داہنی جانب سے بائیں جانب اور نیچے کی سطر اسی تسلسل میں بائیں جانب سے داہنی جانب لکھی گئی ہے۔

موجودہ رسم الخط سے تقریباً تین سو چھیانوے نشانات اخذ کئے گئے ہیں۔ ابتدا میں یہ نشانات یقیناً بہت زیادہ رہے ہونگے جیسا کہ سمیری رسم الخط اپنے ابتدائی دور میں موجودہ نشانات سے تقریباً دو چند نشانات پر مشتمل تھا اور رفتہ رفتہ غیر ضروری اور ثانوی نشانات ختم ہوکر موجودہ صورت پیدا ہوئی ہے۔ وادیٰ سندھ کا رسم الخط بھی اسی طرح غیر واضح اور ناہمواری کے دور کے بعد اپنی موجودہ مستحکم شکل میں صورت پذیر ہوا ہوگا۔

مختلف نشانات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ رسم الخط ابجدی نہیں بلکہ رکنی ہے جس میں تصویری تصوری، تشکیلی، پیکانی یا آشوری خطوں کی آمیزش ہے۔ بہت سے الفاظ پر تاکیدی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں جو اس عبارت کی پختگی کا ثبوت ہیں۔

اس رسم الخط میں اگر حروف کی شکل و صورت کا باقاعدہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انکی بناوٹ میں عام طور پر خاص تبدیلی نہیں ہوئی اور ان تمام مہروں میں وہ ابتدائی مراحل جن سے ترقی کر کے یہ تحریر تصویری تحریر سے تصویری رسم الخط یا صوتی رسم الخط بنی ہوگی مفقود ہیں۔ چنانچہ وہ تمام کڑیاں جن سے اس تحریر کی ابتدائی غیر منضبط شکل اور بعد کی ترقی یافتہ شکل کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے ابھی تک دریافت نہیں ہو سکیں۔ اسکے برعکس اگر ہم برہمی رسم الخط کی ان تمام تبدیلیوں اور ترکیبوں پر غور کریں جو مختلف ادوار میں ہوتی رہی ہیں اور جس سے اسکا جمود برابر ٹوٹتا رہا ہے تو ہمیں وادی سندھ کے رسم الخط کا یہ جمود بہت غیر فطری معلوم ہوتا ہے درحقیقت یہ ایک ناقابل توجیہہ عجوبہ ہے کہ وادی سندھ میں کم و بیش ایک ہزار سال تک ایک ہی خط بغیر کسی تغیر اور تبدیلی یا ترقی کے رائج رہا۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ وادی سندھ کی زبان بیرونی اثرات سے بے نیاز ہو کر پہلی

پھولی ہوگی۔ یا یہ کہ سر دست جو مطابقت اس رسم الخط میں اور برہمی یا سامی رسم الخط میں ہے وہ محض اتفاقی ہے دراصل اس تحریر کا صحیح حل اسی وقت نکل سکتا ہے جب مسوپٹامیہ یا وادی سندھ کی کھدائی میں کوئی ایسی تختی یا مہر دریافت ہو جائے جس میں ان دونوں زبانوں میں کندہ کتبے دریافت ہو سکیں۔ اس طرح مسوپٹامیہ کی زبان کی مدد سے وادی سندھ کا رسم الخط پڑھا جاسکے گا کیونکہ مسوپٹامیہ کی زبان پڑھی جا چکی ہے۔

بہرحال وادی سندھ کے رسم الخط سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مہروں، تختیوں اور برتنوں پر عرصہ دراز تک ایک ہی قسم کی عبارت تحریر کی جاتی رہی۔ عبارت میں اس پختگی تک پہنچنے کے لئے بہت سے ابتدائی نقوش بنے اور مٹے ہوں گے جن سے یہ ترقی یافتہ شکل پیدا ہوئی ہوگی لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے اس تہذیب کی نہ تو ابتدا ہی معلوم ہے اور نہ انتہا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اچانک ایک ایسے دور سے روشناس ہو گئے ہیں جو اس تہذیب کا زریں دور تھا۔ اسی وجہ سے اس تحریر کی ابتدائی اور آخری شکلوں کا پتہ نہیں چلتا۔

زمانہ

وادیٰ سندھ کی تہذیب کے زمانہ کا تعین ایک
 دشوار مسئلہ ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں کی
 کھدائی میں مختلف تہیں تفصیلی طور پر صحیح انداز میں
 متعین نہیں کی گئی تھیں۔ پھر اب تک یہاں سے
 برآمد ہونے والے رسم الخط میں لکھی ہوئی تحریر
 بھی نہیں پڑھی جاسکی ہے جو اس سلسلہ میں کوئی مدد
 کرسکے۔ موہنجودارو کے کھنڈرات میں صرف اسٹوپہ ہی
 تاریخی دور کی عمارت ہے جو تیسری صدی قبل مسیح کی
 تعمیر ہے۔ لیکن اسٹوپہ کا وادیٰ سندھ کی تہذیب سے
 کوئی تعلق نہیں ہے اور اس دور کی جو باقیات بھی برصغیر

ہند و پاکستان میں ملی ہیں ان کا وادیٰ سندھ کی تہذیب کی باقیات سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ وادیٰ سندھ کی تہذیب انفرادی خصوصیات کی حامل ہے لیکن اس کے باوجود یہ دوسری تہذیبوں سے الگ تھلگ اور بے تعلق نہ تھی بلکہ اسکے برعکس ہمسایہ تہذیبوں سے اسکے گہرے روابط تھے اور چونکہ میسو پٹامیہ اور دوسری تہذیبوں کا عہد متعین کیا جاچکا ہے اسلئے وادیٰ سندھ کے زمانہ کا عکس ان ہمسایہ تہذیبوں سے اسکے تعلقات اور روابط کے آئینہ میں دیکھنا پڑے گا۔

اس تہذیب کی باقیات کا ہمسایہ ممالک کی تہذیبوں کی باقیات سے تقابل کرنے سے پہلے موہنجودارو کے کھنڈرات کا سرسری جائزہ بھی ضروری ہے۔ یہاں کھدائی میں عمارات کی اوپر نیچے سات مختلف تہیں ملی ہیں۔ انہیں سے ایک ابتدائی تین درمیانی اور تین متاخر دور سے متعلق ہیں اسکے علاوہ سنہ ۱۹۵۰ء کی 'گہری کھدائی' کرنے پر پانی کی زیریں سطح کے نیچے بھی آباد تہیں دریافت ہوئی ہیں اور باوجودیکہ پانی نکالنے کے دو مشینیں لگائی گئی تھیں پانی اس فراوانی سے نکلتا رہا کہ دیواریں بیٹھ گئیں تھیں اور کھدائی جاری نہ رہ سکی تھی یہ کھدائی زیر زمین پانی کی موجودہ سطح سے دس فٹ کی گہرائی تک کی گئی تھی اور اسمیں متواتر آبادی کے نشانات پائے گئے تھے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ ابھی اور کتنی آباد تہیں زیر زمین دفن ہیں۔

اسکے علاوہ یہ بات بھی بیان کی جاچکی ہے کہ موہنجو دارو دریائے سندھ کی بے راہ روی کا شکار رہا ہے۔ اور یہاں برابر سیلاب آتے رہے ہیں جس سے یہ شہر بستا اور اجڑتا رہا ہے۔ لیکن یہ عمل تیزی سے جاری رہتا تھا۔ جسکا اندازہ یہاں سے دریافت شدہ باقیات کی بے مثل یک رنگی، تمام تہوں میں ایک ہی سائز کی اینٹوں کی موجودگی، مکان کے نقشوں میں کسی خاص تبدیلی یا فرق کا فقدان اور ایک ہی شکل و صورت اور وضع قطع کی مہروں اور ظروف گلی وغیرہ سے لگتا ہے۔ ہڑپہ اور موہنجو دارو میں تہذیب کے جس دور سے ہم روشناس ہوئے ہیں اسے ہڑپہ کلچر کا نام دیا گیا ہے لیکن وادی سندھ کی باقیاتی تفتیش میں تین مختلف کلچر یعنی آمری کلچر، جھکر کلچر اور جھانگر کلچر بھی دریافت ہوئے ہیں۔ آمری کلچر ہڑپہ کلچر کا پیش رو تھا جھکر اور جھانگر کلچر ہڑپہ کلچر کے بعد کے عہد سے متعلق ہیں گویا جس طرح موہنجو دارو کے دریافت شدہ عہد میں ایک طرف ابتدائی زمانہ کی گنجائش ہے اسی طرح اسکے تباہ ہوجانے کے بعد بھی یہ تہذیب کچھ عرصے تک دوسرے مقامات پر برقرار رہی۔ چنانچہ ہڑپہ میں بالائی سطح پر ایسی باقیات بھی ملی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ موہنجو دارو کے برباد ہوجانے کے بعد بھی آباد رہا ہے۔ چنہو دارو کی بالائی سطح پر بھی جھکر

اور جہانگر کلچر کی باقیات دریافت ہوئی ہیں۔ اور جھکر کلچر کی تاریخ ۱۷۰۰ قبل مسیح تجویز کی گئی ہے۔

مزید برآں وادی سندھ میں لوہے کی باقیات دریافت نہیں ہوئیں جس سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ تہذیب عہد جدید سے قبل کے زمانہ سے متعلق ہے۔ لوہا مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک میں تقریباً قبل مسیح کے دو ہزار سالہ دور میں دریافت ہوا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ وادی سندھ کا تعلق قبل تاریخ کے اس دور سے ہے جب شہر تعمیر ہونے لگے تھے اور شہری زندگی کسی نہ کسی نظم و ضبط کی تابع تھی۔ ہتھیاروں، اوزاروں اور برتنوں کے بنانے کے لئے تانبے اور کانسے کے ساتھ ساتھ پتھروں کا استعمال بھی جاری تھا۔ کمہار کے چاک دریافت ہو چکے تھے جسکی وجہ سے ظروف کی بناوٹ میں خوبصورتی اور نفاست پیدا ہو چکی تھی۔ بغیر پہیوں کے پھسلنے والی گاڑیوں کے بجائے گول پہیوں والی گاڑیاں مستعمل تھیں۔ عمارتیں پختہ اور کچی اینٹوں کی اونچی کرسیوں پر بنائی جاتی تھیں رسم الخط ترقی یافتہ شکل میں تھا طرح طرح کے نیم قیمتی پتھروں اور سیپ اور سنکھ کا کام کیا جاتا تھا۔ سونے اور چاندی کے نہایت اعلیٰ اور فنکارانہ زیورات بھی بنائے جاتے تھے یہ خصوصیات جنوب مغربی ایشیا کے دریاؤں کے کناروں کی تمام بستیوں میں پائی جاتی تھیں

انکا فرداً فرداً جائزہ لینے کے بجائے اگر سب کی ترقی پر غور کیا جائے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وادیٰ سندھ کی تہذیب سمیر کی اولین تہذیب اور ایلام اور میسوپٹامیہ کے 'طوفان نوح' سے قبل کے دور کی تہذیب کے ہم عصر تھی۔ اسکا اندازہ ان باقیات کی تحقیق سے ہوتا ہے جو اس زمانہ میں سفر اور تجارت کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لائی اور لے جائی گئی تھیں۔ اور جو ہمارے سارے قیاسات کا مرکز ہیں۔ اس قسم کی باقیات وادیٰ سندھ اور میسوپٹامیہ سے قبل مسیح کے تین ہزار سالہ دور کے آخری نصف صدیوں اور دو ہزار سالہ دور کے ابتدائی نصف صدیوں میں ملی ہیں۔ اس سلسلے میں مسٹر گیڈ کی تحقیقات بہت اہم ہیں¹۔ جس میں انہوں نے وادیٰ سندھ کی طرز کی بنی ہوئی آر سے سولہ مہروں اور بابل کی غیر تحقیق شدہ دو مہروں کا ذکر کیا ہے اور اس سے قبل کی دریافت شدہ ایسی آٹھ مہروں کی فہرست بھی دی ہے جو کش، سوس، لاگش، اما اور تل اسمیر سے اور دو غیر معلوم مقامات سے دریافت ہوئی تھیں۔ اسی طرح کی ایک مہر موصل کے قریب ٹیپ گوارا سے اور ایک شپام سے بھی ملی ہے۔ یہ انتیس یا تیس مہریں بہت اہم ہیں لیکن ان سب کے بارے میں مکمل تفصیلات کا پتہ نہیں۔ صرف بارہ مہریں ہی اس قسم کی ہیں جن کے دریافت کرنے

1. Gadd, C.J. — Sals of Ancient Indian Style found at Ur. Proceedings of the British Academy XVIII (1932).

والوں نے انکو زمانے کے اعتبار سے بیان کیا ہے۔ یہ یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ وادی سندھ سے درآمد کی گئی تھیں یا وادی سندھ کی مہروں کی طرح مقامی نقش تھیں یا کسی تیسرے ذریعہ سے آئی تھیں۔ پھر بھی بعض مہروں پر مقامی حرفت کے آثار کی جھلک سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان مقامات میں جو مہریں مستعمل تھیں وہ وادی سندھ کی چوکور یا مستطیل مہروں کے بجائے اسطوانی ہوتی تھیں اور غالباً ایسی مہریں چوکور مہروں سے زیادہ کار آمد بھی تھیں کیونکہ ان کے ذریعہ سامان تجارت پر گیلی مٹی کا سہارا دیکر مہر لگانا زیادہ آسان ہوتا ہوگا۔ چنانچہ لاگاش کے قریب میں ایک کپڑے کی گانٹھ پر اسی قسم کی مہر لگائی گئی تھی۔ جن مہروں کو ہم وادی سندھ کی مہروں کا چربہ یا اسی ڈیزائن اور اسی نقش و نگار کی مہریں قرار دیتے ہیں ان پر ایک سینگ والا بیل، ہاتھی، گینڈا اور گھڑیال کی تصاویر اور وادی سندھ کے رسم الخط میں تحریر کندہ ہے۔ ان مہروں میں سے آٹھ مہریں ایسی تھیں جن میں سے دریافت ہوئی ہیں جو قبل سارغن یا سارگن دور کی یعنی تقریباً ۲۳۵۰ ق-م سے متعلق ہیں۔ ایک مہر ۱۸۰۰ ق-م کی، ایک مہر جسکی تہ بہت مشتبہ ہے ۱۵۰۰ ق-م کی، اور ایک مہر ۲۰۰۰ ق-م سے ۱۷۵۰ ق-م کے دور کی ہے۔

ہڑپہ میں ایک معین نما مہر اور چنہودارو میں ایک گول جھکر کچر کی مہر ملی تھی جس پر ایک عقاب کی شکل بنی ہے سوسا میں ایسی مہر ۲۴۰۰ ق - م میں تل باریک (شمالی شام) میں ۲۱۰۰ ق - م میں دریافت ہوئی ہیں۔ الغرض جن تہوں سے یہ مہریں دریافت ہوئی ہیں انکی تاریخ تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح ہے لیکن انکا یقینی عہد ۲۳۵۰ قبل مسیح سے ۱۷۰۰ قبل مسیح مانا جاتا ہے۔ اور یہی وادی سندھ کی تہذیب کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

دوسری شہادتیں بھی قابل غور ہیں -

تل اسمر کی عکادی دور کی تہوں میں جہاں سے اوپر بیان کی ہوئی مہروں میں سے دو مہریں ملی تھیں وادی سندھ کی پچی کاری کے سنکھ کے بنے ہوئے گردے کی شکل کے ڈکڑے اور انکے ہمراہ وہ گھنڈی دار ظروف بھی ملے ہیں جو موہنجودارو اور ہڑپہ دونوں جگہ پائے گئے ہیں۔ ایسے ظروف کسی دوسرے مقام سے متعلق نہیں کئے جاسکتے اور بلاشبہ وادی سندھ سے اسی دور میں وہاں پہنچے ہوں گے۔

اسی طرح سبزی مائل بھورے پتھروں کے برتنوں کے ایسے ڈکڑے جنپر چٹائی کی پٹیوں جیسی ڈیزائن بنی ہوئی

ہے۔ موہنجودارو کی ابتدائی تہوں میں دریافت ہوئے تھے۔ اسی قسم کے ٹکڑے آرکش اور لاگاش میں ابتدائی دور فراغہ میں دریافت ہوئے ہیں۔ پروفیسر پگٹ کے قول کے مطابق وہ مکران اور سیستان میں بنائے جاتے تھے اور وہیں سے مشرقی اور مغربی ممالک میں برآمد کئے جاتے تھے۔ پتھر کے دوسرے برتن جسمیں خانہ دار مثلث نقوش بنائے گئے ہیں اور جو یا تو چوکور ہیں یا استوانی اور جنمیں سے بعض بعض میں چارخانے بنے ہیں جس میں مصالحے وغیرہ رکھے جاتے تھے جنوبی بلوچستان میں ماہی اور موہنجودارو کی بالائی تہوں میں دریافت ہوئے ہیں۔ مختلف شکل کے نقوش والے نیم قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے منکے وادی سندھ اور تل اسمار کے عکادی دور کے لوگ ایک ہی وقت میں استعمال کرتے تھے۔ سونے کی گول چپٹی ٹکیاں جو ہاروں میں پروئی جاتی تھیں اور جن میں دھاگا گزارنے کی نلیاں بھی بنی ہوئی تھیں (پلیٹ نمبر ۱۳ ب ۷) موہنجودارو اور میسوپٹامیہ کے عکادی دور اور ٹرائے کی تہ II جی (جسکی تاریخ ۲۳۰۰ ق، م، ھ) میں دریافت ہوئے ہیں۔

ان شواہد سے بہر حال یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وادی سندھ اور مغربی ممالک میں ۲۳۰۰ سال اور ۱۷۰۰ سال کے درمیان گہرے روابط تھے یعنی کم و بیش یہی تاریخیں وادی سندھ کی تہذیب کی تھیں۔ ان تاریخوں میں دو دو سو

سال کی کمی یا بیشی کی جاسکتی ہے اور انکی انتہائی تاریخیں
 ۲۵۰۰ سال ق - م سے لیکر ۱۵۰۰ ق - م تک مقرر
 کی جاسکتی ہیں - لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ
 خاطر رکھنا ضروری ہے کہ موہنجودارو اور چنہودارو کا بالکل
 ابتدائی دور ابھی تک معلوم نہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ
 اسکی وسعت کہاں تک ہے۔

خاتمه تہذیب

فصل

قوموں اور تہذیبوں کے زوال اور بربادی کی داستان
 تخریب و انحطاط کی ایک ایسی روئداد ہوتی ہے جسکے
 اسباب کم و بیش ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں
 وادیٰ سندھ کی تہذیب کی بہت سی باتیں ہنوز راز سر بستہ
 ہیں وہاں یہ بھی ایک دلدوز حقیقت ہے کہ اسکی انتہا
 بھی معلوم نہیں۔ داستان 'حسن و عشق' ہو تو 'فلک کج
 رفتار' کی شکایت کر کے جی ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے لیکن سنگ
 و خشت کے ٹھوس حقائق کی کہانی اتنی آسانی سے ختم
 نہیں کیجا سکتی اور باوجودیکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ
 آسمان کی کون سی گردش تھی جسنے اس عظیم الشان آبادی
 کو خرابہ عالم بنا دیا لیکن پھر بھی ہمیں ایسے آثار تلاش
 کرنے اور انپر گفتگو کرنا ہی پڑے گی جو ان اسباب کا کچھ
 پتہ دیں جنہوں نے موہنجودارو اور ہڑپہ کو محکمہ آثار
 قدیمہ کی تحویل میں دیدیا ہے۔

ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ دریائے سندھ کے

دھارے میں سونا بہتا ہے لیکن یہ تلخ حقیقت بھی اسی دریا سے متعلق رہی ہے کہ اس میں سے موت کے سوتے بھی پھوٹتے ہیں۔ جہاں اس نے اپنی وادیوں میں ہزاروں بستیوں کو آباد کیا ہے وہیں یہ لاکھوں بستیوں کو نگل بھی گیا ہے اسکی بے راہ روی نے جتنا نقصان نواحی بستیوں کو پہنچایا ہے اسکو فراموش نہیں کہا جاسکتا۔ اس دریا نے معلوم نہیں کتنی بار موہنجودارو کو اپنی زد میں لیا ہوگا۔ ہڑپہ چنہودارو اور چند دوسرے مقامات پر بھی سیلاب کے آثار پائے گئے ہیں۔ ممکن ہے اس تہذیب کی بربادی کی ذمہ داری ان سیلابوں پر ہی ہو۔ کون جانے۔ ہو سکتا ہے کہ آب و ہوا کی وہ تبدیلی جسکا ذکر 'جغرافیائی پس منظر' کے باب میں کیا جا چکا ہے اس بربادی میں برابر کی شریک رہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسی وبا آئی ہو جس نے ان تمام بستیوں کا قلع قمع کر دیا ہو۔

وادی 'سندھ کی بربادی کے بارے میں چند اور نظریات بھی ہیں جنکا بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کسی عہد کی تاریخ کی تدوین میں پرانے کتبات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں سب سے قدیم وہ کتبے ہیں جو وادی 'سندھ کی مہروں پر کندہ ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ ابھی تک پڑھے نہیں جاسکے ہیں اس عہد کے بعد کا سب سے قدیم کتبہ ۳۰۰ قبل مسیح کا مہاراجہ

اشوک کے دور کا کتبہ ہے ان دونوں کتبوں کے درمیان کے عہد سے متعلق ابھی تک کوئی ایسا تحریری مواد دریافت نہیں ہوا ہے جو ہماری معلومات میں اضافہ کر سکے البتہ اسی دور سے متعلق مذہبی نوعیت کا وہ ادبی سرمایہ ہے جو نسلاً بعد نسلاً بغیر کسی لفظی تغیر و تبدل کے موجودہ دور تک پہنچا اور حیطہٴ تحریر میں لایا گیا۔ اس میں رگ وید سب سے پرانا ہے۔ اس کا عہد ماہرین لسانیات نے بارہویں صدی ق۔ م یا اس سے کچھ قبل تجویز کیا ہے خیال کیا گیا ہے کہ یہی وہ عہد ہے جب آریا مغربی ایشیا میں داخل ہوئے چنانچہ رگ وید کی مدد سے ہم اس دور کی تاریخ کی تشکیل کر سکتے ہیں جب دو ہزارویں سال قبل مسیح کے درمیان آریا یہاں آباد ہوئے تھے۔

سر مورٹیمر وہیلر نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپ باتیں کہی ہیں¹۔ ان کے بیان کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آریوں نے مقامی باشندوں کے شہر پناہوں کے اندر بسے ہوئے شہروں کو تاخت و تاراج کیا۔ ان بستیوں کے لئے رگ وید میں 'پور' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی قلعہ یا چہار دیواری کے اندر بسی ہوئی آبادی وغیرہ کے لئے گئے ہیں۔ ایک شہر کو وسیع (پرتھوی) اور چوڑا (یوروی) کہا

Wheeler—The Indus Civilization—P.p,90—93,

گیا ہے۔ بعض قلعوں کو 'فولاد کا بنا ہوا' یعنی نہایت مضبوط بتایا گیا ہے۔ بعض قلعے ایسے بتائے گئے ہیں جن کے گرد 'سرا دی' یعنی موسمی قلعے تھے یعنی موسم برسات میں دریاؤں کی طغیانی اور سیلاب کا پانی دشمن کے حملہ کے خلاف گویا قلعہ جیسی حفاظت کرتا ہوگا۔ ایسے قلعے بھی بتائے گئے ہیں جنکو 'ست بھوجا' کہا گیا ہے یعنی جن میں سو دیواریں تھیں۔ آریوں کے دیوتا اندر کو 'پورم وادارا' یعنی قلعہ شکن بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اندر نے اپنے زیر حمایت دیو داس کے لئے نوے قلعے تسخیر کئے تھے یہی وہ نوے قلعے تھے جن پر مقامی سردار سمبارا کی عملداری تھی اور جن کو اس نے اس طرح بھسم کر دیا تھا جیسے آگ کپڑے کو جلا دیتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قلعے کہاں تھے۔ اب سے کچھ دنوں پیشتر یہ تصور کیا جاتا تھا کہ یہ سب قلعے فرضی اور اسطوری تھے۔ لیکن ہڑپہ اور موہنجودارو میں دریافت شدہ شہر پناہیں اور ستکاجن دور، علی مراد اور دوسرے مقامات میں دریافت شدہ فصیلوں نے یہ نظریات تبدیل کر دئے اور خیال یہ ہے کہ یہ فصیلیں رگ وید میں بیان کی ہوئی شہر پناہیں ہیں اور ان کے برباد کرنے والے 'اندر مہاراج' تھے۔

سر وہیلر اور اسٹورٹ پگٹ نے اپنے اس نظریہ کو

ثابت کرنے کے لئے بڑا زور قلم صرف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آریا ہندوستان میں بلوچستان کی طرف سے آئے ہوں گے۔ علاقہ ژوب میں راعنا غنڈائی کے تیسرے دور کے اختتام یعنی ۲۰۰۰ ق۔م کے قریب تباہی، بربادی اور لوٹ مار کے نشانات ملتے ہیں ایسے ہی نشانات دوسرے مقامات پر بھی پائے گئے ہیں۔ یہ بربادیاں اور ترک سکونت دریاؤں کی عارضی طغیانی، تبدیلی آب و ہوا یا وباؤں کے سبب نہیں ہوئی تھیں بلکہ یہ بربریت کی ایک دلدوز داستان کی غمازی کرتی ہیں۔ وسطی بلوچستان میں اکثر قدیم ٹیلوں پر راکھ کی تمہیں اور ڈھیر پائے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے ساری بستی جلا کر پھونک دی ہو۔ نال کے کھنڈرات کی زمین آگ میں جلنے کے سبب سرخی مائل ہے جس کی وجہ سے یہ 'شور دسب' یعنی سرخ کھنڈر کہلاتا ہے۔ بلوچستان میں اعلیٰ پیمانے پر کھدائی نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس آتش زدگی کے مزید نشانات نہیں مل سکتے ہیں لیکن عام تباہی اور بربادی کا ثبوت اکثر نظر آتا ہے۔

یقیناً نئے حملہ آور ان مقامات پر قابض ہو چکے ہوں گے۔ ان کے بعد ہی کچھ ایسے حملہ آور آئے جو ایسے ظروف گلی استعمال کرتے تھے جن پر کوئی رنگ آمیزی نہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ بلوچستان میں ایک نیا کچر شاہی تمپ

میں پایا جاتا ہے۔ شاہی تمپ کے یہ لوگ دستہ والی کھاڑیاں اور تانبے کی گول سہریں استعمال کرتے تھے۔ ان لوگوں نے یہاں کے قدیم کلچر یعنی کلی کلچر کو ختم کیا۔ موہنجودارو کے آخری دور میں بھی ایسے ظروف گلی اور پتھر کے برتن ملے ہیں جو بلوچستان میں دریافت ہوئے ہیں اور جن سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگ حملہ آوروں سے شکست کھا کر وادی سندھ میں عافیت کوش ہوئے ہوں گے¹۔

ڈاکٹر وہیلر کے خیال کے مطابق وادی سندھ کی مغربی سرحدی علاقوں پر حملہ آوروں کی تاخت و تاراج نے وادی سندھ پر گہرا اثر ڈالا۔ لوگ بھاگ بھاگ کر یہاں آئے، آبادی بڑھی، افراط و تفریط ہوئی، بڑے بڑے کمرے چھوٹے کمروں میں تبدیل ہوئے۔ محل مکانات بن گئے کھاروں کی بھٹیاں شہر کے اندر حتیٰ کی سڑک کے اوپر بنائی جانے لگیں۔ گلیوں کی منصوبہ بندی ختم ہوئی۔ تازہ واردوں کی آمد سے قانون اور امن میں خلل پڑا۔ الغرض صورت حال نازک تھی۔ حملہ آور وادی سندھ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ حکام شہر لوگوں سے صدیوں پرانے بلدیاتی قوانین کی پابندی نہ کرا سکے۔ بدنظمی پیدا ہوئی جس کے نشانات موہنجودارو کی بالائی سطح پر

1. Basham A.L — The Wonder that was India, P, 26.

دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ حملہ آور در آئے۔ لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی کافی تعداد میں لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ اور جو بچ رہے تھے وہ حملہ آوروں کے قتل و غارت کا نشانہ بنے۔ اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ موہنجودارو کے آخری دور میں مرد عورتیں اور بچے گلیوں اور مکانوں میں قتل کئے گئے اور وہیں بے گور و کفن پڑے رہے۔ چنانچہ ایچ۔ آر۔ ایریا کے ایک مکان میں تیرہ مردانہ و زنانہ ڈھانچے اور ایک بچہ کا ڈھانچہ جن میں سے چند کڑے انگوٹھیاں اور منکے پہنے ہوئے تھے کچھ اس طرح پڑے ہوئے پائے گئے ہیں جس سے ان کی اچانک موت کا پتہ چلتا ہے یہ ہڈیاں بڑی خستہ حالت میں تھیں لیکن ایک کھوپڑی پر ۱۴۶ میلیمٹر کا لمبا گھاؤ تھا جو کسی تیز اور بھاری ہتھیار کی ضرب سے ہی پڑ سکتا ہے۔ ایک دوسرے کاسہ سر پر بھی اسی قسم کے نشان تھے۔ وی۔ ایس ایریا کی ایک گلی میں سولہ ڈھانچے جن میں سے ایک بچے کا تھا دریافت ہوئے تھے۔ ایچ۔ آر ایریا کی ایک گلی میں بھی ایک لاش ملی تھی ڈی۔ کے ایریا میں نو لاشیں ملی تھیں جن میں پانچ لاشیں بچوں کی تھیں جو ایک دوسرے کے قریب بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ اسی طرح ڈی۔ کے ایریا میں ایک کنویں کے قریب ایک ایسا حادثہ پیش آیا تھا جس میں چار جانیں ضائع ہوئی تھیں اس کنویں پر جانے کے لئے

قریب کی ایک گلی سے راستہ تھا۔ یہاں کنویں پر چڑھنے کے لئے زینے بنائے گئے ہیں ان زینوں پر دو لاشیں ملی تھیں۔ غالباً یہ لوگ زخمی ہو کر زینوں پر چڑھ رہے تھے لیکن طاقت جواب دے گئی اور وہیں ختم ہو گئے۔ غالباً ان میں سے ایک عورت تھی۔ دوسرا فرد مرنے کے پہلے پیٹھ کے بل گرا تھا۔ دو آدمیوں کی لاشیں باہر گلی میں پائی گئی تھیں۔ اسی سطح پر ایک کلہاڑی بھی پائی گئی ہے جس میں موٹا ڈنڈا ڈالنے کا سوراخ تھا۔ اور جس کا سرا بہت دھار دار تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کلہاڑی حملہ آوروں کی ہوگی کیونکہ ایسا عمدہ ہتھیار وادی سندھ کے لوگوں کے پاس نہ تھا۔ اس کے علاوہ ایسی تلواریں بھی ملی ہیں جن کی ساخت انوکھی اور جو کافی مضبوط ہیں ایک برتن میں دفن شدہ ایک منگول نسل کے فرد کا کاسہ سر بھی ملا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کسی حملہ آور کا ہو۔

ان واقعات کی تاریخ متعین کرنے کے لئے ہم کو مشرق قریب کے حالات کا جائزہ لینا پڑے گا۔ یہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے کہ وادی عراق میں عکادی تخت کی حالت دگرگوں تھی کیونکہ سارغن یا سارگن کے بیٹے فارم سن کی وفات کے بعد گوتی اور دوسرے قبائل اس سر زمین میں گھس آئے تھے۔ ان وحشی

حملہ آوروں نے اس شدت سے مملکت پر دھاوا بولا کہ اس عہد کے دو سو سال بعد ایک شاعر نے ان لوگوں کے بارے میں لکھا: 'وہ غول جن کی یلغار میں آندھی اور طوفان کا زور ہے۔ ایک ایسی قوم جس نے کبھی شہر کی صورت نہیں دیکھی،'¹

غرض ایک طرف ایشیا میں ایک غیر حکومت طاقت پکڑ رہی تھی دوسری طرف فارس میں ایک نئے دور کی ابتدا ہو رہی تھی۔ شمال کی جانب روسی تر کستان سے لیکر بحر کیسپین تک لاتعداد جنگجو قبائل مارے مارے پھر رہے تھے۔ انکا انداز فکر مختلف، زبان نئی، خیالات نئے تھے یہ لوگ آریا تھے۔ یہ آریا اس زمانہ میں پھیلتے جا رہے تھے۔ کچھ خراسان کے شمال سے آئے اور کرمان ہوتے ہوئے فارس جا پہنچے۔ کچھ باختر سے جنوب مشرق کی طرف مڑ گئے اور ہندوکش کی پہاڑیوں کو پار کر کے پنجاب آدھمکے۔ جو فارس پہنچے وہ مشرق کی طرف ہو لئے اور متواتر حملہ کرتے ہوئے آراکوشیا (جنوبی افغانستان) درنجانہ اور مکران پر پل پڑے۔ آریوں کی یہ قتل و غارت اور آتش زنی کئی صدیوں تک جاری رہی اور بلوچستان کے مظلوم باشندے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ کچھ نے وادی سندھ میں پناہ لی اور کچھ پنجاب چلے گئے۔ لیکن سندھ اور پنجاب میں پناہ لینے کے بعد بھی

Piggott Stuart—Prehistoric India, P. 214.

ان کو چین نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ آریوں کے قبضہ میں اب تک جو علاقہ آیا تھا وہ زیادہ سرسبز و شاداب نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ پنجاب اور سندھ میں ہرے بھرے کھیت لہلہا رہے تھے۔ ہر طرف مسرت و شادمانی کے چشمے رواں تھے۔ ایسی ارضی جنت کو دیکھنے کے بعد ان کو بھلا کیونکر آرام آتا۔ انہوں نے وادی سندھ پر حملہ کیا اور یہاں کے دیرینہ جمود کو توڑ ڈالا۔ مقامی باشندے خونخوار اور جفاکش آریوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور وادی سندھ کی تہذیب ایک حیرتناک موڑ پر آ کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

وادی سندھ کی بربادی کا متذکرہ بالا سبب ڈاکٹر سر آر۔ ای۔ ایم۔ وہیلر اور اسٹورٹ پگٹ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور کافی عرصہ تک اس کو وادی سندھ کی بربادی کا صحیح حل سمجھا گیا۔ لیکن ہندوستان میں حالیہ حفریات کے نتائج اور پاکستان میں ڈاکٹر فضل احمد خان ناظم محکمہ آثار قدیمہ کی تحقیقات اور دوسرے محققین نے ان بنیادوں کو ہلا دیا جن پر یہ دلچسپ لیکن کمزور قیاسیات پر مبنی نظریہ قائم کیا گیا تھا۔ ہڑپہ کے قبرستان ایچ کے بارے میں وہیلر کا یہ قیاس تھا کہ ہڑپہ کے برباد کرنے والوں یعنی آریاؤں کا قبرستان ہے۔ ایسا قبرستان صرف ہڑپہ میں ہی ملا ہے۔ اور اس قسم کی باقیات کسی

دوسرے علاقہ میں دریافت نہیں ہوئی ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اگر آریا سارے شمال مغربی ہندوستان میں پھیل چکے تھے تو ان کے دوسرے قبرستان بھی ان علاقوں میں ملنا چاہئے تھے۔ اور قبرستان ایچ سے دریافت شدہ ظروف گلی سے مماثلت رکھنے والے ظروف کم از کم پنجاب یا ان دوسرے دریاؤں کے کنارے جن کو یہ لوگ مقدس خیال کرتے تھے اور برصغیر ہند و پاکستان میں ان کے ابتدائی مسکن تھے، ضرور ملنے چاہئے تھے۔ لیکن ایسے ظروف ابھی تک کہیں دریافت نہیں ہوئے ہیں۔

ہڑپہ کے قبرستان ایچ کے بارے میں اگر وہیلر کی دلیل تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی فرض کر لی جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو افراد یہاں دفن ہیں وہ کچھ عرصہ تک تو یہاں آباد بھی رہے ہونگے۔ کیونکہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ لوگ آباد کہیں ہوں اور ان کے قبرستان کسی بہت دور دراز مقام پر بنائے جائیں۔ ہڑپہ میں وادی سندھ کی بربادی کے بعد کی تہوں میں جھکر اور جھانگر کلچر کی تہیں ملی ہیں جو یقیناً آریا دور سے قبل کی ہیں۔ چنانچہ آریاؤں کی آبادی کے شواہد کی غیر موجودگی اس نظریہ کی قطعی نفی کرتی ہے۔

اس کے علاوہ بیکانیر کے علاقہ میں بھی کئی مقامات پر کھدائی کی گئی ہے یہاں کئی مقامات پر بالائی سطح

سے بھورے رنگ کے ظروف ملے ہیں جن کی تاریخ محققین نے ۶۰۰ قبل مسیح تجویز کی ہے۔ بھورے رنگ کے ظروف کی تہ کے نیچے سیلاب کی لائی ہوئی مٹی کی ایک موٹی تہ ہے اور اس تہ کے نیچے وادی سندھ کی باقیات ملی ہیں جو ہڑپہ اور سوہنجودارو سے دریافت شدہ باقیات سے پوری مماثلت رکھتی ہیں۔ گویا وادی سندھ کی باقیات اور ۶۰۰ قبل مسیح کے دور کے بھورے رنگ کے ظروف کے درمیان کسی مقام پر اس قسم کے ظروف دریافت نہیں ہوئے ہیں جن کا خالق آریاؤں کو گردانا جا سکے۔ بھورے رنگ کے ایسے ہی ظروف پنجاب، مغربی اتر پردیش، ہستنا پور سرسولی اور گھاگھر کے کنارے جو آریوں کا قدیم مسکن ہیں کثرت سے دریافت ہوئے ہیں۔ روپڑ میں بہت چمکدار اور اکثر سیاہ اور اچھی طرح پکائے ہوئے ظروف گلی ملے ہیں جن کو ماہرین نے 'شمالی سیاہ پالش کئے ہوئے ظروف'، کہا ہے۔ ایسے ظروف ڈکسلا میں بھی دریافت ہوئے تھے جن کی تاریخ ۵۰۰-۳۰۰ قبل مسیح تجویز کی گئی ہے۔

وادی سندھ کی باقیات، 'بھورے رنگ کے ظروف' اور 'شمالی سیاہ پالش کئے ہوئے ظروف' انبالہ سے پینسٹھ میل شمال کی جانب دریائے ستلج کے کنارے ایک ہی مقام پر چند معمولی وقفوں سے دریافت ہوئے ہیں۔ یہاں سب سے

"Northern Black Polish"

اچلی تمہوں میں وادی 'سندھ کی تہذیب کے دور کی آبادی کی تمام باقیات یعنی مٹی کے ظروف، سنکے، چوڑیاں، چقماقی اوزار اور تانبے کے برتن کافی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں۔ ایک ایسی مہر بھی برآمد ہوئی ہے جس پر وادی 'سندھ کے رسم الخط میں تین حروف کندہ ہیں ان کے اوپر سیلاب سے لائی ہوئی مٹی کی موٹی تہ ہے جس کے اوپر 'بھورے نقوش والے ظروف، ملے ہیں اور ان کے اوپر کی تمہوں میں 'شمالی سیاہ پالش کئے ہوئے ظروف' پائے گئے ہیں۔ ان تمہوں کے بعد برصغیر ہند و پاکستان کا تاریخی دور شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک طرف باقیات کی قدیم ترین تاریخ ۶۰۰ قبل مسیح ہے تو دوسری طرف باقیات کی آخری تاریخ ۱۷۰۰ ق۔ م ہے ان دونوں کے درمیان ایک خلا ہے جو ابھی تک پر نہیں ہو سکا ہے اور جس کو مزید تحقیق ہی پر کر سکتے گی اور اسوقت ہی اس تہذیب کی بربادی کا صحیح سبب بھی معلوم ہو سکتے گا۔

بازگشت

وادیٰ سندھ کی تہذیب کے اس جائزے سے جو گذشتہ
 اوراق میں پیش کیا گیا ہے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسیح
 سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وادیٰ سندھ میں ایک ایسی
 تہذیب کی عملداری تھی جو مغربی ایشیا کے دوسرے علاقوں
 کی طرح متاخر حجری دور کی تہذیب تھی۔ جہاں تانبے اور
 کانسے کے ہتھیاروں۔ اوزاروں اور برتنوں کے ساتھ ساتھ پتھر کے
 ہتھیار۔ اوزار اور برتن بھی مستعمل تھے۔ شہری زندگی
 باقاعدہ نظم و نسق کے تابع تھی۔ شہر منصوبہ بندی کے تحت
 بسائے جاتے تھے جنمیں شاہراہوں اور گلیوں کی کشادگی کا
 خاص طور سے خیال رکھا جاتا تھا۔ شہر میں صفائی اور
 حفظان صحت کے اصولوں پر پابندی سے عمل ہوتا تھا صفائی
 کے لئے بے شمار بدرؤوں اور چہ بچوں کی موجودگی اور ان کی
 باقاعدگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں صفائی کا محکمہ موجود
 تھا۔ اسی طرح اوزان اور پیمانوں کو هموزن رکھنے کی دیکھ
 بہال کے لئے نگراں مقرر تھے۔ گلی کوچوں کے دونوں طرف

خوبصورت سرخ پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے مکانات ہوتے تھے جنمیں کئی کمرے اور وسیع صحن ہوتے تھے۔ ان مکانوں میں صنایع اور تاجر رہا کرتے تھے جن کا بنایا ہوا سونے، نیم قیمتی پتھروں، ہاتھی دانت، ہڈی، سنکھ وغیرہ کا آرائشی سامان دور دراز شہروں کو برآمد کیا جاتا تھا۔ یہ صنایع پتھر کی ایسی نفیس مہریں یا لوحیں بھی بناتے تھے جن پر بیل، بھینسے، ہاتھی، گینڈے، شیر اور دوسرے جانوروں کی نہایت خوبصورت تصویریں کندہ ہوتی تھیں یہ لوگ سنگ تراشی کے علاوہ کانسے کے برتن اور اسلحہ بھی نہایت مہارت سے ڈھالتے تھے۔ اسی طرح چاک پر مٹی کے برتن بنانے میں تو ان کی شہرت مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ خوشنما سرخ رنگ کے ایسے روغنی برتن بناتے تھے جنہر طرح طرح کے ڈیزائنوں کی نقاشی کی جاتی تھی۔ مٹی کے بنے ہوئے بچوں کے کھلونے بیل، گاڑیاں، چھوٹے چھوٹے جانور، جھنجھنے سیٹیاں وغیرہ اور ماتا دیوی کی مورتیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ کچھ لوگ کاشتکاری کرتے اور جو، گہیوں، تل، مٹر اور روٹی کی فصلیں آگاتے اور اس وادی کے باشندوں کی خوراک کا بندوبست کرتے تھے۔ دنیا کی دوسری تہذیب یافتہ قوموں کی طرح ان کا بھی ایک مذہب تھا۔ قیاس کیا گیا ہے کہ ماتا دیوی کی مورتیاں، جو پکی ہوئی مٹی سے بنائی گئی ہیں اور ایک ایسی شکل جس کو شیو کا

’جد اعلیٰ‘ کہا جا سکتا ہے ان لوگوں کے دیوتا تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ اصنام پرستی کے علاوہ ان لوگوں کے عقائد میں اشجار پرستی حیوان پرستی اور دوسرے عقائد بھی شامل تھے۔

اسی طرح ان کا ایک رسم الخط تھا جس میں یہ لوگ لکھتے پڑھتے تھے۔ اس رسم الخط کو کوشش کے باوجود آج تک پڑھا نہیں جا سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تہذیب اس دور کی مکمل ترین تہذیبوں میں سے ایک تھی اور اگر ہمارے پاس اس تہذیب کی مکمل باقیات ہوتیں تو اسکی اہمیت کا زیادہ صحیح اندازہ کیا جا سکتا تھا جو تقریباً ایک ہزار سال تک وادی سندھ میں پھلا پھولا اور پروان چڑھا اور طویل عرصے کے بعد نامعلوم طریقہ سے ختم ہو گیا۔

وادی سندھ کی تہذیب کی وہ خصوصیات جو ہمیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں مغربی ایشیا کی قدیم تہذیبوں میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ وادی نیل کا علاقہ ہو یا دجلہ و فرات کا، دریائے قارون کی سر زمین ہو یا ہلمند یا دریائے سندھ کے وسیع میدان یہ سارے کے سارے علاقے کسی تہذیب کی پیدائش اور ترقی کے لئے بہت مناسب ہیں۔ ان تہذیبوں میں ایک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے اس زمانہ میں بھی جب انسان شکاری دور سے گذر رہا تھا اور

اس دور میں بھی جب اس نے کاشتکاری شروع کی اور مستقل بستیاں بنا کر رہنا سیکھا کیونکہ ان علاقوں کی آب و ہوا نہ زیادہ سرد تھی نہ بہت گرم اور نہ یہاں کا موسم ناقابل برداشت تھا۔ یہاں پانی اور خوراک کی فراوانی تھی اور دریاؤں کے کنارے کنارے سفر کرنا بھی آسان تھا۔ گویا یہاں تہذیبوں کے پھلنے پھولنے کی تمام آسانیاں موجود تھیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس پورے علاقہ میں کم و بیش ایک ہی دور میں انسان نے تہذیب کے مدارج طے کئے ان تہذیبوں میں تھوڑا بہت زمانی اختلاف ہو تو ہو لیکن کلی اختلاف بہت کم ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ایک تہذیب نے دوسری کا سہارا لیا اور اپنے خاص جغرافیائی ماحول میں اس خاص تہذیب کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا پھر بھی ان کے بنیادی خد و خال اور بہت سی باتیں مشترک تھیں بلکہ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان تمام تہذیبوں کی مشترکہ خصوصیات کی ایک لمبی فہرست تیار کی جا سکتی ہے جس میں رسم الخط، گول پہیوں والی گاڑیاں، کمہار کے چاک پر بنے ہوئے برتن، اینٹوں کے بنے ہوئے مکانات، کانسے اور تانبے کی ڈھلائی اور کاشتکاری وغیرہ شامل کی جاسکتی ہے ان مشترک خصوصیات سے کم از کم ان لوگوں کے خیالات کی یکسانیت اور ایجادات و اختراعات کی اس ہمہ گیری کا پتہ ضرور چلتا

ہے جو اس سارے خطہ زمین پر جاری و ساری تھی لیکن اس اشتراک و مماثلت کے باوجود کچھ اختلافات بھی ہیں مثلاً وادی 'سندھ' کا رسم الخط سمیر اور مصر کے رسم الخط سے بالکل جدا ہے وادی 'سندھ' کی بیل گاڑیاں اسی علاقہ میں مخصوص ہیں یہاں کے چاک پر بنے ہوئے مٹی کے برتن اور ان کی نقاشی دوسرے مقامات پر بنے ہوئے برتنوں سے مختلف ہیں اینٹوں کے سائز بھی اتنے ہی مختلف ہیں جتنے کہ ان سے بنائے ہوئے مکانات کے نقشے وادی 'سندھ' کے تانبے اور کانسے کے بنے ہوئے سادہ سے سادہ اوزار بھی ایلام، میسوپٹامیہ، مصر اور قبرص کے اوزاروں سے بالکل مختلف ہیں۔

ان تمام قدیم تہذیبوں میں اولیت کا شرف سمیر کی تہذیب کو حاصل ہے۔ دجلہ و فرات کی یہ تہذیب دریائے سندھ کی تہذیب پر سبقت رکھتی ہے کیونکہ برتن بنانے کے لئے کمہار کا چاک اور گاڑیوں کے گول پہئے سمیر میں تقریباً ۳۰۰۰ ق۔م۔ میں دریافت ہوئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ یہ فن وہاں سے ایران اور ایران سے وادی 'سندھ' آیا ہو۔ اسی طرح دھات کا کام سب سے پہلے سمیر میں شروع ہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ وہاں سے دوسری جگہوں میں پھیلا ہو۔ لیکن وادی 'سندھ' کے آفرید گارون نے بھی قدیم انسانی تہذیب کی ترقی میں گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں اور مشرقی ایشیا

کی ساری تمہذیبوں میں خواہ وہ میسوپٹامیہ کی تمہذیب ہو یا مصر کی کہیں بھی اتنی نفیس، خوبصورت اور اعلیٰ کندہ کاری کے نمونے نہیں ملتے جتنے کہ وادیٰ سندھ کی مہروں میں نظر آتے ہیں اسی طرح کسی دوسری تمہذیب میں غسل خانے، حمام، پبلک کنویں، اور لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات، اتنی عمدہ منصوبہ بندی، پائنداری اور افادی حیثیت کے نہیں بنائے گئے۔

وادیٰ سندھ کی تمہذیب ایک ہزار میل سے زیادہ وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جتنی جتنی باقیاتی تفتیش آگے بڑھتی ہے اس کا دامن اتنا ہی وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ بہر حال یہ رقبہ میں بابل سے چار گنا اور مصر سے دو گنا ہے۔ اس وسیع علاقہ میں ایک ہی عرصہ میں ایک ہی تمہذیب پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع تمہذیب کی دو راجدھانیاں تھیں۔ ہڑپہ اور موہنجودارو۔ ڈاکٹر وہیلر نے موہنجودارو اور ہڑپہ کی شہر پناہیں دریافت کی ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان فصیلوں کے اندر کوئی انسانی حاکم فروکش تھا یا کسی دیوتا کا اقتدار تھا جس کے پجاری دیوتا کے نام پر حکومت کرتے تھے۔ لیکن دیوتاؤں کے شاندار مندر اور بادشاہوں کے عالیشان محل اور مقبروں کی غیر موجودگی اس قیاس کو بھی تقویت دیتی ہے کہ شاید یہاں تجارتی عددیہ برسرِ اقتدار رہی ہو۔ بہر حال اس علاقہ

کا سیاسی نظام کیسا بھی رہا ہو اتنا یقینی ہے کہ یہاں ثقافتی یکجہتی ضرور تھی۔ جس کے برقرار رکھنے میں دریائی شاہراہوں، بیل گاڑیوں اور کاروانی تجارت کا بڑا دخل تھا۔ یہاں دولت مند تاجر اور صنایع اور نادار آجر سبھی موجود تھے۔ یہ تاجر وسیع دو منزلہ عمارتوں میں رہا کرتے تھے جن میں مختلف کمرے، حمام، غسلخانے، کنویں، گودام اور دربانوں کے کمرے ہوتے تھے۔ اس کے برعکس مزدوروں کے کوارٹر چھوٹے ہوتے تھے جن میں عموماً دو کمرے ہوتے تھے۔ قرب و جوار کے زرخیز علاقوں سے بیل گاڑیوں اور کشتیوں کے ذریعہ کاشتکاروں کی پیدا کی ہوئی روئی اور غلہ شہروں میں لایا جاتا تھا لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ یہ غلہ شہروں میں کس طور پر اور کس نظام کے تحت فروخت کیا جاتا تھا بہر حال خرید و فروخت محنت و مزدوری کے قواعد و ضوابط کچھ بھی ہوں وادی سندھ کا نظام تقریباً ایک ہزار سال تک بڑی یکسانیت سے برقرار رہا اور حیرت انگیز طور پر اس پورے عرصہ میں معاشرہ کم و بیش ایک ہی نہج پر قائم رہا اور مروجہ نظام خوش اسلوبی سے تمام ضروریات پوری کرتا رہا۔ لیکن کسی نظام یا کسی معاشرے کا ایک مقام پر آکر ٹہر جانے کا نتیجہ جمود ہے۔ اور جمود ہمیشہ قوموں کی بربادی کا سبب ہوا ہے۔ چنانچہ ہمیں اس تہذیب کے انحطاط کے آثار اس کے

آخری دور میں کافی واضح طور پر نظر آتے ہیں اور شاید اسی جمود کے باعث بالآخر اس تہذیب نے دم توڑ دیا۔

جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ اس عظیم الشان تہذیب نے برصغیر ہند و پاکستان کی آنے والی نسلوں کے لئے کیا ورثہ چھوڑا تو ہمیں شدید مایوسی ہوتی ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کے برعکس سمیری تہذیب نے مغربی تہذیبوں کی ترقی میں جو زبردست کردار ادا کیا ہے اس کے اثرات ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ میسو پٹامیہ کی متاخر حجری دور کی تہذیب اور تاریخی دور کی تہذیب میں ایک تسلسل ہے جو انقلابات زمانہ سے متصادم ہونے کے باوجود متواتر اور مسلسل طریقہ سے جاری و ساری نظر آتا ہے لیکن وادی سندھ کی تہذیب کا زوال کچھ اس قسم کا ہے کہ گویا یہ صفحہ ہستی سے یک قلم مٹ گئی اور اپنی بستیوں کے ساتھ ساتھ ہی دفن ہو گئی۔ اس کی تعمیری فنی اور دوسری صلاحیتوں کے آثار اس تہذیب کے خاتمے کے بعد بمشکل ہی نظر آتے ہیں اور اس میں اور اس کے بعد کے آنے والے دور میں اس قدر بنیادی فرق ہے دونوں میں کسی قسم کا ربط قائم کرنا بڑا مشکل ہے۔

وادی سندھ کے آفرید گاروں کے خیالات اور فلسفے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ خیالات اور فلسفے مادی نہیں ہوتے۔ اور علم الا آثار کا حقائق پرست ذہن مجبوراً

ایک خیالی محور کے گرد گھومنے لگتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس تہذیب کی بربادی کے بعد یہاں آریوں کی عملداری ہوتی ہے جن کے ابتدائی معتقدات وادیٰ سندھ کے معتقدات سے بالکل جدا ہیں۔ لیکن اس سر زمین میں چند صدیوں کے رہنے بسنے کے بعد ان معتقدات میں ایک زبردست انقلاب آتا ہے اور اندر کے پرستار بالآخر اسی شیو کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں جس کو وادیٰ سندھ والے اپنا آقا مانتے تھے بلکہ کچھ عرصہ بعد اس کی شادی پاربتی (جو ایک آریائی دیوی ہے) سے چائی جاتی ہے اور اندر اور دوسرے دیوتا اس بیاہ کو آشیرباد دیتے ہیں اس طرح رفتہ رفتہ تمام غیر آریائی معتقدات پھر قبول عام کا درجہ پاتے ہیں اور ایک ایسا مذہب نشو و نما پاتا ہے جو آریائی اور غیر آریائی معتقدات کا گٹھ جوڑ معلوم ہوتا ہے اور جس کو ہند و مت کہا جاتا ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آثاری شواہد ہوں یا نہ ہوں وادیٰ سندھ کے مادی اثرات اکارت گئے ہوں تو ہوں کم از کم اس کے معتقدات اور روحانی تصورات نے تو اس برصغیر کو وہ ترکہ عطا کیا جس کا تصرف آج تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔

وادیٰ سندھ کی تہذیب نے جہاں اس برصغیر کی تاریخ میں ایک نئے اور روشن باب کا اضافہ کیا ہے وہاں چند پیچیدہ مسائل کا اضافہ بھی کر دیا ہے اس کا رسم الخط

ابھی تک پڑھا نہیں جاسکا۔ اس کے آفرید گاروں کے طریق تدفین۔ نسلی کیفیت اور معتقدات کے بارے میں کوئی ٹھوس اور حتمی بات نہیں کہی جاسکتی نہ اس کی ابتدا کی خبر ہے۔ نہ اس کی انتہا معلوم ہے اس کی گہرائی ماہرین آثار کاوی کے تیشوں کی زد سے باہر ہے کیونکہ زیر زمین پانی کی تہ راستہ روکتی ہے۔ غرض لاتعداد مسائل ہنوز حل طلب ہیں۔ اور اس تہذیب کے بارے میں لاتعداد سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے سوال جن کے جواب ماہرین آثار نہیں جانتے، ایسے سوال جن کے بارے میں کسی ٹھوس دلیل کی غیر موجودگی میں قیاس آرائی گناہ ہے۔ لیکن تحقیق اور تجسس جاری ہے اور ہو سکتا ہے کہ جلد ہی ماہرین آثار اس قابل ہو جائیں کہ پوچھنے والوں کے تمام سوالوں کا تسلی بخش جواب دے سکیں اور وادی سندھ کی تہذیب پر جتنے پردے پڑے ہیں سب کو ہٹادیں تاکہ دیکھنے والے تا حد نگاہ اپنے شاندار ماضی کو دیکھ سکیں۔

کتابیات

1. Barua, Dr. B.M. 'Indus Script and Tantric Code,' Indo - Iranica — 1.
2. Basham, A.L. The Wonder that was India, London, 1954.
3. Braid Wood, R.J. Prehistoric Men, Chicago, 1951.
4. Cardi, Miss B.de, 'On the borders of Pakistan - Recent Explorations' Art and Letters, Royal India, Pakistan and Ceylon Society, No. 2, 1950.
5. Dikshit, K. N. Prehistoric Civilization of the Indus Valley. Madras, 1939.
6. Fairservis, Jr., W.A. Excavations in the Quetta Valley, West Pakistan. (Anthropological papers of the American Museum of Natural History. Vol.45 pt. 2.) New York, 1956.
7. Fleet, I.F. Seals from Harappa, Journal Royal Asiatic Society, 1912.

8. Frankfort, H. Cylinder Seals. London, 1939.
9. Gadd, C.J. Seals of Ancient Indian Style found at Ur, Proceedings of the British Academy, XVIII, 1932.
10. Hargreaves, H. Excavations in Baluchistan, Memoirs of the Archaeological Survey of India, No. 35, 1935.
11. Heras, Rev, S.J. Studies in Proto-Indo-Mediterranean Culture. Vol. I Indian Historical Research Institute, Bombay, 1953.
12. Hevesy, W. Von. Inselschrift and Indusschrift, Orientalist, Literaturzeitung, 1934.
13. Hrozny, Bedrich. Ancient History of Western Asia, India and Crete, Prague.
14. Hunter, G.R. The Script of Harappa and Mohenjodaro and its connection with others scripts, London, 1934.
15. Karmarkar, Dr A.P. The Aryo - Dravidian Character of the Mohenjodaro Inscriptions, Pracyavani I.
16. Khan, F. A. Fresh Sidelights on the Indus Valley and the Bronze Age Orient. Annual report of the Institute of Archaeology, London, 1955.
17. Khan, Dr. F.A. Kot Diji, Preliminary report on Kot Diji Excavations, 19565-8, Karachi.
18. Kohli, Sita Ram. Indus Valley Civilization. Lahore, 1935.

19. Mackay, E.J.H. Chanh-Daro Excavations, 1935-36
American Oriental Society Vol. 20
Connecticut, 1943.
20. Mackay, E.J.H. Further Excavations at Mohenjo-
daro. 2 Volumes, New Delhi, 1938.
21. Mackay, Ernest. Indus Civilization, London, 1935.
22. Majumdar, N.G. Explorations in Sind. Memoirs of
the Archaeological Survey of India
No. 48 Delhi, 1934.
23. Majumdar, R. C. An advanced History of India.
and others. London, 1946.
24. Marshall,
Sir John. Mohenjodaro and the Indus Civiliza-
tion. 3 Volumes. London, 1931.
25. Meriggi, Herr P. 'Zur Indus Schrift' Zeitschrift der
Deutschen Morgenlandischen Ge-
sellschaft, XII.
26. Nath, Dr. Pran. 'The Script of the Indus Valley
Seals' Journal Royal Asiatic
Society - 1931.
27. Petrie,
Sir W.M. Flinders 'Mohenjodaro' Ancient Egypt - 1932.
28. Piggott, Stuart Prehistoric India (Pelican Series)
Middlesex 1950.
29. Pusalkar, A.D. Vedic Age. London, 1952.
30. Ross, E.J. Journal Near Eastern Studies, V.
Chicago, 1946.
31. Sankaranand. The Rigvedic Culture of Prehistoric
Indus. II

32. Smith, V.A. 'The Copper age and prehistoric bronze implements of India'. Indian Antiquary, Vol. XXXIV 1905.
33. Stein, Sir Aurel. Archaeological Reconnaissances in North-Western India & South-Eastern Iran. London, 1937.
34. Stein, Sir Aurel. Archaeological tour in Waziristan & Northern Baluchistan. Memoirs of the Archaeological Survey of India No. 37 Calcutta, 1929.
35. Stein, Sir Aurel. Archaeological tour in Gedrosia. Memoirs of the Archaeological Survey of India No. 43 Calcutta, 1931,
36. Terra, H. De & T. T. Paterson Studies on the Ice Age India and Associated Human Cultures, Washington, 1939.
37. Vats, Madho Sarup. Excavations at Harappa, 2 volumes, Calcutta, 1940.
38. Waddell, L. A. The Indo-Sumerian Seals Deciphered The Illustrated London News, Sept. 20, Oct 20, 1924.
39. Wheeler, R.E.M. Five Thousand Years of Pakistan. London 1950.
40. Wheeler, R.E.M. The Indus Civilization (Supplementary volume of Cambridge History of India) Cambridge, 1953.

41. White Head.R.B. 'The River courses of the Punjab & Sind.' The Indian Antiquary, Vol. L XI, Bombay, 1932.
42. Wooley Sir Leonard. Digging up the Past, Pelican Series. 1954
43. ابن اثیر الکامل جلد ۳، لیڈن
44. ابو جلال ندوی رسالہ تاریخ و سیاسیات، انجمن ترقی اردو پاکستان، نومبر ۱۹۵۳
45. ایشورا ٹوپا ہندوستانی تمدن، حیدرآباد دکن ۱۹۴۳
46. رسالہ 'نگار' لکھنؤ خدا نمبر-۱۹۵۶

فرہنگ

Alpinoid	آلپینی
Proto - Australoid	آسٹریلوی
Cuneiform	آشوری
Offering Stand	آرقی تھالے
Alphabetic	ابجدی
Grave Furniture	اثاثہ لحد
Steatite	اسٹیٹائٹ
Cylindrical	اسطوانی
Mythic	اسطوری
Aristocracy	اشرافیہ
Alkali	القلی
Unicorn	ایک سینگ والا بیل
Antiquities; remains	باقیات
Archaeological Exploration	باقیاتی تفتیش

Proto-mediterranean	...	بحر روسی
Harp	...	بربط
Hog deer	...	پاڑا ہرن
Dice	...	پانسہ
Terracotta Figurines	...	پکائی ہوئی مٹی کے مجسمے
Cunifom	...	پیکانی
Accents	...	تاکیدی علامتیں
Trefoil	...	تپتیا
Anthropomorphism	...	تجسیمیت
Hieroglyphic	...	ہروغلیفی
Ideograms	...	تصوری رسم الخط
Pictograph	...	تصویری تحریر
Mounds	...	ٹیلے
Stratum; layer	...	تہ
Binary	...	ثنوی
Fractional Burial	...	جزوی تدفین
Soldering	...	جھالنا
Potter's Wheel	...	چاک
Electronum	...	چاندی اور سونے کی مرکب دھات
Celts	...	چپٹی کلہاڑیاں
Chert implements	...	چقماقی اوزار
Stone implements	...	حجری اوزار

Stone Age	حجری دور
Plasma	حجر الصلب
Hitti	حتی
Excavations	حفریات
Post cremation burial		...	خاکستری مدفن
Trench	خندق
Cent	دسی
Bilingual	دو لغوی
Cattle-Fish	استخوان ماہی
Pilasters	دیواری ستون
Mythology	دیو مالا
Village Culture	دیہی ثقافت
Recessed Platforms		...	ڈھلوان چبوترے
Bitumen	رال (قیر)
Tamburine	رباب
Syllabic	رکنی
Conventional	رواجی
Facade	روبکار
Rivets	ریوٹ
Vitreous	زجاج
Faience	سچی چینی
Sexagonal	سدسی

Lyre	سرود
Sulphate	سلفیٹ
Alabaster	سنگ جراحی
Onyx	سنگ سلیمان
Soap Stone	سنگ صابون
Spindle-whorls	سوت کی تکلیاں
Orche	سیندور
Cinnabar	شنگرف
Citadel	شہر پناہ
Phonetic	صوتی
Pottery	ظروف گلی
Oligarchy	عدیدیہ
Deck	عرشہ
Cornelian	عقیق
Archaeology	علم الاثار
Mythology	علم الاصنام
Anthropology	علم الانسان
Turquoise	فیروزہ
Prehistoric	قبل تاریخ
Pre-Dynastic	قبل فراعنہ
Bitumen	قیر
Chalcolathic Period	کانسے کا عہد
Linen	کتان

Polytheism	کثرت پرستی
Girdle	گردہنی
Frying Pan	کرچھا
Kalar	کلر
Gypsum	کھریا مٹی کی کھار
Castanets	کھڑتال
Gothic	گوتھی
Seals	سہریں
Mother-goddess		...	مادر ارض
Neolithic	متاخر حجری دور
Circumstantial evidence		...	محلاتی شواہد
Conical	مخروطی
Elongated drum	مردنگ
Composite animals		...	مرکب جانور
Cubic		...	مکعبی
Complete burial		...	مکمل تدفین
Painted glazed pottery		...	رنگین ظروف گلی
Beads	منکے
Mangoloid		...	منگولی
Fillet		...	موباف
Corbelled Arches		...	مورنیوں والا پٹاو

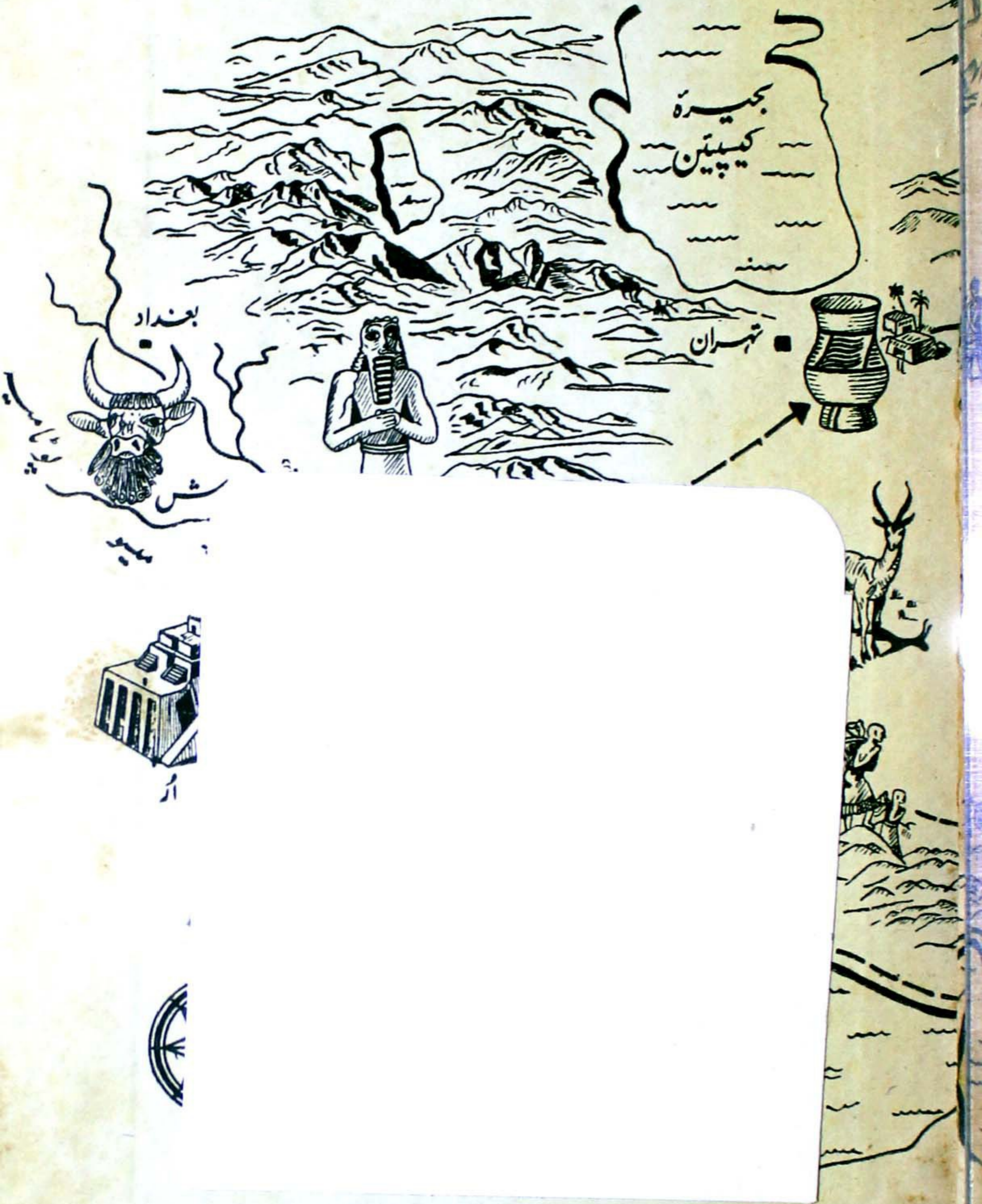
ان الیاء ہندستان قہار



وادی سندھ، ایران



بڑا ماریہ کی قدیم شاہراہیں



مکتبہ نیا راہی، کراچی ۲ نے انٹرنیشنل پریس میں طبع کیا
ناشر: محکمہ آثار قدیمہ، پاکستان

مکتبہ نیا راہی، کراچی ۲ نے انٹرنیشنل پریس میں طبع کیا
ناشر: محکمہ آثار قدیمہ، پاکستان